احکامِ شرعیہ
یں حالات و زمانہ کی رعایت
تالیف
مولانا محمد تقی امینی

احکامِ شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت

تالیف:

مولانا محمد تقی امینی

الفیصل ناشران و تاجران کتب
غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

(ب) طریق نفاذ سے استدلال
نسخ کا تعلق طریق نفاذ سے ہے۔
متقدمین کے نزدیک نسخ شرعی۔
جمہور مفسرین کی طرف سے نسخ کی توجیہہ۔
نسخ کے لیے موقع ومحل کی تعیین کا لفظ زیادہ موزوں ہے۔
موقع ومحل کی تعیین ہی سے قانون وزندگی کا رشتہ باقی رہتا ہے۔
(ج) احکام کے انداز بیان سے استدلال۔
تکمیل ہدایت وجامعیت کا مطلب۔
مالیاتی تنظیم وتقسیم کی کوئی شکل متعین نہیں ہے
عمومی انداز کی چند آیتیں۔
خاص شکل کے تعین سے ہر دور کی ضرورتیں نہیں پوری ہوتی ہیں۔
مقصود عدل کا قیام ہے طریق کار سے بحث نہیں۔
معاشرتی حالات کے لحاظ سے عدل وتوازن کے قوانین میں تفاوت۔
طریق کار میں کافی وسعت اور گنجائش ہے۔
اجتماعی تنظیم وقوانین کی بھی پوری اجازت ہے۔
مذہب کی بقا کے لیے معاشی حالت کی اہمیت۔
حکومت کی شکل متعین نہیں ہے۔
حکومت میں اللہ کا اقتدار ہوگا۔
اللہ کی حکمت عملی منعکس ہوگی۔
ہر چیز بطور امانت ہوگی
شورائی طرز کا نظام ہوگا
سب کے لیے یکساں مواقع ہوں گے۔
غیر مسلموں سے تعلقات کی اصل صلح وامن ہے۔

مرتد کی سزا بغاوت کی بنا پر ہے۔
حکومت مقصد نہیں ہے۔
قرآن حکیم کو مقصد اور بنیادی اصول سے بحث ہے
تنظیم و تقسیم میں حکومت کے اختیارات پر حد بندی نہیں ہے۔
ضرورت مند کے لیے ضروری اشیاء کی فراہمی صاحب استطاعت پر واجب ہے
اراضی میں حکومت کے اختیارات زیادہ وسیع ہیں۔
کفالت کے لحاظ سے حکومت کے اختیارات وسیع ہیں۔
دنیوی مصالح بھی عبادت ہیں۔
حکومت کی حیثیت نائب اور امین کی ہے۔
مسلم حکومتوں اور مذہبی مسندوں کی غفلت۔
(د) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی کوئی شکل متعین نہیں ہے۔
اس سلسلہ کی چند آیتیں۔
معروف و منکر کی تشریح۔
شرعی نظم زندگی کی ایک حدیث سے وضاحت۔
معاشی حالات کے دباؤ کی شدت۔
شریعت کا جادۂ اعتدال۔
(ر) عقوبات کی بحث اصولی اور کلی ہے۔
زنا کی سزا۔
چوری کی سزا۔
تہمت کی سزا۔
ڈاکہ زنی اور بغاوت کی سزا۔
قتل کی سزا۔
دور کی تبدیلی سے دو قسم کی تبدیلیاں ظہور پذیر ہوتی ہیں۔

ٹکراؤ مذہب سے نہیں بلکہ قدیم وجدید میں ہوتا ہے۔
مذہب اخلاقی تبدیلیوں سے سمجھوتہ کے لیے تیار نہیں ہے۔
جدید تنظیم کے لیے اخلاقی تبدیلیوں کو قبول کرنا ضروری ہے
حدود حقوق اللہ ہیں۔
انتہائی احتیاط کا حکم۔
حدود جاری نہ ہونے کی صورت میں دوسری سزا دی جا سکتی ہے۔
حدود کی حیثیت اور وسعت۔
حدود کے نفاذ میں حکومت خود مدعی ہے۔
بہت سی معمولی باتوں سے حدود ساقط ہو جاتے ہیں۔
ضابطے کے مطابق شہادت نہ گزرنے سے حد کا سقوط۔
زنا کی اجرت سے حد کا سقوط۔
فعل اور محل میں شبہ سے حد کا سقوط۔
گواہوں کے فسق سے حد کا ثبوت۔
توبہ سے حد کا ثبوت۔
حد ساقط ہونے کی صورت میں دوسری سزائیں۔
حد کے نفاذ میں حکومت کے اختیارات۔
ثبوت زنا کے طریقے۔
ثبوت کے طریقوں میں وسعت کی گنجائش۔
اصل دشواری۔
چوری کی صورتیں جن میں دوسری سزائیں ناگزیر ہیں۔
چوری کی مقدار میں ترجیح کا حق۔
حد کے نفاذ میں مختلف وجوہ کی بنا پر رعایت
حضرت عمرؓ نے ایک موقع پر چوری کے مال کے دوگنے کا حکم دیا۔

صحابیت توسیع عمارت پر مامور رہوتی ہے۔
صحابہ رضؓ میں کارِ نبوت چلانے کی صلاحیت۔
درجہ اور مرتبہ کے لحاظ سے فرق۔
فقہاء کی نظر میں صحابہؓ کے اقوال کی اہمیت۔
صحابۂ کرام کو یہ بلند مقام کیوں کر حاصل ہوا۔
مذہب کو تحریک قرار دینے کے چند مضر اثرات۔
یہ اثرات، مسائل حل کرنے میں دشواری پیدا کرتے ہیں۔
رسول اللہ کے بعد توسیعی پروگرام کی بنیاد۔
خلافت کے بعد حضرت ابوبکرؓ کی پہلی تقریر۔
حضرت ابوبکرؓ نے توسیع پروگرام میں روح اور مقصد کو سامنے رکھا۔
فتنۂ ارتداد کے مقابلہ میں سلبی ذہن کے ساتھ میدان میں نہیں آئے۔
مدعیان نبوت کی سرکوبی میں حالات زمانہ کی رعایت کو ملحوظ رکھا۔
وہ اعلانِ عام جو فوج کے ہر دستہ کو دیا گیا تھا۔
نظامِ خلافت کو حتی الامکان وسیع کیا۔
حضرت ابوبکرؓ کے اقدامات کا صریحی ذکر قرآن و سنت میں نہیں ہے
توسیع نہ کرنے میں قرآن و سنت کی خلاف ورزی تھی۔
قیاس سے فیصلہ کی چند مثالیں۔
جمع قرآن کے سلسلہ میں حضرت ابوبکرؓ کی جرأت
یہ فعل بظاہر نص کے خلاف تھا۔
حضرت ابوبکرؓ نے بعض مرتدین کو آگ میں جلانے کا حکم دیا۔
حضرت ابوبکرؓ نے بعض مرتدین سے قتل و قتال کا حکم دیا۔
حضرت ابوبکرؓ نے بعض مرتدین کو قید کیا۔
حضرت ابوبکرؓ کو معافی دے دی۔

حضرت ابوبکرؓ نے بعض مرتدین مسلمانوں سے قتل وقتال کا حکم دیا۔
حالات نہایت سنگین اور پرپیچ تھے۔
فتنۂ ارتداد کو دبانے میں سیاست شرعیہ سے زیادہ کام لیا گیا۔
حضرت ابوبکرؓ نے لوطی کو آگ میں جلانے کا حکم دیا۔
حضرت ابوبکرؓ نے شرابی کی سزا مقرر کی۔
حضرت ابوبکرؓ نے دوسری شادی کے بعد بھی ماں کو بچہ کی پرورش کا حق دار ٹھہرایا۔
حضرت ابوبکرؓ نے قطعیہ کا حکم نامہ منسوخ کر دیا۔
حضرت ابوبکرؓ نے رسول اللہ کے وصال پر دف بجانے والی عورتوں کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔
قیاس واجتہاد ابوبکرؓ کی ماموریت کا نہایت اہم فریضہ تھا۔
حضرت عمرؓ کو توسیع کا زیادہ موقعہ ملا۔
حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ کے طریق انتخاب وحکومت سے وسعت کا ثبوت
حضرت عمرؓ نے کتابیہ عورت سے نکاح کی ممانعت کر دی۔
حضرت عمرؓ نے مسلمانوں کو زمین وجائیداد رکھنے سے منع کر دیا۔
حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے بھی اس پر عمل کیا۔
حضرت عمرؓ نے ایک وقت کی تین طلاقوں کو تین قرار دیا۔
حضرت عمرؓ نے شرابی کی سزا اسی کوڑے مقرر کی۔
حضرت عمرؓ نے تالیف قلب کے لیے زکوٰۃ دینے کی ممانعت کر دی۔
حضرت عمرؓ نے درہم ودینار سے دیت کا تعین کیا۔
حضرت عمرؓ نے اہل دفاتر سے دیت وصول کی۔
حضرت عمرؓ نے اہل کتاب کے ذبح خانہ کو ہٹانے کا حکم دیا۔
حضرت عمرؓ نے حج تمتع کی ممانعت کر دی
حضرت عمرؓ نے مفتوحہ اراضی کی تنظیم کو زیادہ وسیع کیا۔

حضرت عمرؓ نے سبب سے بھی خمس وصول کیا۔
حضرت عمرؓ نے چراگاہ کو بلامعاوضہ سرکاری تحویل میں لے لیا۔
حضرت عمرؓ نے چراگاہ کے بارے میں اسلام کی اصلاحات۔
حضرت عمرؓ نے خوش حالی و فارغ البالی کے پروگرام کو مزید وسیع کیا۔
حضرت عمرؓ نے غیر مسلموں کو حکومت میں شریک و دخیل بنایا۔
حضرت عمرؓ نے ملکی انتظام کے لیے الگ الگ شعبے اور صیغے قائم کیے۔
حضرت عمرؓ نے افسروں کے اموال کی فہرست تیار کرنے کا حکم دیا۔
حضرت عمرؓ نے بعض اعلیٰ افسروں کے محل جلانے کا حکم دیا۔
حضرت عمرؓ نے شراب والی بستی کو جلانے کا حکم دیا۔
حضرت عمرؓ نے بعض مسلمانوں کی کھیتی جلانے کا حکم دیا۔
حضرت عمرؓ نے جس درخت کے نیچے رسول اللہ سے بیعت ہوئی تھی اس کو کاٹنے کا حکم دیا۔
حضرت عمرؓ نے حضرت دانیالؑ کی قبر کو چھپانے کا حکم دیا۔
حضرت عمرؓ نے دفاتر قائم کر کے لوگوں کے وظیفے مقرر کیے۔
حضرت عمرؓ نے خراج کا نظم قائم کیا۔
حضرت عمرؓ نے ایک کے قتل میں جماعت کے قتل کرنے کا حکم دیا۔
حضرت عمرؓ نے عدلیہ کو انتظامیہ سے الگ کیا۔
حضرت عمرؓ نے توسیعی پروگرام کے لیے مستقل مجلس قائم کی۔
حضرت عمرؓ نے معلموں، اماموں اور مؤذنوں کی تنخواہیں مقرر کیں۔
حضرت عمرؓ نے قرآن کی تعلیم پر وظیفہ مقرر کیا۔
حضرت عمرؓ نے جبری تعلیم کا حکم دیا۔
حضرت عمرؓ نے وارد و صادر کے لیے مال گودام بنایا۔
حضرت عمرؓ نے غلامی کے رواج کو ختم کرنے کی کوشش کی۔

شوہروں کو چار ماہ سے زائد باہر رہنے سے روک دیا۔
حضرت عمرؓ نے خوبصورتی کم کرنے کے لیے ایک شخص کا سر منڈا دیا۔
حضرت عمرؓ نے ولی کی مرضی کے خلاف بغیر کفو میں نکاح کا حکم دیا۔
حضرت عمرؓ نے شعائر کی تعظیم میں غلو سے روکا۔
حضرت عمرؓ نے تقدیر پر غلط اعتقاد سے روکا۔
حضرت عمرؓ نے حالات کی رعایت سے حکومت کی شان وشوکت کو برقرار رکھا۔
حضرت عمرؓ نے نصرانی کو پرائیویٹ سیکرٹری مقرر کرنے پر ناگواری ظاہر کی۔
حضرت عمرؓ نے اجتماعی طعام کی ایک تجویز کا خیال ظاہر کیا۔
دین ودنیا کی تقسیم مذہب کے غلط تصور کا نتیجہ ہے۔
سائنس و ٹیکنالوجی کے دور سے کوئی صرفِ نظر نہیں کر سکتا ہے۔
قیامت کے دن کی جواب دہی۔
نئی تنظیمات کے پیدا شدہ مسائل حل کیے بغیر چارہ نہیں ہے۔
معترضین کو امام ابوحنیفہؒ کا جواب۔
حضرت عمرؓ نے حقوق کی پامالی کے خیال سے زیادہ عبادت کرنے سے منع کیا۔
حضرت عمرؓ نے چونگی کا محکمہ قائم کیا۔
حضرت عمرؓ نے دریا کی پیداوار پر ٹیکس لگایا۔
حضرت عمرؓ نے تشبیب، ہجویہ اشعار اور مخلوط اجتماعات سے روکا
حضرت عمرؓ نے گداگری پر پابندی لگائی۔
حضرت عمرؓ نے حکومت کے افراد اور رعایا کے ساتھ ترجیحی سلوک روا نہیں رکھا۔
حضرت عمرؓ نے حکومتی طبقہ کے لیے متوسط درجہ کی زندگی کا معیار پیش کیا۔
حضرت عمرؓ نے اہل وعیال کے ساتھ خصوصی رعایت گوارا نہیں کی۔
حضرت عمرؓ نے عملاً معاشرتی امتیازات کو ختم کیا۔
حضرت عمرؓ نے بلاوجہ حج میں تاخیر کرنے والوں کا اسلام غیر معتبر قرار دیا۔

حضرت عمرؓ نے ناجائز بچہ کی پرورش کا بندوبست کیا۔
حضرت عمرؓ نے جانور پر زیادہ بوجھ لادنے والے کو سزا دی۔
حضرت عمرؓ نے عہدہ وملازمت میں اپنے گھر والوں کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کی۔
حضرت عمرؓ نے قوت ونقاہت دونوں کا اجتماع بڑی مشکل سے ہوتا ہے۔
حضرت عمرؓ نے مذہبی رہنماؤں کو بالخصوص خود کفیل بننے کا حکم دیا۔
ملت کی تاریخ میں علماء وصوفیاء کا کردار۔
آن اور شان کے بغیر چارہ نہیں ہے۔
نئے آشیانہ کی تشکیل میں علماء وصوفیاء کے کارگزاری کی نوعیت۔
علماء وصوفیاء کسی جمشید کے ساغر نہیں ہوتے ہیں۔
حضرت عمرؓ نے مذہبی رہنمائی کے لیے معیار مقرر کیا۔
حضرت عمرؓ نے حسب صلاحیت مذہبی ذمہ داری سپرد کی۔
حضرت عمرؓ نے اوراد ووظائف کا زیادہ سلسلہ نہ جاری ہونے دیا۔
حضرت عمرؓ نے فیشن اور ناز وانداز پر پابندی لگائی۔
حضرت عمرؓ نے مسلم گھرانوں کی نگرانی واصلاح فرماتے رہے۔
شخصیت سازی کی طرف خصوصی توجہ کی۔
اپنی بیوی میں بیگم کی خصوصیات نہ پیدا ہونے دیں۔
اخلاق وکردار کی درستگی کے لیے شخصی حقوق کا لحاظ نہ کیا۔
حضرت عمرؓ نے باندی تک کو زرق برق لباس پہن کر نکلنے سے روک دیا۔
حضرت عمرؓ نے مستقل ذریعہ آمدنی بنانے کا حکم دیا۔
حضرت عمرؓ نے کھڑے ہوکر پانی پینے کی اجازت دی۔
حضرت عمرؓ نے درازئ تقریر اور پیشہ ورانہ وعظ کو شیطان کی جانب منسوب کیا۔
حضرت عمرؓ نے شریعت کو تبدیل وتحریف سے محفوظ رکھا۔
حضرت عمرؓ نے احادیث میں فرق وامتیاز قائم کیا۔

مقدمہ

معاشرہ کی حالت ہمیشہ یکساں نہیں رہتی ہے

معاشرہ کی حالت ہمیشہ یکساں نہیں رہتی، بلکہ اس میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے، یہ تبدیلی کبھی معمولی ہوتی ہے جو حالات کے آتار چڑھاؤ سے رونما ہوتی ہے اور کبھی ہمہ گیر ہوتی ہے جو ایک دور کے بعد دوسرے دور کے آنے سے ظہور پذیر ہو جاتی ہے۔

پہلی صورت میں زیادہ کد و کاوش کی ضرورت نہیں پڑتی۔ بلکہ چند احکام و مسائل کے موقع و محل میں تبدیلی سے کام چل جاتا ہے۔

لیکن دوسری صورت میں چند مسائل پر بات نہیں ختم ہوتی، بلکہ اس کے لیے قانونی نظام کو نئے انداز میں ڈھالنے اور نئے قوانین وضع کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

معاشرے میں جب توانائی ہوتی ہے اور راہنماؤں میں صلاحیت کے ساتھ ذمہ داری کا احساس ہوتا ہے تو ترتیب و تدوین کا کام بڑی خوش اسلوبی سے انجام پاتا ہے۔ لیکن جب معاشرہ کمزور و ناتواں ہوتا ہے، ادھر رہنماؤں میں بحیثیت مجموعی قومی و ملی مفاد کا شدید احساس نہیں ہوتا یا ذاتی و گروہی اقتدار کے تحفظ کی زیادہ فکر ہوتی ہے۔ تو مذکورہ کام میں بڑی حوصلہ شکنی ہوتی ہے، اور ایک عرصہ تک مستقل و مسلسل جد و جہد کے بغیر کام کی کوئی صورت نظر نہیں آتی ہے۔

مسلم قوم کے زوال نے ایک نئے دور کو جنم دیا ہے

مسلم قوم کے زوال نے ایک نئے دور کو جنم دیا ہے جس کے نظریات نے ایمان واعتقاد کی بنیادیں ہلا دی ہیں اور معاشرہ کی جدید تشکیل نے مذہب و زندگی کے ہر شعبہ میں بے شمار نئے مسائل پیدا کر دیے ہیں۔

پہلے جو کام ایک گوشہ میں ہوا کرتا تھا اب اس کے لیے ایک وسیع دنیا وجود میں آگئی ہے، پہلے ایک فرد کی صلاحیت کافی ہوتی تھی اب تقسیم کار کے بغیر چارہ نہیں رہ گیا ہے، پہلے تجدید دین کی بات ایک معاشرہ تک محدود تھی اب اس کا تعلق ایک دور سے ہو گیا ہے، ایسی حالت میں جب تک ہمہ جہتی پروگرام نہ ہو کسی ایک گوشہ میں رہنمائی سے ملت کی ضرورتیں نہیں پوری ہو سکتی ہیں۔ جس طرح کسی ایک تنظیم و تحریک سے ملت کے ہر گوشہ میں رہنمائی کا مدعی بننا خود فریبی ہے۔

مسلم قوم کی موجودہ حالت

اس وقت مسلم قوم کا حال ایک ایسے مریض کا ہے کہ جس کے آثار صحت نمایاں ہیں لیکن کمزوری بدستور موجود ہے، جب کوئی مریض رو بصحت ہوتا ہے تو صرف دواؤں سے کام نہیں چلتا بلکہ معتدل انداز میں غذا کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔

اگر اس کو غذا نہ پہنچائی گئی تو نقاہت کی وجہ سے مزاج میں چڑچڑاپن پیدا ہو جائے گا اور پھر دوا پینے سے بھی انکار کر دے گا۔

جب وہ توانا تھی تو اس کو نئی غذا کی ضرورت نہ تھی

جس وقت مسلم قوم قوی اور توانا تھی اس وقت نئی غذا کی ضرورت تھی اور نہ موجودہ غذاؤں کے لیے نئے ڈبے اور پیکیٹ درکار تھے بلکہ ملکی اور معاشرتی قوانین کا جو ذخیرہ موجود تھا۔ وہ وقت اور موسم کے لیے لحاظ سے کافی تھا۔ اور حسب ضرورت استعمال کرنے میں آزادی تھی۔

پھر یہ قوم ایسے حالات سے دوچار ہوئی کہ اس کی زندگی کا سب کچھ لٹ گیا

وہ بیمار ہوئی اور بیماری آخری ڈگری تک پہنچ گئی، لیکن چونکہ اس کی روح میں وحی الٰہی کی آواز سرایت تھی اس بنا پر جان بچانے میں کامیاب ہو گئی۔

اس اثناء میں دوسری ضعیف وناتواں قومیں اس کی زندگی کے روشن اور تاریک پہلو سے روشنی اور عبرت حاصل کر کے قوی وتوانا بن گئیں اور زمانہ کا رخ موڑ کر انہوں نے ایک نئے دور کا آغاز کر دیا۔

اب جب کہ مسلم قوم نے رو بصحت ہو کر زندگی میں دوبارہ قدم رکھنا چاہا تو وہ دور ختم ہو چکا ہے جس کا آغاز خود اس نے کیا تھا اور وہ دنیا لٹ چکی ہے جس کو اپنے ہاتھوں بنایا اور سجایا تھا۔

پچھلا دور اپنی شکل میں پھر واپس نہیں آتا ہے

قانونِ فطرت کے مطابق کوئی "دور" اس طرح نہیں ختم ہوتا کہ وہ دوبارہ اپنی شکل میں واپس آئے اور کوئی دنیا اس لیے نہیں الٹتی کہ وہ اپنی حالت پر پھر آباد کی جائے۔ یہ دنیا عالم کون وفساد ہے یہاں ہر بگاڑ کے ساتھ بناؤ اور ہر تخریب کے ساتھ تعمیر ہے خود فطرت ہر گوشہ میں کانٹ چھانٹ کرتی اور خوب سے خوب ترشئے کو فٹ کرتی ہے، جب کوئی شئے ایک جگہ فٹ ہو گئی تو کمتر شئے کے لیے وہ جگہ نہ چھوڑے گی بلکہ قبضہ کے لیے اس سے بلند وبرتر شئے کا ہونا ضروری ہے اس بنا پر یہ توقع فضول ہے کہ سابق دور واپس آئے گا اور اس کے معاشرہ میں ملکی ومعاشرتی قانون علی حالہ نافذ ہوں گے (سابق دور سے مراد اس کی عمارت ہے نہ کہ معنوی وروحانی خصوصیت کہ جس کی واپسی ہی میں فلاح عالم کا مدار ہے)

نئی دنیا کو قبول کیے بغیر چارہ نہیں ہے

رو بصحت ہو کر مسلم قوم نے جس نئی دنیا میں قدم رکھا ہے اگر اس میں رہنا اور چلنا ہے (اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے) تو اس کے احساسات وخیالات کو سمجھنا ضروری ہے اور تقاضوں ومطالبوں کو قبول کرنا ناگزیر ہے) تو اس کے

احساسات وخیالات کو سمجھنا ضروری ہے اور تقاضوں ومطالبوں کو قبول کرنا ناگزیر ہے۔ حصولِ مصالح اور دفعِ مضرت کی بہت سی شاہ راہیں تعمیر ہو چکی ہیں معاشی اسکیموں اور فلاحی تجویزوں کا ایک انبار لگا ہوا ہے صنعت وحرفت کی وسیع پیمانہ پر تنظیم ہو گئی ہے اور تجارت وغیرہ کی نئے انداز میں تشکیل ہو چکی ہے۔

بات صرف حاجت وضرورت پر نہیں ختم ہوتی بلکہ جلبِ منفعت اور دفعِ مضرت کا سوال ہے اور زندہ رہنے کے لیے زندگی کے موجودہ سروسامان سے آراستہ ہونے کا معاملہ ہے۔

ملکی ومعاشرتی قوانین میں اضافہ اور تبدیلی کی ضرورت ہے

ادھر ہمارے سابقہ ملکی ومعاشرتی قوانین میں بعض ایسے ہیں جن کا دور ختم ہو چکا ہے اور بعض ایسے ہیں جن کی دنیا لٹ چکی ہے اور بہت سے وہ ہیں جن کے لیے نیا قالب تیار کیے بغیر چارہ نہیں ہے۔

نیز موجودہ دور کے بہت سے قوانین اپنے ذخیرہ میں شامل ہونے کے لائق ہیں اور بہت سے معاملات کے لیے نئے قوانین واضع کرنے کی ضرورت ہے۔

قانون کی ترتیب وتنظیم کا یہ کام اگر معاشرتی تبدیلی کے آثار چڑھاؤ سے متعلق ہوتا تو زیادہ کدوکاوش کی ضرورت نہ تھی، چند احکام ومسائل کے موقع ومحل میں تبدیلی سے کام چل جاتا اور اس کے ذریعہ وقت کی ضرورتیں پوری ہوتی رہتیں جیسا کہ تاریخ میں اس کی نظیریں موجود ہیں۔

لیکن اس وقت کام مستقل دور کی تبدیلی سے متعلق ہے اس بناء پر چند مسائل کے الٹ پھیر سے بات نہ بنے گی۔ بلکہ فروعی نظام میں ترمیم وتنسیخ اور اضافہ کے ساتھ اس کو جدید انداز میں ڈھالنا ہے۔ اور اصولی نظام کی حفاظت کے ساتھ اس کو نئی ترتیب وتنظیم کا جامہ پہنانا ہے ظاہر ہے یہ کام مستقل اور مسلسل جدوجہد کے بغیر نہیں انجام پا سکتا ہے۔

معاشرہ شریعت سازی کی بنیاد ہے

"معاشرہ" شریعت سازی کی بنیاد ہے اور احوال و مصالح عمارت تعمیر کرنے کے سامان ہیں جب معاشرہ میں تبدیلی ہوگی تو لازمی طور سے احکامِ شرعیہ کی شکل و صورت بدلے گی اور جب احوال و مصالح باقی نہ رہیں گے تو ان سے بنی ہوئی عمارت بھی ختم ہو جائے گی۔

ہدایت الٰہی نے ہمیشہ "شرائع" کے نزول میں بنیاد و سامان دونوں کا لحاظ کیا ہے اور اسی وجہ سے شرائع و مناہج کے اختلاف کو برقرار رکھا ہے۔

جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اگر کسی زمانہ میں ان کا لحاظ نہ کیا گیا تو شریعت اور معاشرہ کا رشتہ منقطع ہو جائے گا، پھر شریعت زندگی سے کنارہ کشی پر مجبور رہو گی یا اس کی چاکری میں مشغول رہے گی۔

ہدایت کے بنیادی قواعد میں نئے احوال و ظروف کی جگہ موجود ہے

جب تک نزول شرائع کا سلسلہ جاری رہا، ہدایت نے صرف زمانۂ نزول کے معاشرہ کو اپنا مطمحِ نظر بنایا اور جب یہ سلسلہ بند ہوا تو ہدایت کے بنیادی قواعد میں تمام ان نئے احوال و ظروف کو بھی جگہ دی گئی جو بعد کسی ظہور پذیر ہونے والے تھے، چنانچہ نزول ہدایت کے وقت عرب کا معاشرہ سادہ تھا عقلی موشگافی اور تمدنی پیچ در پیچ کو اس میں دخل نہ تھا، سادہ ذہن کے مطابق احکام شرعیہ نہایت سادگی کے ساتھ عرب کے جسم و بدن پر فٹ آ گئے۔

لیکن جب فتوحات کی کثرت ہوئی اور ایرانی، رومی، کلدانی، حبشی، قبطی، ترکستانی اور سندھی قومیں اسلام کے حلقہ بگوش ہوئیں، یا زیر اقتدار آئیں تو وہ اپنا مخصوص معاشرہ اور تمدن ساتھ لائیں، ان کے حالات و معاملات مختلف تھے معاشی و سیاسی نظام میں تفاوت تھا، کہیں ایرانی تہذیب و قانون کو دخل تھا تو کہیں رومی تمدن و قانون کا اثر تھا غرض عجمیوں کے اختلاط سے ایک عجیب کشمکش پیدا ہوئی

اور ان کے ساتھ معاملات سے نئی نئی ضرورتیں ابھریں اور بہت سے نئے مسائل حل طلب قرار پائے جن کی وجہ سے عرب کی سادگی کو دھکا پہنچا اور احکام کی سادگی کو تمدن کی چاشنی دے کر ان کے دامن کو وسیع کرنے کی ضرورت پیش آئی۔

دور اوّل میں راہنمایانِ ملت کی راہنمائی

یہ وقت راہنمایان ملت کے لیے نہایت نازک اور دشوار گذار تھا۔ اگر خدانخواستہ ان پر جمود طاری ہوتا یا اسلام کو آزادی دینے والی قوت کے بجائے اس کو معطل کرنے والی آہنی زنجیر سمجھتے تو اسلام صرف عرب میں محدود ہو کر رہ جاتا اور ہمیشہ کے لیے اس کی عالمگیریت ختم ہو جاتی۔

لیکن فقہائے کرام کو اللہ تعالیٰ کروٹ کروٹ چین نصیب کرے انہوں نے جس انداز سے اسلام کی راہنمائی کے فرائض انجام دینے اور نئے احوال و ظروف کو جس ہمت کے ساتھ ہدایت کے وسیع دامن میں سمیٹا کہ قانون کی تاریخ اور ملی خدمات میں اس کی نظیر نہیں ملتی ہے۔

چنانچہ احکام و قوانین کا جو ذخیرہ ہمارے پاس موجود و محفوظ ہے، اس کی وسعت و تنوع کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ہارون الرشید کی سلطنت جو سندھ سے ایشیائے کوچک تک پھیلی ہوئی تھی، وہ انہیں احکام و قوانین پر قائم تھی اور اس دور کے تمام واقعات و معاملات انہیں کے مطابق فیصل ہوتے تھے۔

ہدایت کی پالیسی امالہ کی ہے ازالہ کی نہیں

معاشرتی یا نئے احوال و ظروف کی راہنمائی میں ہدایت الٰہی کی پالیسی "ازالہ" کی کبھی نہیں رہی، بلکہ ہمیشہ وہ "امالہ" ہی کی حکمت پر کار بند رہی ہے، یعنی تاریخ کے کسی دور میں ایسی کوئی نظیر نہیں ملتی کہ "ہدایت" نے معاشرہ کے مروجہ احکام و مراسم یا مرغوبات و مالوفات کے بارے میں شمشیر بے نیام ہو کر فیصلہ کیا ہو کہ جو بات مروج دیکھی اس کو ختم کر دیا اور جو چیز لوگوں کی پسندیدہ ہوئی اس سے روک دیا بلکہ ہمیشہ اس نے لوگوں کی نفسیات اور مزاجی کیفیات کے

پیش نظر اپنے لیے جو جامہ تیار کیا اس میں تقریباً وہی سب سامان لگایا جو مروج اور معاشرہ میں موجود تھا۔ پہلے اس نے روح پھونکی اور نقشہ میں اتارا پھر اپنے سانچہ میں ڈھال کر قبول کر لیا۔

عرب کا معاشرہ آخری ہدایت کا تشریعی مادہ ہے۔

دور جانے کی ضرورت نہیں ہے آخری ہدایت نے شریعت کے نام سے ملکی و معاشرتی قوانین کا جو جامہ تیار کیا ہے، اس میں عرب کے معاشرہ کی ساخت کو زیادہ دخل ہے، جس طرح ہر زمانہ کا معاشرہ اس وقت کی ہدایت کا تشریعی مادہ ہوتا تھا، اسی طرح عرب کا معاشرہ آخری ہدایت کا تشریعی مادہ قرار دیا جاتا ہے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ ہدایت کے بنیادی قواعد میں بعد کی ہونے والی تبدیلیوں کو سمیٹنے کی نہ صرف گنجائش اور وسعت ہے بلکہ حوصلہ افزائی اور تاکید ہے کہ اس کے بغیر عالمگیریت پر حرف آتا ہے اور اسلام صرف ایک دور میں محدود ہو جاتا ہے۔

جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد فقہائے کرام نے معاشرتی تبدیلیوں کو سمیٹ کر دکھایا اور ہر اس چیز کو قبول کیا جو قبول کرنے کے لائق تھی، ہر اس مالی و معاشی نظام سے استفادہ کیا جس سے استفادہ ملک و ملت کے لیے ضروری مفید تھا۔

موجودہ تبدیلیوں کو سمیٹنے میں چند دشواریاں۔

موجودہ دور کی تبدیلیوں کو سمیٹنے کے لیے قرآن و سنت کی روشنی، صحابہؓ کی زندگی اور فقہائے کے کارنامے سب محفوظ ہیں لیکن ان سے استفادہ کی راہ میں چند دشواریاں حائل ہیں مثلاً۔

۱۔ مذہب کی نمائندگی جس انداز سے ہو رہی ہے اس میں بڑی حد تک فکر و عمل کی وہی خصوصیتیں موجود ہیں جو دورِ زوال کی یادگار رہیں اور جن کو زمانی تبدیلیوں نے پامال بنا دیا ہے، چنانچہ اس امر پر سب کو اتفاق ہے کہ اسلام زندگی کے

—— تمام شعبوں پر حاوی ہے۔ لیکن ان شعبوں کی تعبیر و تفسیر میں اب تک سرمایہ دارانہ و جاگیردارانہ ذہنیت کا مظاہرہ ہو رہا ہے۔

بلاشبہ بعض ذہن اور طباع حضرات کی قلمی جولانیاں مسلم اور قابل قدر ہیں لیکن ان جولانیوں کا دائرہ کار عقائد و عبادات سے آگے نہیں بڑھ سکا۔ اسی طرح بعض اجتماعی اور معاشرتی مسائل میں شاذ و نادر انفرادی رایوں سے بھی انکار نہیں ہے لیکن سند قبولیت حاصل نہ ہونے کی وجہ سے یہ رائیں معاشرہ پر اثر انداز نہیں ہو سکتی ہیں۔

۲۔ ہر سمجھ دار آدمی اس حقیقت کو تسلیم کرتا ہے کہ بہت سے ملکی تنظیمی اور معاشرتی قوانین حالات و زمانہ کی رعایت کیئے بغیر اپنی افادیت برقرار نہیں رکھ سکتے۔ لیکن یہ "تسلیم کرنا" صرف زبانی ہے۔ شرعی امور میں عملاً اب تک کوئی ثبوت نہیں پیش کیا جا سکا۔

۳۔ موجودہ ترقیات اور بدلے ہوئے حالات سے سب مرعوب و متاثر ہیں۔ لیکن مرعوبیت اور تاثر کا ظہور دو مختلف طریقوں سے ہو رہا ہے۔

ایک طبقہ حدود و قیود کو نظر انداز کر کے سب کچھ قبول کرنے میں خوش ہے اور دوسرا ماتم کرنے اور گریہ و زاری کی راہ اختیار کرنے میں مگن ہے۔ مضطرب و غیر مطمئن نہ یہ طبقہ ہے اور نہ وہ ہے۔ پھر عدل و اعتدال کی ضرورت کس کو پیش آئے؟ اور اس کی راہیں کیونکہ کھلیں؟

۴۔ عدل و اعتدال کی توقع متوسط طبقہ سے ہو سکتی تھی لیکن تجربہ سے معلوم ہوا کہ متوسط طبقہ کا عملاً اب تک وجود نہیں ہے۔ بعض حضرات کی خواہشیں یقیناً قابل قدر ہیں لیکن صرف خواہشیں ہیں جو معمولی آزمائش کے وقت نہایت نیک نامی کے ساتھ دب جاتی ہیں۔ اور پھر چند دنوں کے لیے ابھر آتی ہیں۔ ان خواہشات کو بروئے کار لانے کے لیے کوئی موثر طاقت ہے اور نہ بے چین کر دینے والا احساس۔

۵۔ یہ کام جرأت و ہمت اور کھلے دماغ کے ساتھ براہ راست غور و فکر کے بغیر

نہیں انجام پا سکتا لیکن مذہب کے نام پر مختلف برادریاں اور گروہی تعلقات کی جکڑ بندیاں کچھ اس طرح گرفت میں لیے ہوئے ہیں کہ ان سے صرف نظر کر کے جرأت و ہمت کے مظاہرہ کی توقع بے سود ہے اور ان کو ساتھ لے کر کھلے دماغ کے ساتھ کسی فیصلہ کی امید بے کار ہے۔

ان حالات میں استفادہ کی تفصیلات پر گفتگو محض معذرۃً الی ربکم ہی ہو سکتی ہے یا اس امید پر کہ مستقبل میں طوفان کی شدت قلب و دماغ کی لہروں میں ارتعاش پیدا کر دے اور پھر ملت کی حفاظت کے لیے سفینہ کی تیاری پر مجبور ہونا پڑے۔

اس کتاب میں ترتیب وار قرآن و سنت، صحابہؓ کی زندگی اور فقہاء کے کارناموں سے احکام شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت کا ثبوت فراہم کیا گیا اور استفادہ کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ اللہ سے دعا ہے کہ افراط و تفریط سے محفوظ رکھے اور عدل و اعتدال برقرار رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔

یکم جولائی ۱۹۶۰ء

محمد تقی امینی

قرآن حکیم سے حالات و زمانہ کی رعایت کا ثبوت

طریقِ نزول سے استدلال قرآن حکیم دفعتہً نہیں نازل ہوا بلکہ ۲۳ سال کی مدت میں حسب ضرورت و مصلحت بتدریج اس کا نزول ہوا ہے۔ یعنی جیسی ضرورتیں پیش آئیں اور جس قسم کے مصالح کی رعایت ناگزیر ہوئی ان کی مناسبت سے احکام کا نزول ہوتا رہا۔ اس طریق نزول سے ایک طرف حالات و زمانہ کی رعایت کا ثبوت ملتا ہے تو دوسری طرف زندگی اور قانون میں باہمی ربط کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔

جیسا کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

انما نزل اول ما نزل سورة من المفصل فیها ذکر الجنة والنار حتی اذا ثاب الناس الی الاسلام نزل الحلال والحرام ولو نزل اول ما نزل لا تشربوا الخمر لقالوا لا ندع	پہلے مفصل (سورۃ حجرات سے آخر قرآن تک) کی وہ سورتیں نازل ہوئیں جن میں جنت و دوزخ (ترغیب و ترہیب) کا ذکر ہے، پھر جب لوگ اسلام پر قائم ہو گئے تو حلال و حرام کے احکام نازل ہوئے مثلاً اگر شراب نہ پینے کا حکم پہلے ہی نازل ہو جاتا تو لوگ کہہ دیتے کہ ہم کبھی شراب

الخمر ابدًا ولو نزل لا تزنوا لقالوا لا ندع الزنا ابدًا [1]

نہ چھوڑیں گے اسی طرح اگر ابتدا ہی میں زنا کی ممانعت کا حکم نازل ہو جاتا تو لوگ اس کے چھوڑنے سے ہی انکار کر دیتے ۔

طریق نفاذ سے استدلال

قرآن حکیم میں بیان کردہ اصول نسخ کے ذریعہ احکام کے موقع و محل متعین کرنے کی اجازت دی گئی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ معاشرہ شریعت سازی کی بنیاد ہے اور احوال و مصالح عمارت تعمیر کرنے کے سامان ہیں ۔

نسخ کا تعلق طریق نفاذ سے ہے

نسخ کا اصل تعلق طریق نفاذ سے ہے کہ اس کے ذریعہ احکام کی تقدیم و تاخیر تخصیص و تعمیم اور تقیید و تمدید کی جاتی ہے جیسا کہ مکی و مدنی مشروعات میں فرق سے ظاہر ہوتا ہے ۔

ان المشروعات المكية وهي الاولية كانت غالب الاحوال مطلقة غير مقيدة كان اكثر ذلك موكولا الى انظار المكلفين فى تلك العادات ومصروفا الى اجتهادهم ليأخذ كل ما لائق به وما تقدر عليه من تلك المحاسن الكليات ـ مكا [illegible]

مکی مشروعات جن کو اولیت حاصل ہے وہ اکثر حالتوں میں مطلق ہیں مقید نہیں ہیں اپنی مروجہ عادات میں مکلفین کے غور و فکر اور ان کے اجتہاد کے حوالہ ہیں تاکہ حسب حال و حسب استطاعت کلی محاسن و مکارم کا حصول ممکن ہو سکے ۔

مشروعات مدنی کے بارے میں ہے :

فتفصلت تلك المجملات المكية وقيدت تلك المطلقات ـ

مکی مجملات کی تفصیل ہے اور مطلقات کی تقیید ہے ۔

لیکن مجمل کی تفصیل اور مطلق کی تقیید میں کلیات اپنی جگہ باقی رہیں ان میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہوئی ۔

مع بقاء الكليات على حالها [2]

کلیات علی حالہ باقی رہتی ہیں ۔

---

[2] شاطبی

متقدمین کے نزدیک نسخ شرعی

متقدمین کے نزدیک نسخ کے مفہوم سے ہی مذکورہ بیان کی تائید ہوتی ہے وہ یہ ہے۔

ان النسخ عند المتقدمین دفع دلالہ العام والمطلق والظاہر وغیرہا تارۃ امّا بتخصیص او تقیید او حمل مطلق علی مقید وتفسیرہ وتبیینہ حتی انہم یسمون الاستثناء والشرط والصفۃ نسخا لتضمن ذلک دفع دلالۃ الظاہر و بیان المراد فالنسخ عندہم وفی لسانہم ہو بیان المراد بغیر ذلک بل بامر خارج عنہ[1]۔

نسخ متقدمین کے نزدیک عام، مطلق اور ظاہر وغیرہ کی دلالت اٹھا دینے کو کہتے ہیں، کبھی عام میں تخصیص اور مطلق میں تقیید کی جاتی ہے۔ یا مطلق کو مقید پر حمل کر کے اس کی تفسیر و توضیح ہوتی ہے یہاں تک کہ استثناء، شرط اور صفت کو بھی نسخ کہا جاتا ہے کیونکہ ان کے ذریعہ ہی ظاہر کی دلالت اٹھا دی جاتی ہے اور مراد کو بیان کیا جاتا ہے۔ متقدمین کی زبان میں اصل نسخ مراد کے بیان کا نام ہے یہ بیان اس کے غیر کے ساتھ بلکہ کسی امر خارج کے ساتھ بھی ہوتا ہے۔

علامہ آمدی نے نسخ شرعی کی بحث میں کہا ہے:

واذا عرف جواز اختلاف المصلحۃ باختلاف الازمان فلا یمتنع ان یامر اللہ تعالی المکلف بالفعل فی زمان تعلمہ بمصلحۃ فیہ کما یفعل الطبیب بالمریض حیث یامرہ باستعمال دواء فی بعض الازمنۃ

جب زمانہ کے اختلاف سے مصالح کے اختلاف کا جواز معلوم ہوگیا تو یہ بات ممتنع نہیں ہے کہ اللہ تعالے بندے کو اس کی مصلحت کے مطابق کسی زمانہ میں کوئی حکم دے اور جب مصلحت بدل جائے تو اس سے منع کر دے جس طرح طبیب کسی زمانہ میں

---

[1] اعلام الموقعین ج ۱ ص ۳۱

"وينهاه عنه في زمن آخر بسبب اختلاف مصلحة عند اختلاف مزاجه".

کسی دوا کا حکم دیتا ہے اور جب اختلاف مزاج کے وقت مصلحت بدل جاتی ہے تو اس دوا کے استعمال سے روک دیتا ہے

پھر کچھ تفصیل کے بعد ہے:

"ولولا اختلاف المصالح باختلاف الازمنة لما كان كذلك ومع جواز اختلاف المصالح باختلاف الازمنة لا يكون النسخ ممتنعاً"[1]

اگر زمانہ کے اختلاف سے مصالح کے اختلاف کا معاملہ نہ ہوتا تو احکام میں اختلاف کی صورتیں نہ پیدا ہوتیں اور جب زمانہ کے اختلاف سے مصالح کے اختلاف کا جواز موجود ہے تو نسخ کے ممتنع ہونے کے کوئی معنی نہیں ہیں۔

÷

÷

قاضی بیضاوی کہتے ہیں:

"وذلك لان الاحكام شرعت والآيات نزلت لمصالح العباد وتكميل نفوسهم فضلا من الله ورحمة وذلك يختلف باختلاف الاعصار والاشخاص كاسباب المعاش فان النافع في عصر واحد يضر في غيره"[2]

جواز نسخ اس لیے کہ اللہ نے محض اپنے فضل وکرم سے بندوں کے نفوس کی تکمیل اور ان کے مصالح کے حصول کے لیے آیتیں نازل کیں اور احکام مقرر کیے ہیں اور یہ امور زمانہ اور اشخاص کے لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں بالخصوص معاش کے اسباب و ذرائع جو ایک زمانہ میں نافع ہوتے اور دوسرے میں مضر ہوتے ہیں۔

÷

جمہور مفسرین کی طرف سے نسخ کی توجیہہ

جمہور مفسرین کی طرف سے نسخ کی توجیہہ میں نہایت نفیس اور دور رس بات کہی گئی

---

[1] احکام الاحکام ج ۳ ۔ ص ۱۶۶ [2] بیضاوی ص ۹۸

ہیں :

قالوا فی توجیهه انه لا معنی نسخ الآیة فی ذاتها ولا حاجة الیه وانما الاحکام تختلف باختلاف الزمان والمکان والاحوال فاذا شرع حکم فی وقت لشدة الحاجة الیه ثم زالت الحاجة فی وقت آخر فمن الحکمة ان ینسخ الحکم ویبدل بما یوافق الوقت الآخر فیکون خیرا من الاول او مثله فی فائدة من حیث قیام المصلحة به۔[1]

جمہور مفسرین نے نسخ کی توجیہہ میں کہا ہے۔ کہ فی نفسہ نسخ آیت کے کوئی معنی نہیں اور نہ اس کی ضرورت ہے کیونکہ احکام زمانہ و مکان اور حالات کے اختلاف سے بدلتے رہتے ہیں جب کوئی حکم ایک وقت میں شدید حاجت کی بنا پر ہے اور وہ حاجت دوسرے وقت میں باقی نہ رہی تو حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ حکم منسوخ ہو جائے اور اس کی جگہ دوسرا حکم دوسرے وقت کے مناسب آجائے یہ دوسرا حکم فائدہ کے لحاظ سے پہلے سے بہتر یا اس جیسا ہوگا کیونکہ اب اسی کے ذریعہ مصلحت کا قیام ہوگا۔

نسخ کے لیے موقع و محل کی تعیین کا لفظ زیادہ موزوں ہے

نسخ کی مذکورہ توجیہہ و تفسیر کے بعد آخری شریعت کے جن احکام میں حالات و زمانہ کی رعایت ناگزیر ہوگی ان پر مروجہ نسخ کا اطلاق درست نہ ہوگا کیونکہ روح اور مقصد کے ساتھ اصل حکم ہمیشہ برقرار رہے گا اس میں تبدیلی کبھی نہ ہوگی تبدیلی صرف شکل و صورت میں ہوتی رہے گی جس کے لیے نسخ کے بجائے ہماری زبان میں موقع و محل کی تعیین کا لفظ زیادہ موزوں ہے اور اس کے لیے احکام منصوصہ و غیر منصوصہ کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔ جیسا کہ فقرہ میں ہے ۔

ما من حکم شرعی الا وهو — ہر شرعی حکم نسخ کو قبول کرنے والا ہے معتزلہ

[1] المنار ج النسخ باختصار (ص ۲۱۴)

قابل للنسخ خلافاً للمعتزلة[1] ۔ کا اس میں اختلاف ہے۔

موقع ومحل کی تعیین ہی سے قانون و زندگی کا رشتہ باقی ہے

انفرادی و اجتماعی زندگی کے حالات مختلف ہوتے ہیں۔ ان کے لحاظ سے احکام شرعیہ کے موقع ومحل کے تعیین کی ہر وقت ضرورت رہتی ہے اگر اس ضرورت کو ملحوظ رکھ کر تعیین نہ کی جاتی رہی تو اکثر حالات میں بیشتر احکام ناممکن العمل قرار پا ئیں گے یا ان کا کوئی محل نہ باقی رہے گا۔ اور بالآخر قانون و زندگی کا رشتہ منقطع ہو جائے گا۔ جیسا کہ فقہ کی اس عبارت سے وضاحت ہوتی ہے۔

فتری الشی الواحد یمتنع فی حال لا تکون فیہ مصلحۃ فاذا کان فیہ مصلحۃ جاز کالدرھم بالدرھم الی اجل یمتنع فی المبایعۃ و یجوز فی القرض و بیع الرطب بالیابس یمتنع حیث یکون مجرد غرر و ربا من غیر مصلحۃ و یجوز اذا کان فیہ مصلحۃ راجحۃ کما فی ثمر العرایا توسعۃ علی الخلق[2]

تم دیکھتے ہو کہ ایک شے سے اس حالت میں روک دیا جاتا ہے جب کہ کوئی شے جائز ہو جاتی ہے۔ مثلاً درہم درہم کے عوض مدت متعینہ تک خرید و فروخت میں ناجائز ہے۔ اور قرض میں جائز ہے۔ اسی طرح تازہ کھجور کو خشک کھجور کے عوض بیچنا ناجائز ہے کیونکہ اس میں دھوکا اور سود دونوں پائے جاتے ہیں لیکن جب اس میں راجح مصلحت پائی جائے تو جائز ہے جیسا کہ عرایا کے پھلوں میں ہوتا ہے۔ تاکہ خلق خدا کے لیے وسعت ہو۔

عرایا کی صورتیں یہ تھیں:

۱۔ ایک شخص پھل کھانے کے لیے کسی کو عاریۃً کھجور کا درخت دیتا تھا پھر انتفاع کی شکلوں میں دشواری کی وجہ سے درخت کو واپس لے لیتا اور اس کے عوض اندازہ کر کے خشک

---

[1] المستصفیٰ ص ۱۲۲۔ [2] حاشیہ ہدایہ (ص ۳۰)

کھجور دے دیتا تھا۔[1]

۲۔ محمود بن لبید رضؓ کہتے ہیں کہ میں نے زید سے پوچھا "یہ عرایا کیا ہیں؟ تو زید نے انصار کے چند ضرورت مندوں کا نام لیا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ موسم میں تازہ پھل آتا ہے اور نقدی نہ ہونے کی وجہ سے ہم لوگ محروم رہتے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے پاس جو خشک کھجوریں موجود رہتی ہیں ان کے عوض "عرایا" خرید لیا کرو اس طرح تازہ پھلوں سے محرومی نہ رہے گی۔[2]

ایک واقعہ سے تعین کی اہمیت کا اندازہ

احکام شرعیہ میں موقع و محل کی تعیین کی اہمیت کا اندازہ درج ذیل واقعہ سے بھی ہوتا ہے۔

ایک مرتبہ صاحب زادہ عبدالملک نے احکام کے نفاذ کا مطالبہ کرتے ہوئے کہا:

ما لك لا تنفذ الامور فواللہ ما ابالی لو ان القدور غلت بی و بك فی الحق[3]

آپ کو کیا ہو گیا کہ آپ احکام نافذ نہیں کرتے ہیں۔ خدا کی قسم اگر حق کے معاملہ میں ہانڈیوں کو ابال آ جائے جب بھی میں اس کی پروا نہیں کرتا ہوں۔

جواب میں حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا:

لا تعجل یا بنی فان اللہ ذم الخمر فی القرآن مرتین فحرمها فی الثالثۃ و انی اخاف ان احمل الحق علی الناس جملۃ فید فعوہ جملۃ فیکون من ذا فتنۃ[4]

بیٹے جلدی نہ کرو، اللہ نے قرآن حکیم میں دو مرتبہ شراب کی برائی بیان کی اور تیسری مرتبہ اس کو حرام کیا ہے میں ڈرتا ہوں کہ اگر حق لوگوں پر دفعۃً مسلط کر دوں تو وہ اس کو دفعۃً ٹال پھینکیں گے اور اس سے مستقل فتنہ ہوگا۔

---

[1] حاشیہ ہدایہ (ص ۲۷) [2] المقنع ج ۲ (ص ۷۰) [3] الموافقات ج ۲ (ص ۹۴)
[4] الموافقات ج ۲ (۹۴)

احکام کے انداز بیان سے استدلال

قرآن حکیم نے احکام کے بیان کا جو انداز اختیار کیا ہے اس سے بھی حالات و زمانہ کی رعایت کا ثبوت ملتا ہے۔

مثلاً بعض احکام میں صرف مقاصد بیان کیے گئے ہیں اور ان کی شکل و صورت نہیں متعین کی گئی ہے اور بعض میں صرف حدود اربعہ ذکر کیے گئے ہیں۔ اور شکل و صورت سے بحث نہیں ہے، اسی طرح بہت سے احکام میں اصولی اور عمومی انداز کی گفتگو ہے اور جزئیات کی تشریح نہیں ہے، اور بعض جگہ جزئیات کی تشریح کے باوجود موقع و محل کی تعیین کی اجازت دی گئی ہے، فقہاء نے اسی صورت حال کو دیکھ کر کہا ہے:

ان اللّٰہ انزل من الاحکام ما یصلح لکل زمان و مکان فنھا ما نص علیہ نصا صریحا و منھا قواعد عامۃ یمکن تطبیقھا حسب ظروف الناس[1]

اللہ نے بعض وہ احکام نازل فرمائے ہیں جن میں ہر زمان و مکان کی صلاحیت موجود ہے اور بعض وہ قواعد عامہ نازل کیے جن کے ذریعہ لوگوں کے ظروف، ان کے احوال اور ماحول کی مطابقت ممکن ہے۔

ایک اور موقع پر ہے:

فلا بد من حدوث وقائع لا تکون منصوصا علی حکمھا ولا یوجد للاولین فیھا اجتھاد و عند ذلک فاما ان یترک الناس فیھا مع اھوائھم او ینظر فیھا بغیر اجتھاد شرعی وھو ایضا

یہ بات ضروری ہے کہ ایسی نئی نئی صورتیں پیش آئیں جن کا حکم صراحۃً موجود ہو اور نہ پہلے لوگوں نے اجتہاد کیا ہو۔ ایسی حالت میں اگر لوگوں کو آزاد چھوڑ دیا جائے کہ وہ من مانی کارروائی کریں یا اجتہاد شرعی کے بجائے محض اٹکل کے تیر چلائیں تو یہ سب

[1] الفقہ علی المذاہب الاربعۃ مقدمہ ثانیہ (ص ۱۷)

اتباع وذالک کلہ فساد[1]۔ | فساد اور ہلاکت ہے۔

تکمیل ہدایت و جامعیت کا مطلب

اس صورت حال سے نہ تکمیل ہدایت پر کوئی حرف آتا ہے اور نہ قرآن حکیم کی جامعیت پر کسی قسم کی زد پڑتی ہے بلکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو جامعیت اور تکمیل کی یہی صورت ممکن ہے نہ وہ جس کی نمائندگی عام طور پر ہو رہی ہے۔ اور نتیجۃً الٰہی شریعت ایک خاص دور اور زمانہ میں محدود ہو کر رہ گئی ہے۔

فالقرآن علی اختصارہ جامع ولا یکون جامعاً الا المجموع فیہ امور کلیات لان الشریعۃ یتمام نزولہ لقولہ تعالٰی اکملت لکم دینکم[2]۔	قرآن اپنے اختصار کے باوجود جامع ہے اور جامع اسی صورت میں ہے کہ اس میں امور کلیہ کا بیان ہے کیوں کہ شریعت قرآن کے نزول کے ساتھ مکمل ہو گئی ہے جب کہ اللہ تعالٰے نے فرمایا الیوم اکملت لکم دینکم۔

مالیاتی تنظیم و تقسیم کی کوئی شکل متعین نہیں

انداز بیان سے احکام میں حالات و زمانہ کی رعایت کی چند مثالیں یہ ہیں:

۱۔ مالیات کی تنظیم و تقسیم:

قرآن حکیم نے اس کی کوئی خاص شکل و صورت متعین نہیں کی صرف مقصد پر زور دیا ہے کہ اللہ کی مخلوق کو رزق حلال میسر ہو اور بدلے ہوئے حالات کے مطابق عدل وانصاف کے ساتھ اس کی حاجتیں پوری ہوتی ہیں۔

انفرادی و اجتماعی ملکیت کی بحث چونکہ طریق کار سے متعلق تھی جس میں حالات و زمانہ کی رعایت ناگزیر ہے اس بنا پر اس بحث کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ بلکہ امانت

---

[1] الموافقات ج ۴ (ص ۱۰۴) [2] ایضاً ج ۴۔ (ص ۳۶۷)

دنیابت کا تصور دے کر ہمیشہ کے لیے اس بحث کو ختم کر دیا ہے کہ ہر چیز کا حقیقی مالک اللہ ہے اور انسان کو ساری چیزیں نائب ہونے کی حیثیت سے بطور امانت استعمال کے لیے دی گئی ہیں۔

عمومی انداز کی چند آیتیں

اس سلسلہ کی چند آیتیں عمومی انداز کی یہ ہیں:

اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا (سورہ نساء، رکوع ۸)	بے شک اللہ تمہیں اس بات کا حکم دیتا ہے امانتوں کو اس کے اہل تک پہنچا دو۔

آیت میں "امانات" سے تمام حقوق واجبہ اور ہر قسم کی ذمہ داریاں مراد ہیں:۔

ان الامانات جمع امانۃ یعم الحقوق المتعلقۃ بذمتھم من حقوق اللہ تعالیٰ وحقوق العباد[1]	امانات جمع امانت کی ہے جو تمام حقوق واجبہ کو عام ہے۔ خواہ حقوق اللہ ہوں یا حقوق العباد ہوں۔

دوسری جگہ ہے:

(۲) وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِیْنَ فِیْهِ (سورۂ حدید رکوع ۱)	اور اس میں سے خرچ کرو جس میں اللہ نے تمہیں خلیفہ بنایا ہے۔

تنظیم و تقسیم کے بعض احکام ذکر کرنے کے بعد ہے:

(۳) كَیْ لَا یَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْكُمْ (سورۂ حشر رکوع ۱)	تاکہ دولت تمہارے مالداروں کے درمیان سمٹ کر نہ رہ جاتے۔

خرچ کے بارے میں ایک موقعہ پر سوال کا جواب یہ دیا گیا:

قُلِ الْعَفْوَ (سورۂ بقرہ، رکوع ۲۷)	آپ کہہ دیجئے جو ضرورت سے فاضل ہو سب خرچ کر دو۔

دوسرے موقعہ پر یہ جواب مذکور ہے:

---

[1] اسلام کا زرعی نظام (ص ۲۹۲)

قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَیْرٍ فَلِلْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ ۔ (سورۂ بقرہ ۔ رکوع ۲۶)

آپ کہہ دیجئے جو بھی تم اپنے مال سے نکال سکتے ہو نکالو تو اس کے مستحق تمہارے ماں باپ، عزیز و اقرباء، یتیم، مسکین اور مسافر ہیں ہیں۔

جواب کا یہ اختلاف معاشرتی ضرورت کے لحاظ سے تقسیم کے حدود میں فرق کو ظاہر کرتا ہے اور "العفو" سے تو اس حد تک ثبوت ملتا ہے کہ حالات کے زیادہ دباؤ کے وقت ضرورت سے فاضل اموال میں کوئی حق نہیں ہے۔

ان آیتوں کے علاوہ بہت سے مقامات پر خرچ کرنے کی تاکید ہے اور مستحقین کی تفصیل ہے لیکن مقدار اور تقسیم کی نوعیت سے کوئی بحث نہیں ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس سلسلہ کے احکام حالات و زمانہ کی رعایت سے بدلتے رہتے ہیں۔

خاص شکل کے تعین سے ہر دور کی ضرورتیں نہیں پوری ہو سکتی ہیں

جس طرح معاشرتی زندگی کے حالات ہر دور میں یکساں نہیں ہوتے اسی طرح عدل و توازن پیدا کرنے اور برقرار رکھنے کے کے قوانین میں بھی یکسانیت نہیں ملحوظ رہ سکتی۔

جب قوم طبقاتی کشمکش میں مبتلا ہو، سرمایہ ایک طبقہ میں سمٹ کر رہ گیا ہو اور دوسرا طبقہ وسائل معاش سے محروم ہو کر نانِ جویں کا محتاج ہو تو ایسی حالت میں عدل و توازن پیدا کرنے کے قوانین اس وقت سے یقیناً مختلف ہوں گے جب کہ قوم خوشحال ہو اور معاشرتی عدم توازن محرومی کی حد تک نہ پہنچا ہو ایسی صورت میں قرآن حکیم اگر تنظیم و تقسیم کے کسی ایک طریقہ کی نشان دہی کر دیتا یا مروجہ انفرادی و اجتماعی ملکیت کی بحث کو اصولی اور بنیادی قرار دیتا تو اس کی عالمگیریت پر کس قدر زد پڑتی؟ اور تکمیل ہدایت کی بات کس حد تک تشنہ رہ جاتی؟

مقصود عدل کا قیام ہے طریق کار سے بحث نہیں

علامہ ابن قیم کہتے ہیں:

ان مقصودہ اقامۃ العدل بین عبادہ وقیام الناس بالقسط فای طریق استخرج بھا العدل والقسط فھی من الدین لیست مخالفۃ لہ[1]

شریعت سے اللہ کا مقصود بندوں کے درمیان عدل وانصاف کا قیام ہے جس طریق کے ذریعہ عدل وانصاف قائم کیا جائے گا وہی دین ہوگا۔ اس کو دین کے خلاف نہ کہا جائے گا۔

ایک اور جگہ علامہؒ نے اس حقیقت کو دوسرے انداز میں بیان کیا ہے:

فان الشریعۃ مبناھا واساسھا علی الحکم ومصالح العباد فی المعاش والمعاد ھی عدل کلھا ومصالح کلھا وحکمۃ کلھا فکل مسئلۃ خرجت من العدل الی الجور وعن الرحمۃ الی ضدھا وعن المصلحۃ الی المفسدۃ وعن الحکمۃ الی العبث فلیست من الشریعۃ وان ادخلت فیھا بالتاویل[2]

شریعت کا مدار حکمتوں اور دینوی وآخروی زندگی کی مصلحتوں پر ہے۔ وہ مجسمۂ عدل و رحمت اور کل حکمت ومصلحت ہے جو مسئلہ بھی عدل سے جور کی طرف، رحمت سے زحمت کی طرف مصلحت سے مفسدہ کی طرف اور حکمت سے عبث کی طرف خروج کرے گا وہ شریعت کا مسئلہ نہ ہوگا اگرچہ تاویل کے ذریعہ شریعت میں داخل کر لیا جائے۔

یہ عبارت باب تغیر الفتوی کی ہے جس میں علامہ نے بہت سی مثالوں کے ذریعہ حالات وزمانہ کی رعایت ثابت کی ہے اور کہا ہے:

ھذا فصل عظیم النفع جداً وقع بسبب الجھل بہ غلط عظیم علی الشریعۃ اوجب من الحرج والمشقت وتکلیف مالا سبیل الیہ[1]

یہ فصل نہایت نفع دینے والی ہے اس سے جہالت کی وجہ سے شریعت کے بارے میں بڑا مغالطہ ہو گیا ہے اور لوگ طرح طرح کی تنگی، مشقت میں مبتلا ہیں جن سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہے

---

[1] الطرق الحکمیۃ (ص ۱۴) [2] اعلام الموقعین ج ۳ ص ۴۷

معاشرتی حالات کے لحاظ سے عدل و توازن کے قوانین میں تفاوت

معاشرتی حالات کے لحاظ سے عدل و توازن کے قوانین میں جو تفاوت ہوتا ہے اس کی کسی قدر تفصیل یہ ہے۔

فقہاء نے دنیوی مصالح کے تین درجے بیان کیے ہیں۔

۱۔ ضرورات۔ (۲) حاجات اور (۳) تکملات (ادنیٰ، اوسط اور اعلیٰ)

ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ کھانے پینے، لباس، مکان، نکاح، سواری وغیرہ کی اس قدر سہولت حاصل ہو کہ بس ان کے ذریعہ کام چلتا رہے۔

اعلیٰ درجہ یہ ہے عمدہ غذا، بہترین لباس، عالی شان مکان، اچھی قسم کی سواریاں اور خوبصورت عورتوں سے شادی وغیرہ کا سروسامان ہو۔

اوسط درجہ ان دونوں کے بین بین ہے، یعنی نہ اس قدر وسعت ہو کہ تکملات کے درجہ کو پہنچ جائے اور نہ اس قدر تنگی ہو کہ ضروریات کے درجہ میں رہ جائے[1]

فقہاء نے اوسط درجہ کی مصالح کو حاجات سے تعبیر کیا ہے:

تقدیر النفقات بالحاجات مع تفاوتها عدل وتسوية من جهة انه سوى بين المنفق عليه في دفع حاجاته لا في مقادير ما وصل اليهم لان دفع الحاجات هو المقصود الاعظم في النفقات وغيرها	[2]	نفقات میں عدل و مساوات کا اعتبار حاجات کے لحاظ سے ہوگا، یعنی یہ ضروری ہے کہ سب کی حاجتیں رفع ہوں یہ ضروری نہیں ہے کہ سب کو ایک مقدار دیا جائے کیونکہ نفقات وغیرہ میں شریعت کا مقصودِ اعظم لوگوں کی حاجتیں رفع کرنا ہے۔

طریقِ کار میں کافی وسعت اور گنجائش ہے

اس مقصودِ اعظم کو حاصل کرنے اور عدل تک پہنچنے کے لیے جس قسم کی تنظیم و تقسیم درکار ہوگی اور جیسے قوانین وضع کرنے ہوں گے وہ سب شرعی

---

[1] قواعد الاحکام فی مصالح الانام ج ۱ (ص ۶۸) [2] قواعد الاحکام ج ۱ (ص ۶۸)

اور اسلامی ہوں گے۔

طریق کار کے لیے ضروری نہیں کہ اس کا ثبوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو یا اس کے مطابق وحی نازل ہوئی ہو کیونکہ اس میں حالات و زمانہ کی رعایت سے تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔

فاذا ظھرت امارات الحق واد لته باى طريق فذلك من شرع ودينه ورضاه وامره[1]	جب حق کی علامتیں اور دلیلیں ظاہر ہوں تو جس طریقہ سے بھی ہوں وہ شرع اور دین ہوگا اور اسی میں اللہ کی رضا اور اس کا حکم ہوگا۔

معاشرہ کو مذکورہ درجہ تک پہنچانے کے لیے طریق کار میں اگر انفرادی حقوق کی پامالی ہو تو شریعت میں اس کی پوری گنجائش ہے اور حقوق ملکیت کے ہر گورکھ دھندے کو توڑنے کی اجازت ہے۔

لان اعتناء الشرع بالمصالح العامة اوفر واكثر من اعتنائه بالمصالح الخاصة[2]	کیونکہ شریعت میں مصالح خاصہ کے مقابلہ میں مصالح عامہ کا بہت زیادہ لحاظ کیا گیا ہے۔

اجتماعی نظم و قوانین کی بھی پوری اجازت ہے

ظاہر ہے کہ معاشرتی عدم توازن جب محرومی کی حد تک نہ ہوگا تو مذکورہ درجہ کے لیے بنیادی تبدیلی کرنی پڑے گی۔ اور نہ مقابلۃً زیادہ سخت قوانین بنانے کی ضرورت ہوگی لیکن اگر معاشرہ کا یہ حال ہو کہ ایک طبقہ وسائل حیات سے محروم ہو اور دوسرا ہر قسم کے عیش و عشرت میں مشغول ہو تو اس وقت عدل و توازن پیدا کرنے کے لیے نہ صرف سخت قوانین درکار ہوں گے بلکہ تنظیم و تقسیم کے نظام میں بنیادی تبدیلی بھی ناگزیر ہوگی حتیٰ کہ اگر اجتماعی نظم و قوانین سے مقصود حاصل ہونے کی توقع ہوگی تو اس سے گریز جرم قرار پائے گا۔ اور لوگوں کی حق تلفی کا باعث بنے گا۔

---

[1] اعلام ج ۴ (۳۷۳) [2] قواعد الاحکام ص ۸۰

ليس لابن آدم حق في سوى هذه الخصال بيت يسكنه وثوب يواري به عورته وجلف الخبز والماء[1]

انسان کا تین چیزوں کے علاوہ اور کسی میں کوئی حق نہیں ہے (۱) رہنے کے لیے گھر (۲) تن ڈھکنے کے لیے کپڑا اور (۳) پانی و روٹی کا ٹکڑا۔

اسی طرح ایک اور موقعہ پر آپؐ نے فرمایا:

من كان معه فضل ظهر فليعد به على من لا ظهر له ومن كان له فضل من زاد فليعد على من لا زاد له قال تذكر من أصناف المال حتى رأينا انه لا حق لاحد منا في فضل[2]

جس کے پاس زائد سواری ہو وہ اس کو دے دے جس کے پاس سواری نہیں ہے اور جس کے پاس زائد زادراہ ہو وہ اس کو دیدے جس کے پاس نہیں ہے (راوی: ابوسعید خدری) کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت مختلف قسم کے اموال کا ذکر کیا۔ یہاں تک کہ ہم لوگوں نے سمجھا کہ زائد مال میں ہمارا کوئی حق نہیں ہے

ایک موقعہ پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

لو استقبلت من امری ما استدبرت لاخذت فضول اموال الاغنياء فقسمتها على فقراء المهاجرين[3]

جس بات کا آج اندازہ ہوا ہے۔ اگر پہلے سے ہوتا تو مالداروں سے فاضل اموال لے کر فقرائے مہاجرین میں تقسیم کر دیتا۔

اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

ان الله تعالى فرض على الاغنياء في اقواتهم بقدر ما يكفي فقراءهم فان جاعوا وعروا وجهدوا

اللہ تعالےٰ نے مالداروں پر فقراء کی کفالت فرض کر دی ہے۔ اگر وہ بھوکے ننگے رہے یا اور کسی معاشی پریشانی میں

---

[1] حوالہ بالا [2] حوالہ بالا ص ۱۵۶)

فیمنع الاغنیاء وحق علی اللہ تعالیٰ ان یحاسبھم یوم القیمہ ویعذبھم علیہ[1]

مبتلا ہوئے تو اس بنا پر کہ مالداروں نے اُن کا حق نہیں دیا ہے اور قیامت کے دن اللہ تعالےٰ ان سے حساب لے گا اور اُن کو عذاب دے گا۔

غرض حکومت و خلافت کو معاشرتی زندگی میں عدل و توازن پیدا کرنے اور برقرار رکھنے کے لیے ہر طریق کار اختیار کرنے اور ہر قسم کے قوانین وضع کرنے کی اجازت ہے خواہ اسکی مثال پہلے موجود ہو یا نہ ہو۔

مذہب کے بقا کے لیے معاشی حالت کی اہمیت

مذہب کی ترویج و تبلیغ میں جب تک دنیوی مصالح کو خاص اہمیت نہ دی جائے گی اس وقت تک نہ مذہب کی حفاظت و بقا کا سوال پیدا ہوتا ہے اور نہ اقامت دین کا خواب شرمندۂ تعبیر ہو سکتا ہے۔

واعلموا ان مصالح الاخرۃ لا تتم الا بمعظم مصالح الدنیا کالماکل والمشارب والمناکح وکثیر من المنافع[2]

یاد رکھو کہ آخرت کے مصالح اس وقت تک پورے نہیں ہو سکتے ہیں۔ جب تک دنیا کے اہم مصالح کا لحاظ نہ کیا جائے جیسے کھانا پینا شادی بیاہ اور دیگر بہت سے مصالح کا حصول۔

دوسری جگہ ہے:

وما الاموال فحق اللہ فیھا تابع الحقوق العباد[3]

اموال میں اللہ تعالےٰ کا حق بندوں کے حقوق کے تابع ہے۔

مسلم ممالک میں اسلامی اجتماعیت کے بغیر چارہ نہیں ہے

موجودہ دور میں مسلم ممالک جن حالات سے دوچار ہیں اور طبقاتی کشمکش کی جس منزل پر پہنچے ہوئے ہیں ان میں

---

[1] مسلم و مشکوٰۃ کتاب الجہاد باب آداب السفر و حلی ابن حزم ج ۶ صفحہ ۱۵۸-۱۵۶
[2] قواعد الاحکام [illegible]

اگر مذہبی پلیٹ فارم سے انفرادی ملکیت کی آڑ میں سرمایہ داری و جاگیرداری نظام کی تائید و تبلیغ کی جاتی رہی تو لازمی طور سے وہ اشتراکیت کے دامن میں پناہ لینے پر مجبور ہوں گے جیسا کہ بعض ممالک میں ردعمل کے طور پر یہ سبب کچھ ہو رہا ہے۔

مسلمانوں میں اگر لامذہبیت کے دھارے کو روکنا اور مذہبی کاز کو تقویت پہنچانا ہے تو اسلامی اجتماعیت کی تبلیغ کرنی ہوگی، اور بدلے ہوئے حالات کے مطابق اجتماعی تنظیم و تقسیم کا نظم قائم کرنا پڑے گا۔

اگر وقت کی اس ضرورت و نزاکت کو ملحوظ نہ رکھا گیا اور سرمایہ داری و جاگیرداری سے بدستور غذا اور تقویت حاصل کی جاتی رہی تو وہ دن دور نہیں ہے کہ جو زبانیں آج انفرادی ملکیت کی آڑ میں سرمایہ داری و جاگیرداری کو "اسلامی" ثابت کر رہی ہیں، کل وہی زبانیں اشتراکیت کو اسلامی ثابت کرنے میں پیش پیش ہوں گی۔

جو تبدیلی اسلام کے نام پر آسکتی ہے اگر مذہبی نمائندے اس کو قبول کرنے کے لیے کسی مصلحت سے تیار نہ ہوئے تو بدترین شکل میں اس سے کہیں زیادہ تبدیلی ہو کر رہے گی نہ تاریخ کی فطری رفتار کو کوئی بدل سکتا ہے اور نہ کسی کی خواہش و آرزو حالات کے دباؤ کا مقابلہ کر سکتی ہے۔

حکومت کی شکل متعین نہیں ہے

۶۔ حکومت۔
قرآن حکیم نے حکومت کی کوئی خاص شکل و صورت متعین نہیں کی بلکہ حیثیت مقصد اور بنیادی اصول سے تذکرہ فرمایا ہے مثلاً۔

حکومت میں اللہ کا اقتدار ہوگا

(۱) حکومت کی بنیاد اللہ کا اقتدار اعلیٰ تسلیم کرنے پر ہوگی۔

لہ الملک لا الٰہ الا ھو — اسی کا ملک ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔

۲۔ عدل و رحمت کے قانین تمام مخلوق کے لیے یکساں ہوں گے۔

وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلٰهٌ وَفِي الْأَرْضِ إِلٰهٌ۔

اللہ ہی ہے جو آسمان میں بھی معبود ہے اور زمین میں بھی معبود ہے۔

اللہ کی حکمت عملی منعکس ہو گی

۳۔ تنظیم و تقسیم کے قوانین میں صرف اللہ کی حکمت عملی منعکس ہو گی۔

یعنی جس طرح باران رحمت عام ہوتی ہے اور ہر شے اپنی اپنی صلاحیت کے مطابق مستفید ہوتی ہے اسی طرح ذرائع و مواقع سب کے لیے مہیا ہوں گے اور مقررہ نظم و عدل کے ساتھ سب مستفید ہو سکیں گے۔

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ۔ (سورۃ نحل رکوع ۱۳)

بے شک اللہ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔

کلام عرب میں عدل اور احسان کے دو لفظ نہایت وسیع اور جامع ہیں چنانچہ فقہ میں ہے:

اجمع اٰیة فی القرآن للحث علی المصالح کلها والزجر عن المفاسد جمیعها[1]

اس آیت میں تمام مصالح کے حصول اور مفاسد کے دفعیہ پر ابھارا گیا ہے۔

دوسری جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کو رحمت عامہ کے ظہور سے تعبیر کیا گیا ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (سورہ انبیاء رکوع ۷)

اے پیغمبر! ہم نے آپ کو محض اس لیے بھیجا ہے تاکہ رحمت عامہ کا ظہور ہو۔

اس آیت کے ضمن میں ہے:

فهٰذا اخبار منه جل وعلا بان ارسال الرسول صلی اللہ علیه وسلم رحمة للناس ومن الرحمة۔

یہ اللہ بزرگ و برتر کی طرف سے اس حقیقت کا اعلان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول بنا کر بھیجنا لوگوں

---

[1] القواعد للعز بن عبد السلام از تعلیل الاحکام صد ۲۸۷

الاذن لهم على لسانه صلى الله عليه وسلم فى جلب المصالح ودفع المفاسد عنهم ومعلوم ان للناس مصالح يتجدد يتجدد الأيام فلو وقف الاعتبار على المنصوص فقط لوقع الناس فى الحرج الشديد وهو مناف للرحمة ¹۔	کے لیے رحمت ہے اور رسول اللہ کی زبان مبارک پر جلب مصالح اور دفع مفاسد کی اجازت دینا رحمت سے ہے، یہ معلوم ہے کہ ایام کے بدلنے سے نئے نئے مصالح پیدا ہوتے رہتے ہیں، ایسی حالت میں اگر منصوص ہی کا اعتبار کیا گیا تو لوگ سخت قسم کے حرج میں مبتلا ہو جائیں گے اور رحمت کے منافی بات لازم آئے گی۔

ہر چیز بطور امانت ہوگی ۴۔ کائنات کی ساری چیزیں بطور امانت استعمال کے لیے ہوں گی اور ہر فرد کی حیثیت "امین" کی ہوگی حتیٰ کہ حکومت خود امانت ہوگی جو دوسری تمام امانتوں کی نگرانی کرے گی۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ (سورہ نساء رکوع ۸)	بیشک اللہ تمہیں اس بات کا حکم دیتا ہے کہ امانتوں کو اس کے اہل تک پہنچا دو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کرو۔

اس آیت کے ذیل میں حضرت زید بن اسلم فرماتے ہیں:

ان هذا الخطاب لولاة الامر ان يقوموا برعاية الرعية وحملهم على موجب الدين والشريعة وعدوا من ذلك توليه المناصب مستحقيها ²	آیت کریمہ میں حاکموں کو خطاب ہے کہ وہ رعایا کا مکمل بندوبست کریں دین و شریعت کے مقتضیات کا ان کو پابند بنائیں۔ امانات کی ادائیگی میں یہ بھی شمار ہے کہ عہدے، صرف ان کے مستحقین کو دیے جائیں

¹ تعلیل الاحکام ص ۲۸۸ ² اسلام کا زرعی نظام ص ۲۹۲

علامہ ابن تیمیہؒ کہتے ہیں۔ وھو کان سبب نزول الآیۃ۔[1] (حاکم ہی آیت کے نزول کا سبب ہیں۔

شورائی طرز کا نظام ہوگا ۵۔ حکومت شورائی طرز کی ہوگی اور اہل حل وعقد کے مشورہ سے نظم ونسق پر مامور ہوگی۔

وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ۔ (سورۂ شوریٰ۔ رکوع ۴)
ان کے معاملات باہمی مشورے سے ہوتے ہیں۔

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہے:

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ۔ (سورۂ آل عمران۔ رکوع ۱۷)
اس طرح کے معاملات میں ان سے مشورہ کرلیا کرو۔

۶۔ مملکت کے تمام افراد بلا تخصیص حقوق میں مساوی ہوں گے۔ ذات پات رنگ ونسل، زبان ووطن، مذہب وملت کی بنا پر کوئی امتیاز نہ ہوگا۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ۔ (سورۂ حجرات۔ رکوع ۲)
اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور مختلف برادریاں وقبیلے اس لیے بنائے ہیں کہ آپس میں تعارف ہو (ورنہ اللہ کے نزدیک اصل اعتبار کردار کا ہے) تم میں شریف اور معزز وہ ہے جو پرہیزگار ہو۔

یہ "تنوع" قدرت کی نشانیوں میں سے ہے نہ کہ فرق وامتیاز کے لیے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ۔ (سورۂ روم، رکوع ۳)
زمین وآسمان کی پیدائش اور زبانوں ورنگوں کا اختلاف اللہ کی قدرت کی نشانیوں میں ہے

[1] الجوامع فی السیاسۃ الالہیہ صـ۳

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الناس بنو آدم و آدم خلق من تراب[1] — سب لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے پیدا کیے گئے ہیں۔

ایک اور موقعہ پر آپ نے فرمایا:

الناس کلھم اخوۃ[2] — سب انسان بھائی بھائی ہیں۔

سب کے لیے یکساں مواقع ہوں گے

۷۔ کائنات کی چیزیں سب کے لیے ہیں اور استحقاق و استفادہ میں سب مساوی ہیں۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا (سورۂ بقرہ رکوع ۳)۔ — اللہ ہی ہے جس نے تم سب کے لیے زمین کی ساری چیزیں پیدا کی ہیں۔

دوسری جگہ ہے:

وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِیْهَا مَعَایِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِیْنَ۔ (سورۂ حجر، رکوع ۲) — تم سب کے لیے ہم نے زمین میں زندگی کے ساز و سامان (وسائل و ذرائع) بنائے اور ان کے لیے بھی جن کو تم روزی نہیں دیتے ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الخلق کلھم عیال اللہ فاحبھم الی اللہ انفعھم لعیالہ[3]۔ — تمام مخلوق اللہ کی عیال ہے اللہ کو زیادہ محبوب وہ شخص ہے جو اس کی عیال کو زیادہ نفع پہنچانے والا ہے۔

۸۔ حکومت ذرائع پیداوار کی اس طرح تنظیم و تقسیم پر مامور ہے کہ وہ دنیا میں اللہ کی صفت رزاقی کا مظہر ہے اور دینے دلینے کے پیمانہ میں تخصیص و ترجیح کی صورت نہ پیدا ہونے پائے۔

---

[1] طبری۔ [2] مسلم و ابوداؤد [3] جامع صغیر جلد ۱ بحوالہ طبرانی۔

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا۔ (سورہ ہود رکوع ۱)

زمین میں کوئی جانور ایسا نہیں ہے جس کی روزی کا انتظام اللہ پر نہ ہو۔

حضرت علیؓ نے ایک موقع پر فرمایا:

اموالھم کاموالنا ودمائھم کدمائنا [1]

ان کے (غیر مسلموں) مال مثل ہمارے مال کے ہیں اور ان کی جانیں مثل ہماری جانوں کے ہیں

غیر مسلموں سے تعلقات کی اصل صلح و امن ہے

۹۔ غیر مسلموں سے جنگ اور ارتداد کی سزا وغیرہ ان کے ظلم و زیادتی اور بغاوت کی بنا پر ہے نہ کہ کفر و شرک اور اختلاف مذہب کی بنا پر۔

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا۔ (سورۂ حج رکوع ۶)

جن (مومنوں) کے خلاف ظالموں نے جنگ کر رکھی ہے اب انہیں بھی جنگ کی اجازت دی جاتی ہے۔

دوسری جگہ ہے:

فَإِنْ قَاتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ۔ (سورۂ بقرہ رکوع ۲۴)

اگر وہ تم سے قتل و قتال کریں تو تم بھی ان سے کرو۔

جنگ و سزا کی ضرورت اس لیے ہے کہ:

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيرًا۔ (سورۂ حج رکوع ۶)

اگر اللہ بعض کے ذریعہ بعض کی مدافعت نہ کرتا رہتا تو کسی قوم کی عبادت گاہ زمین پر محفوظ نہ رہتی، خانقاہیں، گرجے، عبادت گاہیں، مسجدیں جن میں کثرت سے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے وہ سب ڈھا دیے جاتے

فقہ میں ہے:

---

[1] نصب الرایہ ج ۳ کتاب السیر۔

والقتل اما ان یکون للمحاربۃ کما یقولہ علماءنا او للشرک کما یقولہ الخصوم[1]	اور قتل وقتال یا جنگ کی وجہ سے ہے جیسا کہ ہمارے علماء کہتے ہیں یا شرک کی وجہ سے ہے جیسا کہ فریق مقابل کہتا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام احمدؒ، علامہ ابن تیمیہؒ کا یہ مسلک ہے۔

واما من لم یکن من اھل الممانعۃ والمقاتلۃ فلا یقتل عند جمہور العلماء[2]	جو منع کرنے والے اور جنگ کرنے والے نہ ہوں، انہیں جمہور علماء کے نزدیک نہ قتل کیا جائے۔

الٰہی شریعت میں غیر مسلموں سے تعلق کی اصل صلح و امن ہے نہ کہ جنگ و پیکار[3]

مرتد کی سزا بغاوت کی بناء پر ہے

چنانچہ ارتداد کی سزا کے بارے میں فقہ کی عبارتیں یہ ہیں[4]

ان القتل باعتبار المحاربۃ[4]	قتل جنگ جوئی کے اعتبار سے ہے۔

دوسری جگہ ہے:

فیقتل لدفع المحاربۃ[5]	قتل کیا جائے جنگ کے دفعیہ کی غرض سے

ایک اور جگہ ہے:

لان قتل لیس بجزاء علی الردۃ[6]	قتل مرتد ہونے کی سزا نہیں ہے۔

بلا شبہ شریعت میں تبدیل مذہب اور کفر بڑا گناہ ہے لیکن یہ معاملہ اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان ہے[7] حکومت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے حکومت صرف بغاوت کی بناء پر سزا دے سکتی ہے جس میں مسلم و غیر مسلم کی کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ بلکہ جس کی طرف سے بھی بغاوت پائی جائے گی اس کے خلاف کارروائی ضروری ہوگی۔

---

[1] المبسوط ج ۱ ص ۳۰ ۔ [2] الجامع فی السیاسۃ الالٰہیہ ص ۵۵ [3] حیات ابن تیمیہؒ از ابوزہرہ ص ۵۰۶ [4] المبسوط ج ۱۰ ص ۱۱۰ ۔ [5] ایضاً [6] المبسوط ج ۱۰ ص ۱۱۱ [7] ایضاً۔

و قتال التتار ولو کانوا مسلمین هو قتال الصدیق رض مانعی الزکاۃ[1]

"تاتاریوں سے جنگ اگرچہ وہ مسلمان ہیں ایسی ہی ہے جیسے حضرت ابوبکر رضی کی جنگ مانعین زکاۃ سے تھی۔

یمن کے اکثر مانعین زکوٰۃ نے نفس زکوٰۃ سے انکار نہیں کیا تھا بلکہ مرکز کے حوالہ کرنے سے انکار کیا تھا۔

حتی قالوا واللہ ما کفرنا بعد ایماننا ولکن شححنا علی اموالنا۔[2]

ان لوگوں نے کہا واللہ ہم نے ایمان کے بعد کفر نہیں کیا لیکن اپنے اموال پر حرص کیا ہے۔

جو شخص زکوٰۃ مرکز کے حوالہ نہ کرے وہ بھی باغی ہے اور اس سے قتال واجب ہے۔

ولو امتنعوا من ادائها الی الامام العادل مع الاعتراف بوجوبها کانوا من بغاۃ المسلمین یقاتلون[3]

اگر امام عادل کو زکاۃ نہ دیں، اس کے وجوب کا اگرچہ اعتراف کرتے ہوں تو بھی باغیوں میں شمار ہوگا اور قتال واجب ہوگا۔

مرتد کی سزا پر تفصیلی بحث حضرت ابوبکر رض کے "اقدامات" میں آئے گی۔

حکومت مقصد نہیں ہے

۱۔ حکومت مقصد نہیں ہے بلکہ وعدۂ الٰہی پورا کرنے کا ذریعہ ہے، ایمان و عمل صالح کے نتیجہ میں وعدہ الٰہی یہ ہے:۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَیُمَكِّنَنَّ لَهُمْ الَّذِی ارْتَضٰی وَلَیُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا۔

(سورۂ نور۔ رکوع ۷)

تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور عمل صالح کیے، اللہ نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ انہیں زمین میں خلیفہ (حاکم) بنائے گا جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو (اسی بنا پر) خلیفہ بنا چکا ہے، اور جس دین کو اللہ نے ان کے لیے پسند کیا ہے اسے مضبوطی

---

[1] الاختیارات العلمیہ صـ ۱۶۶ [2] الاحکام السلطانیہ صـ ۴۷ [3] ایضاً

کے ساتھ جما دے گا اور خوف کے بدلے انہیں امن عطا کرے گا۔ (سورہ نور رکوع ۷)

استخلاف اور تمکین فی الارض جس کا آیت میں وعدہ ہے، ظاہر ہے کہ وہ حکومت واقتدار کے بغیر نہیں پورا ہوتا ہے، لیکن پہلے ایمان وعمل صالح ہے اس کے بعد حکومت واقتدار ہے۔

غرض حکومت کے لیے قرآن حکیم میں اس قسم کے اشارات ملتے ہیں، طریق کار اور ذرائع وغیرہ کی کوئی تفصیل نہیں ملتی ہے کہ وہ موجودہ طرز کی جمہوری ہو یا صدارتی، شاہی ہو یا فوجی ڈکیٹرشپ، اسی طرح انتخاب کی کیا شکل ہو، شورائی نظام کا انعقاد کس طرح ہو وغیرہ؟

قرآن حکیم کو مقصد اور بنیادی اصول سے بحث ہے

قرآن حکیم کو اصل بحث مقصد اور بنیادی اصول سے ہے جن کی ہر دور میں ضرورت رہتی ہے۔ ذرائع اور طریق وغیرہ چونکہ حالات وزمانہ کی رعایت سے بدلتے رہتے ہیں، اس بنا پر ان کو حالات وزمانہ ہی پر چھوڑ دینا مناسب تھا

بالفرض اگر زمانۂ نزول میں کسی ایک طریقہ اور ذریعہ کی نشان دہی کردی جاتی تو بعد میں حالات کی تبدیلی سے اس میں تبدیلی ناگزیر ہوتی اور پھر قرآن حکیم کے ثبات ودوام کی کوئی صورت نہ باقی رہتی۔

اس تبدیلی کی طرف خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا ہے۔

الناس اشبہ بزمانھم من اسلافھم[1] — اپنے اسلاف کے مقابلہ میں لوگ اپنے زمانہ کے زیادہ مشابہ ہوتے ہیں۔

تنظیم وتقسیم میں حکومت کے اختیارات پر حدبندی نہیں ہے۔

قرآن حکیم نے جس طرح حکومت کی شکل وصورت متعین نہیں کی اسی

---

[1] البیان والتبیین للجاحظ ج ۲۔

طرح تنظیم و تقسیم میں حکومت کے اختیارات پر بھی کوئی حد بندی نہیں قائم کی ہے۔ بلکہ حالات و زمانہ کی رعایت سے عمومی اور کلی انداز اختیار کیا ہے جس سے درج ذیل قسم کی وسعت کا ثبوت ملتا ہے۔

(۱) حکومت کا حق ہے کہ اسراف اور فضول خرچی سے بچانے اور عدل و اعتدال پیدا کرنے کے لیے آمدنی و اخراجات کی ایک حد مقرر کر دے۔

فدولة ان تستلهم هذا التوجيه القرآنی للحد من التبذیر والاسراف وحمل الناس علی المقصد و الاعتدال[1]۔

قرآن نے اسراف و فضول خرچی سے روکا ہے، اور لوگوں کو عدل و اعتدال کے زندگی پر ابھارا ہے، حکومت کو حق ہے کہ ان توجیہات سے وہ حد بندی کا نتیجہ نکالے۔

۲۔ سرمایہ کو پھیلانے اور مالداروں سے مال حاصل کرنے کے لیے مصالح عامہ کے پیش نظر حسب صوابدید مختلف طریقے اختیار کرے۔

وتاخذ من الاغنیاء ما تقتضیه الشؤن العامة و مصالح المسلمین من اموال لمختلف الاسالیب[2]۔

عام اور خاص مصالح کے پیش نظر مختلف طریقوں سے مال وصول کرے۔

۳۔ زبردستی اسباب فروخت کرنے کا حکم نافذ کرے جیسا کہ علامہ ابن قیمؒ ایک حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

وصار اصلا فی جواز اخرج الشیٔ من ملك صاحبه قهرًا بثمنه للمصلحة الراجحة[3]۔

بنا پر مصلحت عامہ کسی شخص کے قبضے سے بذریعہ قیمت زبردستی اس کی چیز نکالنے کے بارے میں یہ حدیث اصل ہے۔

۴۔ بے خانماں اشخاص کو جبراً مکان دلوانے کی اجازت ہے، مزدور سے مناسب اُجرت پر جبراً کام لینے کی وسعت ہے[4]۔

---

[1] الدستور القرآنی صـ۱۰۰ [2] الدستور القرآنی صـ۱۰۱ [3] الطرق الحکمیه صـ۲۵۹ [4] امام احمد بن حنبلؒ صـ۲۹۷

ضرورت مند کے لیے ضروری اشیاء کی فراہمی صاحب استطاعت پر واجب ہے

ویسے بھی اگر کسی کو مکان اور کپڑا وغیرہ کی سخت ضرورت ہو تو جس کے پاس موجود ہو دینا واجب ہے۔

وجب علی صاحبه بذله بلا نزاع[1] — بغیر کسی نزاع کے اشیاء ضروریہ کا دینا واجب ہے

بعض محققین کے نزدیک ضروری اشیاء کا بغیر قیمت دینا واجب ہے، وہ اس صورت کو فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ۔ الخ کے تحت داخل کرتے ہیں[2]

۵۔ کھانا، کپڑا مکان وغیرہ یہ انسان کی ایسی ضرورتیں ہیں کہ جن میں سب مشترک ہیں اور ان کی فراہمی کے لیے حکومت ہر قسم کے قوانین نافذ کرنے کی مجاز ہے۔

وحاجة المسلمین الی الطعام و اللباس وغیر ذلك مصلحة عامة لیس الحق فیها لواحد بعینه[3] — کھانا، کپڑا وغیرہ کی ضرورت کا تعلق مصالح عامہ سے ہے، اور بلا استثناء سب اس میں شریک ہیں۔

اراضی میں حکومت کے اختیارات زیادہ وسیع ہیں

اراضی میں حکومت کے اختیارات زیادہ وسیع ہیں۔

چنانچہ حضرت عمرؓ نے فرمایا:

لنا رقاب الارض[4] — زمینیں ہماری (حکومت کی) ہیں۔

حضرت علیؓ نے ایک موقع پر فرمایا:

ان ارضك لنا[5] — تیری زمین ہماری ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کی یہ تصریح ہے:

ان نواحی دار السلام تحت ید امام المسلمین[6] — دار الاسلام کے اطراف امام المسلمین کے زیر اقتدار ہوتے ہیں۔

---

[1] الطرق الحکمیہ ص ۲۶۶ [2] ایضاً۔ [3] الطرق الحکمیہ ص ۲۶۲ [4] الاموال ص ۲۷۹، [5] احکام القرآن ج ۳ ص ۵۳۲۔ [6] مبسوط ج ۱ ص ۹۳۔

اس بنا پر احناف کا مسلک ہے کہ اگر حکومت مفادِ عامہ کے پیش نظر زمین لینا چاہے تو صاحبِ زمین کی رضامندی ضروری ہے اور نہ معاوضہ ادا کرنا لازمی ہے، البتہ اس شخص کے بنیادی حقوق کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ وہ تلف نہ ہو جائیں۔[1]

امام مالکؒ کا ارشاد ہے:

تصیر الارض للسلطان[2]	زمین بادشاہ (حکومت) کی ہوتی ہے۔

ایک موقع پر علامہ عینیؒ کہتے ہیں:

ان حکم الاراضی الامام[3]	زمین کا معاملہ امام (حکومت) کے سپرد ہے

حکومت کو مفادِ عامہ کے پیش نظر موقوفہ اراضی میں بھی واقف کی مقرر کردہ شرطوں کی مخالفت جائز ہے:

ان السلطان یجوز له مخالفة الشرط اذا کان غالب جهات الوقف قری و مزارع فیعمل بامره وان غایر شرط الوقف لان اصلها لبیت المال[4]	جب وقف کی اکثر جہات گاؤں اور مزروعہ زمینیں ہوں تو بادشاہ (حکومت) اپنے صوابدید کے مطابق بندوبست کرے اگرچہ واقف کی شرطوں کی مخالفت پائی جائے کیونکہ گاؤں اور زمین دراصل بیت المال کی ہوتی ہیں۔

غرض حکومت اپنے اختیارات میں کسی ایک طریق تنظیم و تقسیم کی پابند نہیں ہے بلکہ مفادِ عامہ کے پیش نظر اس کے اختیارات کافی وسیع ہیں اور انفرادی و اجتماعی ہر طریق کی اجازت ہے جیسا کہ قاضی ابو یوسفؒ کہتے ہیں:

و ارجو ان یکون ذلك موسعا علیه فیفعل ما شاء من ذلك فعل[5]	مجھے امید ہے کہ حکومت جو بھی مناسب سمجھ کر کرے گی اس کے لیے وسعت اور گنجائش ہے۔

---

[1] احکام القرآن ج ۳ ص ۵۳۱ و ص ۵۳۳ [2] المحلی ج، [3] عینی ص ۲۹ [4] در مختار ج ۱ [5] الخراج ص ۵۶، ۶۰

کفالت کے لحاظ سے حکومت کے اختیارات وسیع ہیں

ظاہر ہے کہ یہ سارے اختیارات اسی حکومت کے لیے ہیں جو خلق خدا کی کفالت کی ذمہ داری لیتی ہو۔

الٰہی شریعت میں حکومت کی ذمہ داریوں کے مطابق ہی اس کے اختیارات کی وسعت تسلیم کی گئی ہے۔ ذمہ داریوں کی وضاحت حضرت عمرؓ کی اس مثال سے ہوتی ہے

انما مثلنا کمثل قوم سافروا فدفعوا نفقاتهم الی رجل منهم فقالوا له انفق فهل له ان یستاثر علیهم بشیٔ قالوا لاؕ[1]

ہماری اور قوم کی مثال ایسی ہے جیسے لوگوں نے سفر کیا اور اپنے نفقات (سرمایہ حیات) اپنے میں سے کسی آدمی کے حوالے کر دے اور کہا کہ ہمارے اوپر خرچ کرو کیا ایسی صورت میں ان کے ساتھ کوئی ترجیحی سلوک روا ہو سکتا ہے؟ لوگوں نے جواب دیا نہیں۔

جس طرح حکومت کا فرض ہے کہ لوگوں کی حاجتوں اور ضرورتوں میں ان کی کفالت کرے اسی طرح اس کا حق ہے کہ لوگوں کے مقبوضہ اموال میں تصرفات کی وسعت ہو جس طرح اللہ کے اوامر و نواہی کی پابند ہے۔ اسی طرح خلق خدا کے مصالح کی نگہداشت کی پابند ہے۔

فحق الله امره ونهیه وحق العبد مصالحهم[2]۔

اللہ کا حق اس کے اوامر و نواہی ہیں اور بندے کا حق اس کے مصالح ہیں۔

مصالح میں دنیوی اور آخروی دونوں مصلحتیں شامل ہیں:

الامر الذی یستقیم به فی اولاه واخراه[3]

وہ امور جن کے ذریعہ دنیا اور آخرت میں استقامت پیدا ہو۔

دنیوی مصالح بھی عبادت ہیں

شریعت نے دنیوی مصالح کو جو درجہ دیا ہے۔ اس

---

[1] تاریخ عمر لابن الجوزی الباب الاسع والثلثون صـ۱۰۲ [2] الفروق ج ا صـ۱۱۱ [3] تہذیب الفروق صـ۱۴۰۔

کی اہمیت کا اندازہ درج ذیل عبارت سے ہوتا ہے۔

ان النفوس لا تقبل الحق الا بما یستعین بہ من حظوظہا التی ھی محتاجۃ الیہا فتکون تلک الحظوظ عبادۃ[1]

دنیوی زندگی میں جن چیزوں کی احتیاج ہے اور جو ممد و معاون ہیں ان کے بغیر لوگ حق کو نہیں قبول کرتے ہیں، اس بنا پر دنیوی حظوظ بھی عبادت میں شمار ہوں گے۔

پھر آگے ہے:

لان العبادات لا تؤدی الا بہذا وما لا یتو الواجب الا بہ فھو واجب[2]

کیونکہ عبادت ان کے بغیر پوری نہیں ہوتی ہے، اور جس کے بغیر واجب کی ادائیگی نہ ہو وہ بھی واجب ہے۔

حکومت کی حیثیت نائب اور امین کی ہے۔

ہر اقدام" میں حکومت کے پیش نظر یہ بنیاد رہنی ضروری ہے کہ خود اس کی حیثیت بھی مالک کی نہیں ہے، بلکہ نائب اور امین کی ہے۔

ولیس لولاۃ الاموال ان یقسموہا بحسب اھوائھم کما یقسم المالک ملکہ فانما ھم امناء ونواب[3]

اموال کے منتظمین کے لیے جائز نہیں ہے کہ مالک کی طرح اپنی خواہشات کے مطابق اموال کو تقسیم کریں بلکہ وہ نائب اور امین ہیں اپنی اس حیثیت کو ہمیشہ ملحوظ رکھیں۔

❁

اب جب کہ مسلم معاشرہ میں لوگوں کے بنیادی حقوق تک پامال ہو رہے ہیں اور موجودہ نظم و نسق کے ذریعہ عدل و انصاف کے ساتھ اللہ کی مخلوق کو رزق حلال نہیں میسّر ہو رہا ہے تو ایسی حالت میں شرعی لحاظ سے مسلم حکومت کا فرض ہے کہ اس پورے نظام کو بدل دے اور حقوقِ ملکیت کے ہر گورکھ دھندے" کو توڑ کر جس طرح بھی ممکن ہو اہل حق تک ان کے حقوق پہنچانے کا بندوبست کرے۔

---

[1] الجوامع فی السیاسۃ الالٰہیہ ص۱۱ [2] الجوامع فی السیاسۃ الالٰہیہ ص۱۲ [3] ایضاً

مسلم حکومتوں اور مذہبی مسندوں کی غفلت!

بدقسمتی سے مسلم حکومتیں ذاتی عیش واقتدار برقرار رکھنے کے لیے تنظیم وتقسیم میں بنیادی تبدیلی کرنے کے لیے تیار ہیں اور نہ کسی تبدیلی سے دینی کاز کو تقویت پہنچانا ان کے پیش نظر ہے، حالانکہ دینی راہ سے بنیادی تبدیلی کرنے کے بعد موجودہ دور کے بہت سے مسائل خود بخود حل ہو جاتے ہیں۔

ادھر مذہبی مسندوں اور جماعتوں کی حالت یہ ہے کہ لوگوں کے حقوق اور ان کی دینوی ضرورتوں سے انہیں کوئی تعلق نہیں ہے، اور اگر کسی قدر ہے بھی تو بس زکوٰۃ وصدقات کی وصول تحصیل تک ہے۔

علامہ ابن تیمیہؒ کے الفاظ میں ان دونوں گروہوں کی راہیں فاسد ہیں:

وهذان السبيلان فاسدان السبيل من انتسب الى الدين ولم يكمله بما يحتاج اليه من السلطان و الجهاد والمال وسبيل من اقبل الى السلطان والمال والحرب ولم يقصد بذلك اقامة الدين هما سبيل المغضوب عليهم والضالين [1]	یہ دونوں راستے فاسد ہیں (۱) ان لوگوں کا جو دین کی طرف منسوب ہیں لیکن قوت، جہاد اور مال سے جن کا دین خداوندی محتاج ہے دین کی تکمیل نہیں کرتے ہیں، دوسرا راستہ والیان حکومت کا ہے جن کے پاس مال اور قوت موجود ہے لیکن ان کے ذریعہ اقامت دین کا کام نہیں لیتے ہیں۔ یہ دونوں راستے ان لوگوں کے ہیں جن پر غضب نازل ہوا یا گمراہ ہیں

مالیات وحکومت کی طرح قرآن حکیم نے زندگی کے اور بہت سے مسائل ومعاملات میں بھی اصولی اور عمومی انداز اختیار کیا ہے، شکل وصورت اور جزئیات کی تفصیل کو حالات وزمانہ کی رعایت پر چھوڑ دیا ہے، مثلاً حق اور محنت کی تنظیم، جنگ کی تیاری، معاہدات وتعزیرات وغیرہ (جن کی نشان دہی کی چنداں ضرورت نہیں ہے)۔

---

[1] الجوامع فی السیاسۃ الالہیۃ ص۲۰

امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی کوئی شکل متعین نہیں ہے

۳- حتی کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جیسے تنظیمی اور وجوبی حکم کی بھی کوئی شکل متعین نہیں کی ہے جس کی بنا پر علماء کہتے ہیں:

لیس فی القرآن تحدید لکیفیة القیام بھذا الواجب وقد یتبادی من ھذا ان الکیفیة متروکة لحکمة المسلمین وظروفھم له۔

قرآن میں کیفیت کی تحدید نہیں ہے کہ کس طرح اس واجب کی ادائیگی کی جائے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ محض مسلمانوں کی مصلحت اور ان کے ظروف کی رعایت سے کیفیت کے بیان کو چھوڑ دیا گیا ہے۔

اس سلسلہ کی چند آیتیں

اس سلسلہ کی چند آیتیں یہ ہیں ۱-

۱- قرآن حکیم نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ملی زندگی کا نصب العین ٹھہرایا ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ - (سورۂ آل عمران، رکوع ۱۲)

تم بہترین امت ہو کہ لوگوں کی ارشاد و اصلاح کے لیے ظہور میں آئی ہے۔ تم معروف کا حکم دینے والے برائی سے روکنے والے اور اللہ پر سچا ایمان رکھنے والے ہو۔

دوسری جگہ ہے:

(۲) وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ -

(سورۂ آل عمران رکوع ۱۱)

ضروری ہے کہ تم میں ایک جماعت ایسی موجود ہو جو خیر کی طرف لوگوں کو دعوت دینے والی ہو اور معروف کا حکم دینے والی اور منکر سے روکنے والی ہو، ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

له الدستور القرآنی۔

معروف ومنکر کی تشریح

آیت میں دعوت الی الخیر پر اکتفا نہیں کیا بلکہ امر بالمعروف کو علیحدہ ذکر کیا ہے۔ جس میں درج ذیل قسم کی چیزیں شامل کی جاتی ہیں:

کل ما ھو متعارف علی انہ صالح وخیر ونافع من اخلاق وعادات واعمال تعود فائدتھا وبرکتھا علی الافراد او المجموع ولیس فیھا جنف ولا بغی[1]

ہر وہ کام واخلاق وعادت ہیں جن کا فائدہ افراد یا سوسائٹی کو پہنچتا ہو اور ان میں ظلم و زیادتی اور افراط و تفریط نہ ہو بلکہ خیر و نافع ہونے میں متعارف ہوں

قرآنی اصطلاح کے مطابق "معروف" میں صرف نماز روزہ قسم کی عبادات ہی نہیں داخل ہیں، بلکہ یہ لفظ فرد و اجتماع کی جملہ ضرورتوں اور فائدہ پہنچانے والی تمام چیزوں کو شامل ہے، اسی طرح "منکر" میں صرف مشہور قسم کے برے کام نہیں داخل ہیں بلکہ اس میں ہر ضرر رساں چیز اور انسانی ضرورتوں سے گریز و فرار کی راہ بھی داخل ہے۔

شرعی نظم زندگی کی ایک حدیث سے وضاحت

الٰہی شریعت نے زندگی کا جو نظم قائم کیا ہے اور اس میں ایک دوسرے کی دینی و دنیوی ضرورتوں کی نگہداشت کو جس قدر ضروری قرار دیا ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ درج ذیل مثال سے بخوبی ہوتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

"فرض کرو ایک بحری جہاز ہے جس کے اوپر نیچے لوگ بیٹھے ہوئے ہیں اور سب کی ضرورت کا سامان (پانی وغیرہ) جہاز کے بالائی حصہ پر رکھا ہوا ہے جس سے لوگ اپنی ضرورتیں پوری کرتے رہتے ہیں نچلے درجہ کے لوگ (مثلاً) پانی کے لیے اوپر آتے رہتے ہیں اور اوپر والے (جذبۂ اشتراک کے تحت) پانی دیتے رہتے ہیں تو کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آتا۔ بلکہ اطمینان کے

---

[1] الدستور القرآنی ص ۳۷،

ساتھ سب کا کام چلتا رہتا ہے۔

لیکن اگر اوپر والے پانی دینے سے انکار کرتے ہیں، تنہا اپنی ملکیت سمجھتے ہیں یا ان کی آمدورفت سے معمولی تکلیف ناقابل برداشت ہوتی ہے تو وہ لوگ زیادہ دیر تک پیاس نہ برداشت کر سکیں گے بلکہ پانی کی فراہمی کے لیے دوسری تدبیریں کرنے پر مجبور ہوں گے۔

چار و ناچار انہوں نے یہ سوچا کہ جہاز میں چھوٹا سا سوراخ کر کے سمندر سے تھوڑا پانی لے لیا جائے۔ چنانچہ وہ کرنے لگے۔

اب اگر اوپر والے نہ سوراخ کرنے سے روکیں اور نہ ان کے لیے پانی کا بندوبست کریں (ایسی حالت میں محض منع کرنے سے کام نہ چلے گا بلکہ پانی کا بندوبست ضروری ہوگا) تو ظاہر ہے جہاز میں سوراخ ہونے کے بعد اس میں پانی بھرے گا اور وہ ڈوب جائے گا، پھر نہ سوراخ کرنے والے بچیں گے اور نہ اس سے غفلت و چشم پوشی کرنے والے۔"

یہ حدیث زندگی کی تفصیلات اور اس کے مطالبات کو سمجھنے کے لیے بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ زندگی کو سمندری جہاز پر سواری کے ساتھ تشبیہ دینا اس کی ضروریات کو پانی جیسی اہم چیز کے ساتھ بیان کرنا۔ تکلیف کے باوجود تعاون و اشتراک کو ملحوظ رکھنا اور خلاف ورزی کی صورت میں جہاز میں سوراخ ہونا، اور اس کے نتیجہ میں جہاز ڈوب جانا وغیرہ یہ ساری باتیں نہایت غور و فکر کی مستحق ہیں۔

ایک اور موقع پر رسول اللہ نے فرمایا:-

الا کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ۔ (الحدیث)	خوب غور سے سن لو ہر شخص تم میں نگراں ہے اور ہر شخص سے اس کی رعیت کے بارے میں باز پرس ہوگی۔

کلام عرب میں "رعی" کے یہ معنی ہیں:

حفظ الغیر لمصلحتہ لہ	دوسرے کی حفاظت اس کی مصلحت

کے مطابق کرنا[۱]

اس بناء پر "راعی" کے لیے دینی اور دنیوی دونوں قسم کی مصلحتوں کا لحاظ ضروری ہوگا۔

معاشی حالات کے دباؤ کی شدت

بسا اوقات انسان پر معاشی حالات کا دباؤ اس قدر شدید ہوتا ہے کہ جب تک اس کا لحاظ نہ کیا جائے تبلیغ و تلقین کی بات بے معنی رہتی ہے۔ اور اگر بات مان بھی لی جاتی ہے تو اس کو قرار و استحکام نہیں حاصل ہوتا۔

قرآن حکیم نے درج ذیل انداز میں اس پہلو کو واضح کیا ہے۔

(۳) فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۝ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْعَقَبَةُ ۝ فَكُّ رَقَبَةٍ ۝ أَوْ إِطْعَامٌ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ ۝ يَتِيمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۝ أَوْ مِسْكِينًا ذَا مَتْرَبَةٍ ۝ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ۝ (سورۂ بلد۔ رکوع ۱)

پھر وہ گھاٹی سے نہ گزرا اے پیغمبر! آپ کو معلوم ہے کہ گھاٹی عبور کرنے سے کیا مراد ہے۔ یہ ہے کہ کسی کی گردن کا پھندا چھڑانا، بھوکے قرابت دار یتیم اور خاکی آلود مسکین کو کھلانا، پھر وہ ان لوگوں سے ہو، جو ایمان لائے ہوں اور ایک دوسرے کو صبر اور رحم کی تلقین کی ہو۔

آیات میں پہلے عملی ہمدردی و غم خواری کی شکلوں کو "گھاٹی" سے تشبیہ دی گئی ہے کہ اس سے عبور کرنے کے لیے نفس کشی کی زیادہ ضرورت ہوتی اور صالحین و مبلغین کو ادھر توجہ دیے بغیر چارہ نہیں ہوتا ہے۔ پھر اس کے بعد ایمان اور صبر و رحم کی تلقین کا تذکرہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بسا اوقات دنیوی مصالح کا لحاظ کرنے سے زبانی تبلیغ و تلقین نتیجہ خیز نہیں ثابت ہوتی بلکہ حالات کا دباؤ پل بھر میں پوری عمارت ڈھا سکتا ہے۔

(بقیہ حاشیہ) ۱؎ المنجد،

قرآن حکیم میں دوسری جگہ ایسے نمازیوں کے لیے سخت قسم کی دھمکی ہے جن پر نماز کے اثرات نہیں مرتب ہوتے ہیں جو ریا ونمائش کرتے اور دوسروں کی دنیوی ضرورتوں کا لحاظ نہیں کرتے ہیں۔

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ (سورہ ماعون۔ رکوع ۱)	ایسے نمازیوں کے لیے بڑی خرابی ہے جو اپنی نمازوں کو بھلا بیٹھے ہیں، ریا کاری کرتے اور ضروریات میں حقوق کی ادائیگی نہیں کرتے ہیں۔

اسی طرح بہت سی آیتوں میں خیر وبھلائی کی ترغیب ہے اور غرباء وفقراء کو برسرکار لگانے کی تلقین ہے جس کی بنا پر علماء کہتے ہیں :

ان علی المسلمین کافۃ افراداً وجماعۃ کل فی نطاق قدرتہ وامکانہ ان یقوموا بواجب الامر بالمعروف والنھی عن المنکر والتضامن فیہ[1] حسب الحکمۃ والمصلحۃ۔[2]	ہر مسلمان پر فرداً فرداً اور جماعتی حیثیت سے اپنے امکان بھر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فرض کی ادائیگی لازمی ہے اور اس ادائیگی میں ایک دوسرے کے احوال کی ضمانت و نگرانی کی صورت ہونی چاہیئے۔ نیز حکمت و مصلحت کے پیش نظر طریق کار اختیار کرنا چاہیئے

غرض قرآن حکیم میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی کوئی خاص شکل وصورت اور طریق کار متعین ہے اور نہ یہ حکم زندگی کے کسی ایک گوشہ تک محدود ہے، بلکہ حالات وزمانہ اور ضرورت کے لحاظ سے اس کی مختلف شکلیں اور مختلف راہیں ہیں۔

شریعت کا جادۂ اعتدال

الٰہی شریعت میں جس چیز پر سب سے زیادہ زور دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ زندگی کے تمام شعبوں میں توازن وہم آہنگی برقرار رہے ورنہ افراط وتفریط کی صورت میں ایک طرف غلو اور تقشف کی زندگی نمودار

---

[1] الدستور القرآنی [2] ایضاً

ہو گی تو دوسری طرف آزادی و بے راہروی کی زندگی کو فروغ حاصل ہوگا، اور یہ دونوں راہیں شریعت کے جادۂ اعتدال سے ہٹی ہوئی ہیں۔

مسلم قوم کی زندگی کا سب سے بڑا سانحہ یہ ہے کہ اس سے عدل و توازن رخصت ہوگیا ہے۔ ایک طرف دین اور دنیا کی تقسیم نے اسلام کو دوسرے مذہبوں سے متشابہ بنا دیا ہے اور دوسری طرف جماعت سازی و گروہ بندی نے اس زعم فاسد میں مبتلا کر دیا ہے کہ حق وہی ہے جو وہ کہتا ہے، کام وہی ہے جو وہ کرتا ہے وہ صالح وہی ہے جو اس کی جماعت میں ہے، اور داعی وہی ہے۔ جو اس جیسی بات کرتا ہے، قرآن حکیم نے اس ذہنیت کو درج ذیل آیت میں بیان کیا ہے۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ۔ (سورۂ بقرہ رکوع ۱۴)	یہودی کہتے ہیں عیسائیوں کے پاس کچھ نہیں ہے، عیسائی کہتے ہیں کہ یہودیوں کے پاس کیا رکھا ہے حالانکہ اللہ کی کتاب دونوں پڑھتے ہیں ٹھیک یہی بات مشرکین عرب بھی کہتے ہیں جن کے پاس علم نہیں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ کوئی گروہ معمولی تنقید برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہے اور حق پر ثبات اور تقلیدی جمود میں کوئی فرق نہیں رہ گیا ہے۔

غرض جب تک یہ ذہنیت نہ بدلے گی فکر و نظر میں وسعت نہ ہوگی اور دین کے نام پر ملت کی دنیوی ضرورتیں پوری نہ ہوں گی، اس وقت تک دینی انقلاب کی توقع بے سود ہے صرف معمولی اصلاحات اپنے اپنے دائرہ میں ہوتی رہیں گی جو لادینیت کا معمولی جھونکا بھی برداشت کرنے کی تاب نہ لا سکیں گی۔

۴۔ عقوبات :

عقوبات کی بحث اصولی اور کلی ہے

قرآن حکیم نے اصلاح معاشرہ کے لیے "امر بالمعروف ونہی المنکر" کی تاکید پر اکتفاء نہیں کیا ہے بلکہ جرائم کی روک تھام اور مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچانے کے

لیے سزاؤں کا بھی حکم دیا ہے، لیکن اس نے حسب معمول یہاں بھی اصولی اور کلی روش اختیار کی ہے جس سے حالات وزمانہ کی رعایت کا ثبوت ملتا ہے قرآن حکیم میں جن چند جرائم کی سزاؤں کا ذکر ہے وہ یہ ہیں ا

زنا کی سزا

(۱) زنا کی سزا۔

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَّلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِيْنِ اللّٰهِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَائِفَةٌ ۚ (سورۂ نور رکوع ۱)

زانی اور زانیہ ہر ایک کو سو سو کوڑے مارو ان دونوں پر اللہ کا قانون نافذ کرتے ہیں رحم نہ حائل ہونا چاہیئے اگر تم اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو، اور سزا دیتے وقت مومنوں کا ایک مجمع موجود ہونا چاہیئے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریح کے مطابق یہ سزا کنوارے غیر شادی شدہ کے لیے ہے لیکن شادی شدہ مجرم کی سزا رجم (سنگساری) مقرر ہے جس کی مشابہت قوم لوط علیہ السلام کی سزا سے ہے :-

وشرع رجم الزانی تشبیہا برجم قوم لوط [۱]

اور زانی کے لیے رجم مقرر ہے جو قوم لوط کے رجم کے مشابہ ہے۔

چور کی سزا

(۲) چور کی سزا :

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ۔ (سورۂ مائدہ رکوع ۶)

چور خواہ مرد ہو یا عورت اس کا ہاتھ کاٹ ڈالو جو کچھ انہوں نے کیا ہے اللہ کی طرف سے یہ اس کی سزا ہے ۔

❁

---

[۱] السیاستہ الشرعیہ ص۱۰۴

تہمت کی سزا

(۳) تہمت کی سزا:

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا۔ (سورہ نور رکوع ۱)۔

اور جو لوگ (زنا کی) تہمت لگائیں پاک دامن عورتوں کو اور پھر چار گواہ نہ لاسکیں تو ایسے لوگوں کو اسی کوڑے مارو اور ان کی کوئی شہادت نہ قبول کرو۔

ڈاکہ زنی اور بغاوت کی سزا

(۴) ڈاکہ زنی کی سزا۔

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْىٌ فِى الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ۔

(سورہ مائدہ رکوع ۵)

بے شک ان لوگوں کی جو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور ملک میں خرابی پھیلانے کے لیے دوڑتے پھرتے ہیں ان کی یہی سزا ہے کہ قتل کردیے جائیں یا سولی پر چڑھا دیے جائیں یا ان کے ہاتھ پاؤں مخالف جہتوں سے کاٹ دیے جائیں یا انہیں جلا وطن کردیا جائے یہ ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں بھی ان کے لیے عذاب عظیم ہے۔

امام ابوحنیفہؒ اور مالکؒ سے "اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ" کی تفسیر حبس (قید کرنا) منقول ہے[1] اور قتل کے لیے ضروری نہیں ہے کہ تلوار ہی استعمال کی جائے بلکہ دوسری چیزوں سے بھی قتل کی اجازت ہے[2]

---

[1] الاحکام السلطانیہ صفحہ ۵۱۔

[2] السیاستہ الشرعیہ صفحہ ۳۵۔

قتل کی سزا

(۵) قتل کی سزا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى (سورۂ بقرہ رکوع ۲۲)

اے ایمان والو! مقتولین کے بارے میں قصاص کا حکم دیا جاتا ہے آزاد آدمی کے بدلہ آزاد آدمی، غلام کے بدلہ غلام اور عورت کے بدلہ عورت۔

ان سزاؤں پر تفصیلی گفتگو سے پہلے چند امور کی وضاحت ضروری ہے۔

دور کی تبدیلی سے دو قسم کی تبدیلیاں ظہور پذیر ہوتی ہیں

(۱) دور کی تبدیلی سے معاشرتی زندگی میں دو قسم کی تبدیلیاں ظہور پذیر ہوتی ہیں۔

(۱) تنظیمی اور (۲) اخلاقی۔

تنظیمی تبدیلیوں کو قبول کیے بغیر چارہ نہیں ہوتا اور اخلاقی تبدیلیوں کو بہمہ وجوہ قبول کرنے سے ملی وجود ختم ہو جاتا ہے۔

۲۔ جن مذاہب کی تعلیمات کا دائرہ محدود اور اجتماعات میں زیادہ دخیل نہیں ہوتا ان کے ماننے والوں کو کسی قسم کی تفریق کی ضرورت نہیں ہوتی، وہ بڑی آسانی سے ہر قسم کی تبدیلیوں کے ساتھ سمجھوتہ پر آمادہ ہو جاتے ہیں اور اس "اقدام" سے جب ملی وجود خطرہ میں پڑتا ہے تو اس کی تلافی قوم و وطن کے نام سے کر لیتے ہیں۔

لیکن جس مذہب کی تعلیمات کا دائرہ وسیع اور انفرادیت و اجتماعیت دونوں کو جاری ہوتا ہے، اس میں اور ان تبدیلیوں میں قدم قدم پر ٹکراؤ کی صورت نمودار ہوتی ہے جس کی بنا پر اس مذہب کے ماننے والوں کو سخت قسم کی کشمکش سے گذرنا پڑتا ہے۔

ٹکراؤ مذہب سے نہیں بلکہ قدیم و جدید میں ہوتا ہے

(۳) یہ ٹکراؤ دراصل مذہب سے نہیں ہوتا بلکہ قدیم و جدید میں ہوتا ہے جو کہ فطری ہے اور جدید کا فتحیاب ہونا یقینی ہے۔

مذہب "قدیم تنظیم" کا نام نہیں ہے بلکہ ان تعلیمات کا ہے جو اس کے اندر حلول

کیے ہوئے ہیں۔ جس طرح "قدیم" کو ان کے ذریعے مذہبی بنایا گیا تھا اسی طرح "جدید" کو ہر دور میں ان کے ذریعہ مذہبی بنانے کی ضرورت ہوتی ہے۔

لیکن چونکہ مذہب اب تک "قدیم تنظیم" سے وابستہ رہا ہے اس بنا پر اس کی شکست مذہب کی شکست سمجھی جاتی ہے۔

(۴) کوئی تنظیم اسی وقت مذہبی بنتی ہے جب کہ مذہب کے اخلاقی اقدار کو اس میں حلول کیا جائے اور اگر اخلاقی اقدار میں تبدیلی کی گئی یا جدید تنظیم کو اسی حالت میں قبول کر لیا گیا تو نہ صرف یہ کہ اس مذہب اور دوسرے مذاہب کے ماننے والوں میں کوئی فرق نہ رہے گا بلکہ ملی وجود بھی ختم ہو جائے گا۔ اور پھر چار و ناچار اپنا وجود برقرار رکھنے کے لیے قومیت وغیرہ کا سہارا ڈھونڈنے پر مجبور ہونا پڑے گا جیسا کہ بعض مسلم ممالک میں یہ تحریکیں اسی بنا پر زور پکڑتی جا رہی ہیں۔

مذہب اخلاقی تبدیلیوں سے سمجھوتہ کے لیے تیار نہیں

(۵) جدید معاشرہ میں تنظیمی تبدیلیوں کے ساتھ جس قسم کی اخلاقی تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں ان کے لحاظ سے زنا، تہمت، چوری وغیرہ اس درجہ کے جرائم تسلیم ہی نہیں کیے گئے کہ ان کے لیے کوئی سخت قسم کی سزا مقرر کی جائے جس معاشرہ میں جرائم کی پرورش ہوتی ہو اور عفت و عصمت کے آبگینے برسرِ عام چکنا چور کیے جاتے ہوں وہ اگر زنا کی تقسیم رضا اور جبر کے ساتھ کر کے زنا بالجبر کو جرم قرار دے اور زنا بالرضاء کو تفریح کا ذریعہ بنائے تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟

اور پھر جب پانی سر سے اونچا ہو جائے اور زنا و جرائم پیشگی گھر گھر عام ہو جائے تو اس قسم کی تجویزیں پیش کی جائیں کہ جنسی جرائم کے عادی مجرموں کو بجائے سال با سال تک جیل میں بند رکھنے کے جنسی قوت سے بذریعہ اپریشن محروم کر دیا جائے جیسا کہ لندن کی ایک مشہور لیڈی ڈاکٹر "میری اسٹاک" نے ابھی حال میں یہ تجویز پیش کی ہے اور ڈنمارک کے حوالے سے بتایا ہے کہ وہاں چونکہ اس قسم کا قانون نافذ ہے اس بنا پر جنسی جرائم کی تعداد بہت کم رہ گئی ہے[1]

---

[1] صدق جدید ۳۰ اپریل ۶۵ء

اسلام بہرحال اس قسم کی اخلاقی تبدیلیوں کے ساتھ سمجھوتہ کرنے کے لیے تیار ہے اور نہ ان کی وجہ سے اپنی سزاؤں میں ترمیم و تنسیخ کا حق دیتا ہے۔

جدید تنظیم کے لیے اخلاقی تبدیلیوں کو قبول کرنا ضروری نہیں ہے

(۶) یہ خیال قطعاً غلط اور بے بنیاد ہے کہ جب جدید تنظیم کو قبول کیا جائے گا تو اس کے ساتھ اخلاقی تبدیلیوں کو بھی بعینہٖ قبول کرنا ناگزیر ہوگا۔ آخر وہ کون سی اخلاقی برائی ہے جو قدیم تنظیم کے ساتھ وابستہ نہ ہوگی تھی یا اب وابستہ نہیں ہے۔ لیکن داعی انقلاب صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح الٰہی تعلیمات کے ذریعہ اس کو پاک صاف بنایا تھا۔

انداز فکر بدلنے کی ضرورت ہے، مذہب اب تک "قدیم تنظیم" کو سمجھا رہا ہے چوں کہ اس کا دور ختم ہو چکا ہے اس بنا پر مذہب کے نام پر چند مراسم و عبادات سے زیادہ کی گنجائش نہیں ہے خواہ اس کا نام حفاظتِ دین رکھا جائے یا طبیعت خوش کرنے کے لیے اقامت دین کا نام دے دیا جائے "نتیجہ" دونوں ایک ہیں، نہ قرون وسطیٰ کا دور واپس آئے گا اور نہ زمانہ ہماری خاطر رجعت قہقری اختیار کرے گا پھر قدیم تنظیم کے سہارے کامیابی کی راہیں کیونکر کھلیں گی؟ علماء عبادات اور علماء مراسم کی کوششیں سر آنکھوں پر ہیں لیکن مآل کے لحاظ سے یہ کوششیں اسی راہ پر گامزن ہیں جو راہ یورپ کی نشاۃ ثانیہ" نے دکھلائی ہے۔

پوپ اور پادری اب بھی موجود ہیں لیکن دنیوی حالات و معاملات کی رہبری سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے، عزت و احترام اور عقیدت و نیاز کے چڑھاوے برابر چڑھ رہے ہیں لیکن بس اسی حد تک کہ ان کے ذریعہ زندگی کا خالی خانہ پُر ہو کر نفس کی تسکین کا سامان ہو

حدود حقوق اللہ ہیں

(۷) مذکورہ حدود حقوق اللہ اور جرائم ربیبہ کی عقوبۃ کاملہ کہلاتی ہیں ان کا مقصد صرف یہ نہیں ہے کہ مجرم کو کیفر کردار

(بقیہ حاشیہ) ؎ صدق جدید ۳۰ / اپریل ۶۵ء۔

تک پہنچایا جائے بلکہ یہ بھی ہے کہ ان کے ذریعہ پورے معاشرہ کو عبرت وتنبیہ حاصل ہو، زنا کی وجہ سے برسرِ عام ایک بار کوڑے لگ جانا نہ معلوم کتنے زانیوں کے لیے "تازیانہ عبرت" بنے گا، اور کتنے نائٹ کلبوں کے ننگے ناچ بند ہو جائیں گے۔

اسی طرح چوری کی سزا میں ایک کا ہاتھ کٹ جانا اور مرتے دم تک اس داغ کا برقرار رہنا نہ معلوم کتنے چوروں کی چوری سے باز رکھے گا اور خود ان مجرموں کو ہمیشہ کس قدر ندامت محسوس ہوتی رہے گی؟

انتہائی احتیاط کا حکم

چونکہ ان سزاؤں کا تعلق حقوق اللہ سے ہے اس بنا پر شریعت نے انتہائی احتیاط سے کام لیا ہے۔ مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(۱) ادفعوا الحدود عن عباد اللہ ما وجد تولہ مدفعا[1]

(۱) کوئی صورت بھی بچاؤ کی نکل سکے تو اللہ کے بندوں سے حدود کو دفع کرو۔

(۲) أدرؤا الحدود عن المسلمین ما استطعتم فان کان لہ مخرج فخلوا سبیلہ فان الامام ان یخطیٔ فی العفو خیر من ان یخطیٔ فی العقوبۃ[2]۔

(۲) جہاں تک ہو سکے مسلمانوں سے حدود کو دفع کرو اور اگر بچاؤ کی کوئی صورت نکل سکے تو ان کا راستہ چھوڑ دو، امام (خلافت) کے لیے معافی میں غلطی کر جانا سزا میں غلطی کر جانے سے زیادہ بہتر ہے۔

ایک اور موقع پر آپ نے فرمایا:

تعافوا الحدود بینکم فما بلغنی من حد فقد وجب[3]

آپس میں حدود کو معاف کر دیا کرو کیونکہ جو حد مجھ تک پہنچے گی وہ واجب ہو جائے گی۔

شبہ کی صورت میں بھی حدود ساقط ہو جائیں گی جیسا کہ رسول اللہ نے فرمایا ہے:

ادرؤا الحدود بالشبہات[4]

شبہات سے حدود کو دفع کر دو۔

---

[1] ابن ماجہ، [2] ترمذی وبیہقی، [3] جمع الفوائد ج ۱ ص ۲۸۲، [4] ہدایہ وحاشیہ کتاب الحدود

اس حدیث کی روشنی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:

لان اعطل الحدود بالشبہات احب الی من ان اقیمھا بالشبہات[1]

حدود کو شبہات کے ذریعہ ساقط کردوں میرے لیے زیادہ بہتر ہے اس سے کہ شبہات کی موجودگی میں حدود قائم کروں۔

٭

حدود جاری نہ ہونے کی صورت میں دوسری سزا دی جاسکتی ہے

اسی طرح ثبوت اور شہادت کا جو معیار مقرر ہے اس میں بھی انتہائی احتیاط سے کام لیا گیا ہے جس کی بنا پر حدود کے نفاذ کا دائرہ محدود ہو جاتا ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اسلامی سزاؤں کی فہرست میں صرف حدود ہی ہیں بلکہ الٰہی شریعت نے حالات و زمانہ کی رعایت سے دو قسم کی سزائیں مقرر کی ہیں۔

(۱) حدود اور (۲) تعزیرات۔

جس طرح حدود کا دائرہ حقوق اللہ ہونے کی وجہ سے تنگ ہے اسی طرح تعزیرات کا دائرہ حقوق العباد ہونے کی وجہ سے وسیع ہے، حتیٰ کہ مذکورہ جرائم ربئیسہ میں بھی اگر کسی معقول وجہ کی بنا پر حدود اللہ نہ جاری ہو سکیں تو چونکہ ان کا تعلق حقوق العباد سے بھی ہے اس بنا پر حکومت مختلف سزاؤں کے لیے قانون بنانے کی مجاز ہے۔

والاصل ان من الجنایات العظیمۃ ما یتعین عقوبۃ او یتعین ولکن سقطت بشبہۃ و فی ھذا فساد ظاھر فامرہ ما مر بالتردی فیہ للعمل برایہ علی ان ما یکون من الحوادث لا تعد ولا تحصی فالامر فیہ بالرای اولیٰ[2]

بڑی جنایتوں میں جن میں سزا نہ متعین ہو یا متعین ہو لیکن شبہ کی وجہ سے ساقط ہو گئی ہو اور سزا نہ دینے میں فساد ظاہر ہو تو امام کو غور و فکر کے ساتھ اپنی رائے پر عمل کرنے کا حکم دیا جائے گا۔ حوادث بے حد بے شمار ہوتے ہیں اس بنا پر رائے پر عمل کرنا اولیٰ ہے۔

---

[1] احکام الاحکام شرح عمدۃ الاحکام لابن دقیق العید ج ۴ ص ۱۰۰ ، [2] جامع التعزیر الخاتمۃ فی السیاسۃ ص ۱۹

حدود کی حیثیت اور وسعت

ذیل میں دونوں سزاؤں کی حیثیت اور حکومت (خلافت) کے اختیارات کی وسعت ذکر کی جاتی ہے۔

"حد" کی اصل۔

اصل الحد الشئ الحاجز بین شیئین [۱]

"حد" اس شے کو کہتے ہیں جو دو شے کے درمیان رکاوٹ بنتی ہے۔

تعریف یہ ہے:۔

عقوبۃ مقدورۃ لاجل حق اللہ تعالی [۲]

شریعت میں "حد" حقوق اللہ کے سبب سے مقررہ سزا ہے۔

حد کی حیثیت کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

فان اقامۃ الحد من العبادات کالجھاد فی سبیل اللہ [۳]

"حد" قائم کرنا عبادات میں سے ہے۔ جیسے جہاد فی سبیل اللہ۔

علامہ ابن تیمیہؒ نے حدود اور حقوق کی دو قسمیں کی ہیں:

(۱) وہ جن کا تعلق قوم سے ہے۔ (۲) وہ جن کا تعلق فرمیین سے ہے۔

زنا، سرقہ، ڈاکہ زنی وغیرہ کے حدود کو ان میں شامل کیا ہے جن کا تعلق پوری قوم سے ہے اور سب ان کے محتاج ہیں۔ [۴]

حدود کے نفاذ میں حکومت خود مدعی

چونکہ حدود کی ایک خاص حیثیت اور ان سے نہی عن المنکر مقصود ہے اس بنا پر ان کے قیام کی حکومت خود ذمہ دار اور خود مدعی ہے۔

یجب علی الولاۃ البحث۔ [۵]

حاکموں پر بحث واجب ہے اور کسی کے

۱؎ احکام الاحکام شرح عمدۃ الاحکام لابن دقیق العید ج ۴ ص ۱۰۱، ۲؎ حوالہ بالا، ۳؎ السیاسۃ الشرعیہ ص ۹۸، ۴؎ ۵؎ السیاسۃ الشرعیہ ص ۶۳

عندہ وإقامته من غير دعوى أحد به و | دعوی کے بغیر اس کا قائم کرنا واجب ہے، اسی
كذلك تقام الشهادة فيه من غير دعوى[۱] | طرح دعویٰ کے بغیر شاہد مقرر کرنا واجب ہے۔

بہت سی معمولی باتوں سے حدود ساقط ہوجاتے ہیں!

معاملہ عدالت میں جانے سے پہلے اگر توبہ کرلے یا اقراری مجرم اپنے اقرار سے پھر جائے یا گواہوں میں کوئی اپنے قول سے رجوع کرلے وغیرہ اس قسم کی بہت سی صورتیں اور دیگر معمولی باتیں ہیں جن سے حدود ساقط ہو جاتے ہیں۔

اس بنا پر جرائم رہیبہ کے لیے بھی حالات وزمانہ کی رعایت سے تعزیری قوانین وضع کرنے ضروری ہیں اور ایک ایسی عدالت کا قیام ناگزیر ہے جو ان مقدمات کی سماعت کرے جو محض اس بنا پر خارج کردیے گئے ہیں کہ حدود کے درجہ کا ثبوت نہیں فراہم ہوسکا ہے یا گواہ معیار کے مطابق پورے نہیں اترے ہیں، اور اگر یہ انتظام نہ کیا گیا بلکہ جرائم رہیبہ کی سزا صرف حدود ہی رکھی گئی تو مذکور جرائم کی بہت سی شکلیں ایسی پائی جائیں گی جن میں کوئی سزا نہ ہوگی اور جرم کی حوصلہ افزائی ہوتی رہے گی، فقہ کی بعض کتابوں میں والی الجرائم اور صاحب الرد کی اصطلاحیں ملتی ہیں جن کے دائرہ اختیار میں ان مقدمات کی سماعت بھی تھی جو شرعی معیار کے مطابق ثبوت نہ ہونے کی وجہ سے خارج ہوجاتے تھے، تحقیق وتفتیش اور فرد جرم عائد کرنے کے باب میں ان کا نقطۂ نظر عدالتِ قضاء سے زیادہ وسیع ہوتا تھا۔

ذیل میں چند صورتیں ذکر کی جاتی ہیں جن سے اندازہ ہوسکے گا کہ حدود کے علاوہ سیاستِ شرعیہ کے ماتحت حالات وزمانہ کی رعایت سے مختلف قسم کی سزائیں مقرر کرنا ناگزیر ہے۔

ضابطہ کے مطابق شہادت نہ ہونے سے حد کا سقوط

(۱) فاسق وفاجر شخص کے زنا پر شہادتیں گذریں لیکن ضابطہ کے مطابق حد کے درجہ کی یہ شہادتیں نہیں تو ایسا نہ ہوگا اس شخص کو آزاد چھوڑ دیا جائے

---

[۱] السیاسۃ الشرعیہ صد ۶۴۔

اور گواہوں پر حد قذف لگائی جائے بلکہ معاملہ کی تحقیق اور ثبوت کے بعد وہی عدالت یا دوسری عدالت حد کے علاوہ دوسری سزا دینے کی مجاز ہوگی۔

للدولة تقدير العقوبات الواجبة حسب أثر الجرم وخطورته۔[1] — جرم کے اثر اور اس کی حیثیت کے لحاظ سے حکومت کو سزائیں مقرر کرنا ضروری ہے۔

(۲) فقہ میں ایک مستقل باب "باب الوطی الذی یوجب الحد والذی لا یوجبه" کے عنوان سے ہے جس میں بہت سی صورتیں ایسی ہیں جن میں فعل پایا جاتا ہے لیکن "حد" نہیں واجب ہوتی ہے۔

زنا کی اجرت سے حد کا سقوط

(۲) مثلاً امام ابوحنیفہؒ کا مسلک ہے کہ اگر کسی عورت کو زنا کے لیے کرایہ پر لیا اور اس سے منہ کالا کیا تو اس پر حد نہ لگے گی صاحبین کے نزدیک اس صورت میں (بشرط ثبوت) اگرچہ حد واجب ہوگی لیکن امام ابوحنیفہؒ کی دلیل سیدنا حضرت عمرؓ کا یہ فیصلہ ہے:۔

ان امرأة سألت رجلا مالا فأبى ان يعطيها حتى تمكنه من نفسها فدرأ عمر الحد وقال هذا مهرها۔[2] — ایک عورت نے کسی مرد سے مال مانگا اور اس نے کہا کہ اگر تو اپنے اوپر قابو دیدے تو مال دینے کے لیے تیار ہوں اس صورت میں حضرت عمرؓ نے یہ کہہ کر حد ساقط کر دی کہ مال اس کا مہر ہے۔

مذکورہ تصریح کے مطابق طوائفوں اور ان سے متعلق عادی مجرموں پر حد زنا نہ واجب ہوگی۔ حالانکہ بسا اوقات معاشرتی اصلاح کے لیے ان پر حد جاری کرنا ضروری ہوتا ہے، ایسی حالت میں اگر حکومت کے اختیارات کی وسعت نہ تسلیم کی گئی یا صرف "حد" تک زنا کی سزا کو محدود رکھا گیا تو اس کا نتیجہ نہایت بھیانک شکل میں ظاہر ہونا یقینی ہے

فعل اور محل میں شبہ سے حد کا سقوط

۳۔ فعل زنا میں کسی قسم کا شبہ پایا جائے یا

[1] الدستور القرآنی ص۲۲۲ ، [2] درر الاحکام شرح غرر الاحکام ج۲ ص۶۶ [3] ، حوالہ بالا۔

محل میں شبہ پایا جائے تو بھی حد ساقط ہو جائے گی۔ مثلاً :-

کسی عورت کو مال کے بدلے طلاق بائنہ ہو چکی ہے اور وہ عدت میں ہے یا طلاق مغلظ دی جا چکی ہے۔ اور وہ عدت میں ہے۔ ایسی عورتوں سے اگر طلاق دینے والا یہ سمجھ کر زنا کرے گا کہ وہ میرے لیے حلال ہے تو حد ساقط ہو جائے گی۔

اسی طرح اگر کسی عورت کو کنایۃً طلاق بائنہ دی گئی ہے اور اس سے طلاق دینے والے نے زنا کیا تو اگرچہ وہ اقرار کرے کہ میں نے حرام جان کر یہ حرکت کی ہے تو بھی حد ساقط ہو جائے گی[1]

گواہوں کے فسق سے حد کا سقوط (۴) عدالت میں زنا کا معاملہ گیا اور گواہوں نے گواہی بھی دی لیکن چاروں گواہ فاسق تھے یا تحقیق و تفتیش کے بعد وہ عادل نہ ثابت ہو سکے تو کسی پر حد نہ واجب ہو گی۔

فان کانوا اربعۃ فساقا او سئل عنھم فلم یزکوا فلا حد علیھم ولا حد علی المشھود۔[2]	اگر چاروں گواہ فاسق ہوں یا تفتیش کے بعد عادل نہ ثابت ہوں تو ان پر حد نہیں ہے اور جس پر گواہی دی گئی ہے اس پر بھی حد نہیں ہے۔

توبہ سے حد کا سقوط (۵) عدالت میں معاملہ جانے سے پہلے اگر مجرم توبہ کرے تو تمام حدود ساقط ہو جاتے ہیں

ان الحدود کلھا تسقط بالتوبۃ[3]	تمام حدود توبہ سے ہو جاتے ہیں۔

زنا کے بارے میں ہے :

ولو تاب قبل القدرۃ علیہ یسقط عنہ الحد[4]	اگر قدرت سے پہلے توبہ کر لی تو حد ساقط ہو جائے گی۔

حد ساقط ہونے کی صورت میں دوسری سزائیں غرض ایسی تمام صورتوں کے لیے جن

---

[1] ہدایہ کتاب الحدود، [2] کتاب الخراج صفحہ ۹۶، [3] المحلی جلد ۱۱ صفحہ ۱۲۶ [4] الاحکام السلطانیہ صفحہ ۱۹۷

میں حدود ساقط ہو جاتے ہیں اور دوسری سزائیں ناگزیر ہوتی ہیں یہ حکم ہے ۱ ؎۔

ولہا ان تتصرف مع المجرمین فی نطاق المصلحۃ ۲ ؎	حکومت کو اختیار ہے کہ مصلحت کے مطابق مجرمین کے ساتھ تصرف کرے۔

حد کے نفاذ میں حکومت کے اختیارات

زنا کے لیے وضع قوانین کے علاوہ نفس حد کے باب میں بھی حکومت کے مختلف قسم کے اختیارات کا ثبوت ملتا ہے، مثلاً :-

(۱) ایک انصاری شدید بیمار تھے اور اسی حالت میں ایک عورت سے زنا کر لیا پھر جذبہ ایمانی کا تقاضا ابھرا تو اپنے لیے رسول اللہ سے حکم دریافت کیا، لوگوں نے رسول اللہ کو بتایا کہ وہ اس قدر بیمار ہے کہ یہاں تک آنا بھی مشکل ہے، یہ سن کر رسول اللہ نے فرمایا کہ سو کوڑوں کے بجائے سو نرم ٹہنیوں کا مٹھا لے کر ایک ضرب لگا دو ۳ ؎

(۲) ایک موٹی عورت گدھے پر سوار تھی اور روتی جاتی تھی، چند اشخاص اس کو حضرت عمرؓ کے پاس پکڑ کر لائے اور گواہی دی کہ اس سے زنا کا فعل صادر ہوا ہے، سوال کرنے پر عورت نے اقرار کیا کہ بے شک اس سے زنا کیا گیا ہے۔ مگر وہ زانیوں کو پہچانتی نہ تھی

حضرت عمرؓ نے یہ سن کر عورت کو بری کر دیا اور فرمایا :

لو قتلت ھذا لا خشیت علی الاخشبین النار ۳ ؎	اگر میں اس عورت کو قتل کر دیتا تو مجھ کو اندیشہ تھا کہ ابوقبیس اور احمر دونوں پہاڑیوں میں آگ لگ جاتی۔

(۳) ایک اور عورت کا معاملہ حضرت عمرؓ کی عدالت میں پیش ہوا اور اس نے کئی بار اقرار کیا جس سے ضابطہ کے مطابق حد واجب ہو گئی تھی لیکن حضرت علیؓ نے فرمایا :

انہا تستھل بہ استھلال من لم یعلو انہ حرام ۴ ؎	کہ وہ اس طرح باتیں کرتی ہے جس طرح وہ شخص کرتا ہے جس کو زنا کی حرمت کا علم نہ ہو

---

۱ ؎ الدستور القرآنی ص ۲۲۳ ۲ ؎ ابوداؤد و نسائی ۳ ؎ کتاب الخراج ص ۱۰۹ ۴ ؎ الطرق الحکمیہ ص ۵۵

یہ سن کر حضرت عمرؓ نے حد ساقط کر دی!

(۴) شام کے ایک ذمی نے سواری سے اُتار کر ایک عورت سے زنا کیا اور ثبوت کے بعد حضرت عمرؓ نے بجائے حد لگانے کے اس کو سولی دی[1]

ثبوت زنا کے طریقے

ثبوت زنا کے چار طریقے ہیں۔ (۱) اقرار (۲) گواہ (۳) حمل اور (۴) چھ ماہ سے کم میں ولادت۔

مانع حمل اشیاء اس قدر ایجاد ہو چکی ہیں کہ ان کی موجودگی میں حمل اور ولادت کی نوبت بہت کم آتی ہے، اسی طرح چار عینی شاہدوں کا "کالمیل فی المکحلة" کے ساتھ گواہی دینا اور حاکم عدالت کے اعراض کے باوجود کسی شخص کا اپنے اقرار پر ثابت قدم رہنا نہایت مشکل ہے، اگر ثبوت زنا کے انہیں طریقوں پر اکتفاء کیا گیا تو موجودہ دور میں شاذونادر ہی زنا کے مقدمات کا ثبوت مل سکے گا۔ اس بنا پر معاشرتی اصلاح اور مجرمین کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لیے تحقیق و تفتیش کے ترقی یافتہ ذرائع اور طریقوں سے استفادہ ضروری ہے جب ہوس کی سرمستیوں نے میکینکل انداز اختیار کر لیا ہے تو ان کے ختم کرنے کی راہوں اور تدبیروں میں کیوں کر جمود و تعطل سے کام لینے کی گنجائش ہے؟

ان الفساد قد کثر وانتشر علاف	فساد زیادہ ہو گیا اور پھیل گیا ہے پہلے
حالہ فی العصر الاول ومقتضی	زمانہ میں ایسا نہ تھا اس کی وجہ سے لازمی
ذلک اختلاف الاحکام بحیث	طور سے احکام میں اختلاف ہو گا اس طرح
لا تخرج عن الشرع[1]	کہ شریعت سے وہ نہ نکلنے پائیں۔

ثبوت کے طریقوں میں وسعت کی گنجائش

چونکہ حدود کا تعلق حقوق اللہ سے ہے، اس بنا پر حدود کا نفاذ ثبوت کے انہیں طریقوں کے ساتھ مناسب ہے جو سنت سے ثابت ہیں اور جو جرائم دوسرے طریقوں سے ثابت ہوں ان کے لیے دوسری سزائیں مقرر کی جائیں۔

---

[1] التبصرہ لابن فرحون ج ۲ ص ۱۱۴،

یہ سزائیں بھی سخت ہوں گی کیونکہ شریعت کا مقصود جرم کا استیصال ہے، اگر معمولی سزائیں مقرر کی گئیں جیسا کہ موجودہ دور میں جرائم کی پرورش کرنے والے معاشرہ میں دی جاتی ہیں تو ان سے شریعت کا مقصود نہ حاصل ہو سکے گا۔ مذکورہ احتیاط امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کے مسلک میں ہے ورنہ امام شافعیؒ و احمدؒ وغیرہ کے نزدیک حدود کے ثبوت میں بھی وسعت سے کام لینے کی اجازت ہے۔

مذهب الشافعي و احمد رحمہ	امام شافعیؒ اور امام احمدؒ اور اکثر لوگوں کے
اکثر الناس جواز اثبات الحدود	نزدیک حدود اور کفارات کا قیاس سے
والکفارات بالقیاس خلافاً لا	ثابت کرنا جائز ہے، امام ابوحنیفہ اور ان
صحاب ابی حنیفۃ رحمہ	کے اصحاب کا اختلاف ہے۔

جب مقصود ثبوت ہے تو مذکورہ طریقوں کے علاوہ جس طریقہ سے بھی اونچا ثبوت فراہم ہو جائے حکومت کو حد جاری کرنے کا اختیار ہے

اصل دشواری ساری دشواریاں اس لیے پیش آتی ہیں کہ حکومت خود ہوس رانی و شہوت پرستی کو فروغ دیتی ہے۔ اگر وہ ایمان داری کے ساتھ جرائم کا استیصال کرنا چاہے تو اس کے اختیارات کا دائرہ کسی طرح بھی تنگ نہیں ہے۔

علامہ ابن تیمیہؒ نے حدود کے باب میں افراط و تفریط کے دو گروہوں کا ذکر کیا ہے

(۱) ایک گروہ نے حدود کو معطل اور حقوق کو ضائع کر کے اہل فجور کو شر و فساد پر جرأت دلائی کیونکہ اس نے شریعت کو اس قدر ناقص بنا دیا ہے کہ وہ بندوں کے مصالح کی نگہداشت نہیں کرتی ہے اور لامحالہ اللہ کے بندے غیر کے محتاج بننے پر مجبور ہوتے ہیں۔

۲۔ دوسرا گروہ اس کے مقابل ہے جس نے اللہ و رسولؐ کے حکم کے خلاف بہت سی باتوں کو شریعت میں داخل کر دیا ہے۔

لہ الاحکام فی اصول الاحکام ج ۴ ص ۴۲

ان دونوں کو کتاب و سنت کی صحیح معرفت نہیں حاصل ہوئی ہے[1]

پھر کہتے ہیں:۔

ان مقصوده اقامة العدل بين عباده وقيام الناس بالقسط فاى طريق استخرج بها العدل والقسط فهى من الدين ليست مخالفة له[2]	اللہ کا مقصود بندوں کے درمیان عدل کا قائم کرنا اور انصاف پر لوگوں کو مضبوط کرنا ہے جس طریقہ سے بھی عدل و انصاف کی نمود ہوگی وہ دین سے ہوگا دین کے خلاف نہ ہوگا۔

چوری کی صورتیں جن میں دوسری سزائیں ناگزیر ہیں

(۳) سرقہ کی بھی بہت سی صورتیں پائی جاتی ہیں جن میں حد نہیں واجب ہوتی ہے لیکن حالات و زمانہ کی رعایت سے دوسری سزائیں ناگزیر ہوتی ہیں مثلاً:

(۱) چور نے کسی گھر میں نقب لگائی اور وہ داخل ہوا لیکن مال لے کر باہر کے شخص کو دیتا رہا جیسا کہ عام طور نقب کی چوریوں میں ہوتا ہے تو دونوں میں سے کسی کا ہاتھ نہ کاٹا جائے گا۔

فلا قطع عليهما[3]	دونوں کا ہاتھ نہ کاٹا جائے۔

(۲) کسی نے جانور اور اس پر لدے ہوئے سامان کی چوری کی تو اس کا ہاتھ نہ کاٹا جائیگا

لم يقطع[4]	نہ قطع کیا جائے۔

(۳) کسی نے کسی پر چوری کا دعویٰ کیا اور اس کے پاس مال موجود ہے لیکن چور چوری سے انکار کر رہا ہے اور مدعی کے پاس گواہ بھی نہیں ہے تو ایسی حالت میں قطع ید نہ ہوگا بلکہ دوسری سزا دی جائے گی۔

قال عامة المشائخ انه يعزر[5]	عام مشائخ کا قول ہے کہ اس کو دوسری سزا دی جائے۔

---

[1] الطرق الحکمیہ ص ۱۴، [2] حوالہ بالا، [3] ہدایہ کتاب السرقہ ص ۵۲۵، [4] الاحکام السلطانیہ ص ۱۹۸، [5] نصاب الاحتساب ص ۱۹۰

(۴) غیر محفوظ مال اور درخت پر لگے ہوئے پھلوں کی چوری میں قطع ید نہیں ہے[1]

(۵) معاملہ عدالت میں جانے سے پہلے چور نے توبہ کر لی اور مسروقہ مال یا اس کا عوض واپس کر دیا تو حد ساقط ہو جائے گی[2]

حد کا تعلق چونکہ حقوق اللہ سے ہے اس بنا پر اس کا محل خاص ہے اگر اسی پر اکتفاء کیا گیا اور سیاستِ شرعیہ کے ماتحت سرقہ کی دوسری سزائیں نہ مقرر کی گئیں تو پورا معاشرتی نظام درہم برہم ہو جائے گا۔

فقہ کی کتابوں میں چوری کی بہت سی شکلیں مذکور ہیں جن میں صرف سقوط حد کا تذکرہ ہے کسی اور سزا کا ذکر نہیں ہے اور بہت سی ایسی ہیں کہ جن میں سزاؤں کے بغیر امن و امان اٹھ جانا یقینی ہے، ایسی حالت میں اصلاح معاشرہ اور مجرموں کی سرکوبی کی دو ہی صورتیں ہیں:

(۱) حد سرقہ کے دائرہ کو وسیع کیا جائے۔

(۲) حد کے علاوہ شریعت کی روح کے مطابق دوسری سزائیں مقرر کی جائیں۔ ظاہر ہے کہ ہر ہوشمند دوسری صورت کو ترجیح دے گا۔

چوری کی مقدار میں ترجیح کا حق قرآنِ حکیم میں مطلقاً حد سرقہ کا ذکر ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریح کے مطابق فقہائے کرام نے مال کی مقدار کی ہے جس کے چوری کرنے سے حد واجب ہوتی ہے، مثلاً:-

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس کی مقدار دس درہم یا ایک دینار کے برابر ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک چوتھائی دینار یا اس سے زیادہ ہے، امام مالکؒ کے نزدیک تین درہم ہے۔ ابراہیم نخعیؒ چالیس درہم کہتے ہیں، اور داؤد ظاہری کے نزدیک کوئی مقدار مقرر نہیں ہے بلکہ قلیل و کثیر کی چوری میں ہاتھ کاٹا جائے گا[3]

قطع ید جب حکومت کا قانون قرار پائے گا تو روایتوں کے پیش نظر کسی ایک مقدار کو ترجیح دینی ہوگی، وہ زمانہ ختم ہو چکا ہے جب کہ ایک امام کی فقہ حکومت کا قانون قرار پاتی تھی۔

---

[1] السیاستہ الشرعیہ صـ۱۶، [2] الدستور القرآنی صـ۲۲۰ [3] احکام السلطانیہ صـ۱۹۷

اب اگر اس راہ سے دین و مذہب کی کچھ خدمت کرنی ہے تو مختلف ائمہ کی فقہ سے استفادہ کیے بغیر چارہ نہیں ہے، اور وہی فقہ حکومت کا قانون بن سکے گی جس کی ترتیب و تدوین میں موجودہ حالت و زمانہ کی رعایت کی گئی ہوگی جس طرح قدیم تدوین میں اُس وقت کے حالات و زمانہ کی رعایت کی گئی تھی۔

حد کے نفاذ میں مختلف وجوہ کی بنا پر رعایت!

حد سرقہ کے نفاذ میں بھی مختلف وجوہ کی بنا پر رعایت کا ثبوت ملتا ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

(۱) لَا تقطع الایدی فی السفر[۱] سفر میں ہاتھ نہ کاٹے جائیں۔

۲۔ خمس (غنیمت کا پانچواں حصّہ) کے ایک غلام نے مالِ خمس میں چوری کی۔ جب معاملہ رسول اللہ ؐ کے پاس آیا تو آپؐ نے اس کا ہاتھ نہیں کٹوایا، اور فرمایا کہ دونوں خدا کا مال ہیں ایک نے دوسرے کو چرا لیا ہے۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا:

لا تقطع الید فی عذق ولا عام سنة۔[۲] خوشہ کی چوری اور قحط سالی میں ہاتھ نہ کاٹے جائیں۔

ایک شخص اپنے غلام کو حضرت عمرؓ کے پاس لایا اور کہا اس نے میری بیوی کا آئینہ چرا لیا ہے اس کا ہاتھ کاٹ دیجئے۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا! تمہارے خادم ہی نے تمہارا مال لیا ہے، اس بنا پر ہاتھ نہ کاٹا جائے گا۔[۳]

(۵) حضرت معاویہؓ کے پاس چند چور پکڑ کر لائے گئے، اور جرم ثابت ہونے کے بعد ان کے ہاتھ کاٹے گئے، صرف ایک چور باقی رہ گیا جب اس کے ہاتھ کاٹنے کی نوبت آئی تو چند اشعار پیش کیے اور شاعرانہ انداز میں اس نے معافی کی درخواست کی۔

---

[۱] ابوداؤد و نسائی از مشکوٰۃ باب قطع السرقہ، [۲] اعلام الموقعین ص۲۲ ج۳، [۳] مالک،

حضرت معاویہؓ نے فرمایا:

كيف اصنع بك وقد قطعت اصحابك [1]	میں تیرے معاملہ میں کیا کر سکتا ہوں جب کہ تیرے ساتھیوں کے ہاتھ کاٹے جا چکے ہیں۔

چور کی ماں نے جواب میں کہا:۔

اجعلها من جملة ذنوبك التي تتوب الى الله منها [2]	اس کو بھی منجملہ اور گناہوں کے شمار کر لیجئے جن سے آپ اللہ کی جناب میں توبہ کریں گے

یہ سُن کر حضرت معاویہؓ نے اس چور کو چھوڑ دیا:

فخلى سبيله [3]	اس کے راستہ کو چھوڑ دیا۔

علامہ ماوردیؒ اس واقعہ کے نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:۔

فكان اول حد ترك في الاسلام [4]	یہ پہلی حد تھی جو اسلام میں ترک کی گئی۔

حضرت عمر نے ایک موقع پر چوری کے دو گنے کا حکم دیا

(۵) حضرت عمرؓ نے ایک موقع پر ہاتھ کاٹنے کے بجائے چوری کے مال کی دو گنی قیمت ادا کرنے کا حکم دیا جس کا واقعہ یہ ہے:

حاطب بن ابی بلتعہ کے غلاموں نے قبیلہ مزنیہ کے ایک شخص کی اُونٹنی چرائی، ان غلاموں کو جب حضرت عمرؓ کے پاس لایا گیا تو انہوں نے چوری کا اقرار کر لیا جس پر حضرت عمرؓ نے کثیر بن الصلت کو حکم دیا کہ ان غلاموں کے ہاتھ کاٹ ڈالو۔ کثیر جب حکم کی تعمیل کے لیے غلاموں کے پاس گئے تو آپ نے ان غلاموں کو واپس بلایا اور فرمایا:

اما والله لولا اني اعلم انكم تستعملونهم وتجيعونهم حتى ان احدهم لو اكل ما حرم الله عليه	یاد رکھو! بخدا اگر مجھے یہ نہ معلوم ہوتا کہ تم لوگ غلاموں سے خوب کام لیتے ہو اور ان کو بھوکا رکھتے ہو یہاں تک کہ اگر کوئی مجبور ہو کر حرام چیز کھالے تو وہ حلال ہو جائے تو میں یقیناً

---

[1] الاحکام السلطانیہ صفحہ ۱۹۹۔ [2] حوالہ بالا، [3] حوالہ بالا، [4] اعلام الموقعین صفحہ ۲۳

لقطعت ایدیھم[1] ان کے ہاتھ کاٹ ڈالتا۔

اس کے بعد حضرت عمرؓ نے "مزنی" سے فرمایا کہ اونٹنی کی کیا قیمت ہو گی؟ انہوں نے جواب دیا چار سو، پھر آپ نے غلاموں کے آقا حاطب کو آٹھ سو درہم ادا کرنے کا حکم دیا۔

۷۔ ایک مرتبہ امام احمدؒ بن حنبل سے پوچھا گیا کہ لوگ بھوک سے دوچار ہوں، اور کوئی شخص مجبور ہو کر چوری کرے تو کیا اس وقت بھی آپ قطعِ ید کا حکم دیں گے؟ جواب میں فرمایا:

لا اذا حملته الحاجة علی ذلك والناس فی مجاعة وشدة[2] — جب اس کو حاجت مجبور کرے اور لوگ بھوک وسختی کے دور سے گذر رہے ہوں تو ہاتھ نہ کاٹا جائے گا۔

یہ سارے واقعات سرسری نظر سے گذر جانے کے نہیں ہیں بلکہ غور و فکر کر کے ان کی روح تک پہنچنے کی ضرورت ہے۔

واقعات وتصریحات کی روشنی میں نئے قوانین وضع کیے جائیں

اس طرح کے اور بھی واقعات اور فقہ کی تصریحات موجود ہیں جن میں مختلف وجوہ کی بنا پر حدِ سرقہ نہیں نافذ کی جاتی ہے ان کی روشنی میں یہ بات تو سمجھ میں آتی ہے کہ حدِ سرقہ کو اپنے محل میں برقرار رکھتے ہوئے سیاست شرعیہ کے ماتحت نئے قوانین وضع کیئے جائیں جو شریعت کی روح کے موافق ہوں۔

حضرت شاہ ولی اللہ کی عبارت کا مطلب

لیکن یہ بات انتہائی غور و فکر کے باوجود بھی سمجھ میں نہ آ سکی کہ ان حدود کو عرب کے رسوم وعادات کے مطابق قرار دے کر بطور یادگار پیش کیا جائے، جیسا کہ بعض حضرات نے شاہ ولی اللہؒ محدث دہلوی کی عبارتوں کا یہی مفہوم بیان کیا ہے۔

اگر حدود جیسے نصوص قطعیہ میں بھی رسوم وعادات کا چکر چلایا گیا تو قرآن حکیم کی کون سی نص اس زد سے محفوظ رہ سکے گی؟

---

[1] اعلام الموقعین ص ۳۳ [2] اعلام الموقعین ص ۳۲

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے ایک موقع پر فرمایا ہے:

ولا یضیق کل التضیق علی الاخرین الذین یاتون بعدہ و یبقی علیھم فی الجملۃ۔[1]

دوسرے لوگ جو بعد میں آئیں ان پر زیادہ تنگی نہ کی جائے اور یہ احکام فی الجملہ باقی رہیں گے۔

چونکہ "حدود" کا محلِ خاص اور ثبوت کا ایک معیار مقرر ہے، اس بنا پر لازمی طور سے اس کا دائرہ محدود ہوگا، اور زیادہ تنگی کی صورت نہ پائی جائے گی۔

فی الجملہ باقی رہنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ بطور "یادگار" ان کو پیش کیا جا رہا ہے بلکہ یہ ہے کہ اپنے محل میں باقی رکھتے ہوئے ان کے دائرہ کو وسیع نہ کیا جائے۔

حدود اللہ میں غور کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ان کے حقوق اللہ ہونے کی حیثیت کو فراموش نہ کیا جائے ورنہ اصل موقف سمجھ میں نہ آئے گا اور طرح طرح کی غلط فہمیاں پیدا ہوتی رہیں گی۔

تہمت کی چند صورتیں جن میں دوسری سزائیں ناگزیر ہیں

(۳) تہمت کی چند صورتیں جن میں حد نہیں واجب ہوتی لیکن دوسری سزائیں ناگزیر ہوتی ہیں یہ ہیں۔

(۱) جس کو تہمت لگائی گئی ہے اس کا عاقل بالغ مسلمان اور پاک دامن ہونا ضروری ہے، اگر اس کے خلاف کوئی بات ہوگی تو حد نہ لگے گی۔

فلا حد علی قاذفہ ولکن یعزر لاجل الاذی ولبذاءۃ اللسان۔[2]

اس کے تہمت لگانے والے پر حد نہ لگے گی لیکن تکلیف پہنچانے اور زبان کے پھوہڑ پن کی وجہ سے دوسری سزا دی جائے گی۔

(۲) صرف زنا کی تہمت میں حد لگے گی اور وہ بھی صراحتہً ہونی چاہیئے، اگر چوری وغیرہ کی تہمت لگائی تو حد نہ لگے گی بلکہ دوسری سزا دی جائے گی۔

لا یحد القاذف بالکفر

کفر اور چوری کی تہمت لگانے والے کو حد

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۹۳، [2] احکام السلطانیہ ص ۲۳۰،

والسرقۃ ویعزر۔[1] نہ لگائی جائے بلکہ تعزیر کی جائے۔

(۳) جس کو تہمت لگائی گئی اگر وہ فسق وفجور میں مشہور ہے تو حد نہ لگے گی۔

فالمشھور بالفجور فلا حد علی قاذفہ۔[2]

(۴) چاروں گواہ فاسق ہوں تو کسی پر حد نہ لگے گی۔[3]

اس طرح کی اور بھی صورتیں ہیں جن میں تہمت کی حد نہیں واجب ہوتی ہے لیکن تہمت لگانے والے کو آزاد بھی نہیں چھوڑا جاتا ہے کہ جس کے بارے میں جو چاہے کہتا رہے ایسی تمام صورتوں کے لیے دوسری سزائیں مقرر کرنا ضروری ہے۔

ڈاکہ زنی کی سزائیں حکومت کے اختیار کی وسعت

ڈاکہ زنی کے سلسلہ میں حکومت کے اختیارات کی وسعت خود آیتِ کریمہ میں موجود ہے اور علامہ ابن تیمیہؒ کی درج ذیل تصریحات سے بھی ثبوت ملتا ہے:

للامام ان یجتھد فیھم فیقتل من رای قتلہ مصلحۃ وان کان لم یقتل مثل ان یکون رئیسا مطاعا فیھا ویقطع من رای قتلہ مصلحۃ وان کان لم یاخذ المال مثل ان یکون فاجلد وقوۃ فی اخذ المال۔[4]

امام (حکومت) کو جائز ہے کہ ان کے بارے میں غور وفکر کرے جس کے قتل کرنے میں مصلحت ہو اس کو قتل کرنے کی اجازت ہے اگرچہ اس نے قتل نہ کیا ہو جیسے کوئی سردار اور پارٹی کا لیڈر ہو، اور ہاتھ کاٹے جس کے ہاتھ کاٹنے میں مصلحت سمجھے اگرچہ اس نے مال نہ لیا ہو مثلاً کوئی شخص مال کے لینے میں نہایت قوی اور دلیر ہو۔

حق اللہ کے ساقط ہونے کے بعد حق العبد بدستور باقی رہتا ہے

تہمت، چوری اور ڈاکہ زنی تینوں کی سزائیں ذکر کرنے کے بعد قرآن حکیم میں توبہ کی آیت مذکور ہے، مثلاً تہمت کے بعد ہے ا:

---

[1] الاحکام السلطانیہ ص۲۳۰، [2] الجوامع السیاسۃ الاہلیہ، [3] الخراج ص۱۹۹، [4] السیاسۃ الشرعیہ ص۶۸

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ
(سورۂ نور رکوع)

لیکن جو لوگ تہمت کے بعد توبہ کر لیں اور اصلاح کر لیں تو اللہ تعالےٰ ضرور مغفرت والا رحم کرنے والا ہے۔

چوری کی سزا کے بعد ہے:

فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔
(سورہ مائدہ رکوع ۶)

جو شخص توبہ کرے اپنی اس زیادتی کے بعد اور اصلاح کرے تو بے شک اللہ تعالےٰ اس پر توجہ فرمائیں گے اللہ تعالےٰ بڑی مغفرت والے اور رحمت والے ہیں۔

ڈاکہ زنی کی سزا کے بعد ہے:۔

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ (سورہ مائدہ رکوع ۵)

ہاں مگر جو لوگ گرفتاری سے پہلے توبہ کر لیں تو جان لو کہ بے شک اللہ بڑی مغفرت والے اور رحمت والے ہیں۔

ان آیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ جرائم کی مذکورہ سزائیں توبہ کے بعد ساقط ہو جاتی ہیں۔ لیکن ہر وہ جرم جس میں حق اللہ اور حق العبد دونوں کی حیثیتیں پائی جاتی ہیں اس میں جب توبہ سے حق اللہ ساقط ہوتا ہے تو حق العبد بدستور باقی رہتا ہے، جیسا کہ علامہ ماوردی کہتے ہیں:۔

فان تابوا قبل القدرۃ سقطت عنھم مع الماثم حدود اللہ ولم تسقط عنھم حقوق الاٰدمیین۔

اگر معاملہ عدالت میں جانے سے پہلے توبہ کر لیں تو گناہ مع حدود کے ساقط ہو جائیں گے لیکن آدمیوں کے حقوق نہیں ساقط ہوں گے

عدالت کی کاروائی شروع ہونے کے بعد توبہ سے صرف گناہ معاف ہو گا

عدالتی کارروائی شروع ہونے کے بعد چونکہ سچی توبہ مشکوک ہو جاتی ہے، اس بنا پر اس کا اثر صرف گناہوں کے ازالہ میں ظاہر ہوگا، حدود اور حقوق اپنی جگہ باقی رہیں گے۔

فان تابوا عن جرائمهم بعد القدرة عليهم سقطت عنهم المأثم دون المظالم واخذوا بما وجب عليهم من الحدود والحقوق [1]

اگر قابو پانے کے بعد اپنے جرائم سے توبہ کی تو صرف گناہوں کی معافی ہوگی مظالم باقی رہیں گے، حدود اور حقوق جو واجب ہوئے ہیں ان کے لیے بدستور کارروائی ہوتی رہے گی

فرض کیجیے ڈاکوؤں کا ایک گروہ ڈاکہ زنی کرتا ہے اور گرفتاری سے پہلے وہ صدق دل سے توبہ کر لیتا ہے تو قاعدہ کے مطابق حد ساقط ہو جائے گی کیونکہ جس جرم کی یہ سزا تھی وہ جرم توبہ کے بعد زائل ہو چکا ہے، اور اب اس حد کا کوئی محل باقی نہیں رہا ہے۔ لیکن چونکہ وہ معاشرہ اور سوسائٹی کا بھی مجرم ہے اس بنا پر صاحب حق کو مطالبہ اور حکومت کو سزا کا حق باقی ہے۔

حدود اور حقوق کا فرق

حدود اور حقوق دو علیحدہ علیحدہ مطالبے ہیں اور دونوں کے احکام مختلف ہیں، حدود میں مداخلت کا کوئی حق نہیں ہے وہ اللہ اور بندے کا معاملہ ہے اور حقوق میں صاحب حق اور حکومت کے اختیارات کافی وسیع ہیں۔

ہدایہ میں ہے:۔

ویقتلون حدا حتی لو عفا الاولیاء عنهم لایلتفت الی عفوهم لانه حق الشرع [2]

ڈاکو حد میں قتل کیے جائیں اگر مقتول کے اولیا معاف بھی کر دیں تو ان کی معافی کی طرف توجہ نہ دی جائے کیونکہ یہ شرع کا حق ہے۔

علامہ ابن تیمیہ رح کہتے ہیں:۔

وهذه المطالبة والعقوبة حق لرب المال فان اراد هبته او المال او المصالحة علیه

یہ مطالبہ اور سزا رب المال کا حق ہے۔ اگر وہ ہبہ کر دے، صلح کر لے اور معافی دیدے تو اس کو اختیار ہے۔ حد قائم کرنے کا معاملہ

---

[1] ایضاً [2] ہدایہ باب قطع الطریق ص ۵۳۵۔

او العفو عن عقوبتهم فله ذٰلك بخلاف اقامة الحد عليهم فانه لا سبيل [1]

اس کے خلاف ہے اس میں ثبوت کے بعد معافی کے لیے کوئی راستہ نہیں ہے

مزید وضاحت کے لیے سزاؤں کی تقسیم !!

مزید وضاحت کے لیے سزاؤں کی تقسیم درج ذیل ہے۔ ابتدائی تقسیم حد اور تعزیر ہے۔ پھر حد کی دو قسمیں ہیں۔

احدهما ما كان من حقوق الله تعالىٰ والثانی ما كان من حقوق الادميين۔

پہلی وہ جو حقوق اللہ کے ساتھ مخصوص ہے اور دوسری وہ جو حقوق العباد کے لیے خاص ہے۔

جو حدود حقوق اللہ کے ساتھ مخصوص ہیں ان کی بھی دو قسمیں ہیں :۔

احدهما ما وجب فی ترك مفروض والثانی ما وجب فی ارتكاب محظور۔

پہلی وہ جو کسی فریضہ کے ترک سے واجب ہوتی ہے اور دوسری وہ جو ممنوعات کے ارتکاب سے واجب ہوتی ہے۔

فریضہ کے ترک میں تارکِ صلوٰۃ وغیرہ داخل ہوں گے اور ممنوعات کے ارتکاب میں زانی، چور، ڈاکو اور شرابی داخل ہوں گے۔

جیسا کہ امام ماوردیؒ کہتے ہیں :۔

واما ما وجب بارتكاب المحظورات فضربان احدهما ما كان من حقوق الله تعالىٰ وهی اربعة حد الزنا وحد الخمر وحد السرقة وحد المحاربة والضرب الثانی من حقوق الادميين [2]

ممنوعات کے ارتکاب سے جو سزائیں واجب ہوتی ہیں ان کی دو قسمیں ہیں (۱) حقوق اللہ اور وہ چار ہیں۔ زانی، شرابی، چور اور ڈاکو کی حد (۲) حقوق العباد اور وہ دو ہیں تہمت بالزنا اور جنایات میں قصاص۔

---

[1] السیاسۃ الشرعیہ ص ۸۹، [2] الاحکام السلطانیہ ص ۱۹۴ و ۱۹۵۔

حقوق اللہ ہونے کی حیثیت سے تارک صلوٰۃ کی سزا اور زانی چور، ڈاکو، شرابی کے حدود ایک درجہ میں ہیں۔

اس تقسیم سے حدود کا دائرہ وسیع ہو جاتا ہے !!

مذکورہ تقسیم سے "حدود" کا دائرہ وسیع ہو جاتا ہے قرآنی بیان تک محدود اور حقوق اللہ کے ساتھ مخصوص نہیں رہتا ہے۔ چنانچہ صاحب ہدایہ نے قصاص کو محض اس بنا پر حدود سے خارج کر دیا ہے کہ اس میں حق العبد کو غلبہ ہے:

وفی الشریعة هو العقوبة المقدرة حقا لله تعالیٰ لا یسمی القصاص حدا لانه حق العبد ولا التعزیر لعدم التقدیر له	شریعت میں "حد" بطور حق اللہ مقرر سزا ہے قصاص کو حد اس بنا پر نہیں کہتے ہیں کہ وہ بندے کا حق ہے اور تعزیر کو اس بنا پر نہیں کہتے ہیں کہ اس کی مقدار مقرر نہیں ہے

اور بہت سے فقہاء نے شرابی کی سزا کو "حد" میں شامل کیا ہے، اگرچہ اس کا ذکر قرآن حکیم میں نہیں ہے جیسا کہ،

الحدود خمسة حد الزنا وحد الشرب وحد القذف و حد السرقة وحد قطع الطریق[2]	حدود پانچ ہیں (۱) زنا کی حد (۲) شرابی کی حد (۳) تہمت کی حد (۴) چوری کی حد اور (۵) ڈاکہ زنی کی حد۔

تہمت اور قتل کی حد اس فہرست سے خارج ہیں اگرچہ قرآنِ حکیم میں ان کا ذکر موجود ہے۔ اور بعض نے مرتد وغیرہ کی سزا کو شامل کر کے حدود کی مقدار سات تک بیان کی ہے

حدود کی دوسری تعریفیں

اس تفصیل کی صورت میں حدود کی یہ تعریف زیادہ موزوں رہے گی۔

الحدود هی الزواجر المقدرة الثابتة	"حدود وہ زواجر ہیں جو مقرر ہیں اور کتاب

لہ ہدایہ کتاب الحدود ص۴۸۶، ۲ے فتاویٰ سراجیہ ص۱۴۱، ۳ے المحلی ج۱۱ ص۱۲۶،

بالکتاب او السنۃ او الاجماع [1] | وسنت یا اجماع سے ثابت ہیں۔

دوسری یہ ہے:

الحدود زواجر وضعھا اللہ تعالٰی للردع عن ارتکاب ما حظر و ترک ما امر بہ۔ [2] | حدود وہ "زواجر" ہیں جن کو اللہ تعالٰی نے ممنوعات کے ارتکاب اور مامورات کے ترک سے باز رکھنے کے لیے مقرر کیا ہے۔

زیادہ صحیح بات ان تعریفوں کی بنا پر حدود کا دائرہ وسیع ہو جاتا ہے اور بعض تعزیرات بھی "حدود" میں شامل ہو جاتی ہیں، اس بنا پر زیادہ صحیح صورت یہ ہے کہ حدود کو قرآنی بیان کے ساتھ محدود رکھا جائے اور باقی سزاؤں کو تعزیرات میں شامل کیا جائے بعض تعزیرات ایسی بھی ہوں گی جن کی دور خلافت میں سزا مقرر تھی، اور بعض کے بارے میں یہ دعویٰ بھی ہوگا کہ ان پر اجماع ہو چکا ہے، غرض ان سب میں حالات و زمانہ کی رعایت سے نصوص کی روشنی میں از سر نو حد بندی کی ضرورت ہوگی۔

"حدود" کو قرآنی بیان کے ساتھ محدود رکھنے میں حقوق اللہ اور حقوق العباد کی بحث کمزور نہیں ہوتی، کیونکہ جس جرم کا تعلق بندے سے ہے اس کا اللہ سے ہونا لازمی ہے زنا، تہمت، چوری، ڈاکہ زنی اور قتل میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے جس میں دونوں کے حقوق نہ پامال ہوتے ہوں، اس بنا پر گذشتہ مباحث میں حقوق اللہ کو بنیاد بنا کر جو معیار قائم کیا گیا ہے وہ اپنی جگہ صحیح ہے۔

جن بعض فقہاء نے قتل اور تہمت کو حقوق العباد میں شامل کیا ہے وہ محض ظاہری پہلو کی بنا پر ہے ان کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ان دونوں میں حقوق اللہ کا پہلو کمزور ہے ورنہ زنا، چوری اور ڈاکہ زنی کو صرف حقوق اللہ میں شامل کرنا پڑے گا۔ حالانکہ ہر سمجھ دار آدمی جانتا ہے کہ ان جرائم سے انسان کے کس قدر حقوق پامال ہوتے ہیں۔

٭

[1] ہدایہ کتاب الحدود ص ۴۱۶ [2] الاحکام السلطانیہ ص ۱۹۴

قرآن حکیم میں قتل کی سزا قصاص اور دیت دونوں میں ! !

(۵) قرآن حکیم میں قتل کی سزا قصاص ہی نہیں مذکور ہے بلکہ "دیت" کا پورا نظام اور حالات و زمانہ کی رعایت سے اس کی تغیر پذیر صورتیں بھی اس سے وابستہ ہیں۔

قرآن حکیم میں ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَأً ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ إِلَّا أَنْ يَصَّدَّقُوا۔

(سورہ نساء رکوع ۱۳)

اور کسی مومن کی شان نہیں ہے کہ وہ کسی مومن کو قتل کرے مگر غلطی سے، اور جو شخص کسی مومن کو غلطی سے قتل کردے تو اس پر ایک مسلمان غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا ہے اور دیت ہے جو اس کے خاندان والوں کو حوالہ کردی جائے مگر یہ کہ وہ لوگ معاف کردیں۔

قصاص صرف ایک صورت میں ہے

فقہاء نے قرآن و سنت کی روشنی میں قتل کی پانچ قسمیں بیان کی ہیں۔ (۱) قتل عمد (۲) شبہ عمد (۳) قتل خطاء (۴) قائم مقام خطاء اور (۵) قتل بسبب قصاص۔ قصاص صرف پہلی صورت میں ہے اور بقیہ صورتوں میں قصاص کے بجائے (خون کی قیمت) ہے[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من اصيب بدم او خبل فهو بالخيار بين احدى ثلاث فان اراد الرابعة فخذوا على يديه ان يقتل او يعفوا و ياخذ الدية الخ[2]

جس شخص کو ناحق خون یا زخم کے قصاص کا مرحلہ درپیش ہو تو اس کو تین باتوں میں سے ایک کا اختیار ہے (۱) قتل کردے (۲) معاف کردے (۳) دیت لے لے اس کے علاوہ اگر چوتھی کا ارادہ ہو تو اس کے ہاتھ پکڑ لو۔

---

[1] قدوری صـ۲۰۳ ، [2] ترمذی ،

ساقط ہونے کی صورتیں (۱) معافی کی صورت میں قصاص اور دیت دونوں ساقط ہو جاتے ہیں۔

(۲) ورثاء میں سے اگر ایک بھی معافی دے دے تو قصاص ساقط ہو جاتا ہے[۱]

(۳) مال پر اگر مصالحت ہو جائے تو صرف مال واجب ہوگا قصاص اور دیت دونوں ساقط ہو جائیں گے[۲]

(۴) اگر ایک شریک نے کسی عوض پر اپنے حصہ سے مصالحت کر لی تو قصاص ساقط ہو جائے گا[۳]

چونکہ قتل کسی فرد یا چند افراد ہی کا جرم نہیں بلکہ پورے معاشرہ اور حکومت کا بھی جرم ہے اس بناء پر حکومت کو سیاستِ شرعیہ کے تحت معافی کی صورت میں دوسری سزاؤں کا پورا اختیار ہے[۴]

خلیفہ ہارون الرشید کا واقعہ خلیفہ ہارون الرشید کے زمانہ میں قاضی ابو یوسف نے ایک مقدمہ میں ضابطہ کے مطابق قصاص کا حکم دیا لیکن چونکہ اس میں فتنہ کا اندیشہ تھا اس بناء پر ہارون الرشید نے قاضی صاحب کو بلا کر فرمایا:

تدارك هذا الامر بحيلة لئلا تكون فتنة۔	اس معاملہ کا کسی تدبیر سے کچھ تدارک کیجئے تاکہ آپ فتنہ کا سبب نہ بنیں۔

قاضی صاحب نے حسب الحکم تدبیر نکالی اور قصاص کو ساقط کر دیا[۵]

علامہ ماوردیؒ یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں:۔

والتوصل الی مثل هذا سائغ عند ظهور المصلحة[۶]	مصلحت کے وقت اس قسم کی تدبیروں تک پہنچنا درست ہے۔

ساقط ہونے کی صورت میں دوسری سزائیں! جب حالات و مصلحت کی رعایت سے معقول وجوہ کی بناء پر حد قصاص ساقط کرنے کی اجازت ہے تو جن صورتوں میں دیت و قصاص دونوں نہ واجب ہوتے ہوں دوسری سزاؤں کے تجویز کرنے میں شبہ کی کیونکر گنجائش نکل سکتی ہے؟ اور اگر یہ وسعت و رعایت بھی

---

[۱] الاحکام السلطانیہ ص۲۰۱، [۲] قدوری ص۳۰۹، [۳] ایضاً، [۴] الاحکام السلطانیہ ص۲۰۲، [۵] احکام السلطانیہ ص۲۰۲

ناقابلِ برداشت ہے تو علامہ شامیؒ کے الفاظ میں اس سے زیادہ اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

ان جمود المفتی والقاضی علی ظاهر المنقول مع ترك العرف والقرائن الواضحة والجهل باحوال الناس یلزم منه تضیع حقوق کثیرة[1]	ظاہر نقول پر مفتی وقاضی کا جمود اور عرف و قرائن سے غفلت اور لوگوں کے احوال سے بے خبری کی وجہ سے بہت سے حقوق ضائع ہوتے ہیں اور خلق کثیر پر ظلم ہوتا

پھر دیت قاتل پر نہیں بلکہ "عاقلہ" پر واجب ہوتی ہے جب قصاص و دیت قاتل سے دونوں ساقط ہو جائیں گے اور دوسری سزائیں بھی نہ مقرر ہوں گی تو قتل وغارتگری کس درجہ کو پہنچے گی؟ اور اس کے انسداد کی کیا تدبیریں ہوں گی

دیت اور نظام عاقلہ

عاقلہ قبائلی نظام میں ایک ایسا نظام تھا کہ زمانہ جاہلیت میں اس کے ذریعہ حادثات وخطرات کی تلافی کے لیے امداد باہمی اور اجتماعی جرمانہ کی شکل نکالی گئی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بحالہ برقرار رکھا لیکن افادیت کے پیش نظر خلفاء راشدین نے اس کو مزید تنظیمی شکل دی، یعنی ابتداء میں یہ نظام صرف خاندان و قبیلہ تک محدود تھا لیکن بعد میں ضرورت کے ماتحت اس کو مزید وسعت دے دی گئی۔

عاقلہ کا نمایاں پہلو اگرچہ دیت تھا لیکن فقہ کی کتابوں میں جس انداز سے تذکرہ ہے اس سے مختلف حادثات وخطرات کے وقت اس نظام کو بروئے کار لانے کی عمومیت ثابت ہوتی ہے چنانچہ۔

وتوجد هذه العادة بین الناس فان من لحقه خسران من سرقة اوحرق یجمعون له لاالهذ المعنی[2]	یہ عادت لوگوں میں پائی جاتی ہے کہ چوری یا آگ لگنے سے جس شخص کا نقصان ہوتا ہے لوگ اس کی مدد کے لیے مال جمع کرتے ہیں

فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔

---

[1] عقود رسم المفتی صفحہ ۵۰، [2] شامی ج ۵ صفحہ ۵۶۲۔

ان العبرۃ فی ھذا للتناصر وقیام البعض بہ[1]	اس میں باہمی امداد اور ایک دوسرے کو سہارا دینے کا اعتبار ہے۔

علامہ سرخسیؒ کہتے ہیں:

"کسی کو اطمینان نہیں ہے کہ وہ حادثات وآزمائش میں مبتلا ہو کر دوسروں کی مدد کا محتاج نہ ہوگا، جب صورتِ حال یہ ہے تو لوگوں کو ایک دوسرے کی مدد کرنی چاہیئے تاکہ اس کے آڑے وقت میں دوسرے اس کی مدد کریں[2]
عاقلہ جو کچھ دیتا ہے اس کی حیثیت اجتماعی جرمانہ کی ہوتی ہے۔

ان العاقلۃ یتحملون باعتبار تقصیرھم وترکھم حفظہ ومراقبتہ۔[1]	عاقلہ اس لیے دیت کا بار برداشت کرتے ہیں کہ وہ دوسروں کی نگرانی میں اپنی ذمہ داری نہیں محسوس کرتے اور ان سے کوتاہی ہوتی ہے

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں نظامِ عاقلہ کی وسعت

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں حالات کی تبدیلی سے جب معاشرتی زندگی کی نئی تنظیم وجود میں آئی تو انہوں نے عاقلہ کے نظام کو وسعت دی اور یہ قانون مقرر کیا۔

والعاقلۃ اھل الدیوان ان کان القاتل من اھل الدیوان۔[3]	اگر قاتل اہلِ دیوان سے ہے تو عاقلہ اہلِ دیوان ہوں گے۔

اہلِ دیوان میں ایک دفتر یا محکمہ کے لوگ شامل ہوتے تھے جن کے نام ایک رجسٹر میں درج ہوتے تھے، اس تبدیلی پر علامہ سرخسیؒ کی یہ رائے ہے۔

"رسول اللہ ﷺ نے دیت کی ذمہ داری خاندان وقبیلہ پر اس لیے ڈالی تھی کہ اس وقت قوت ومدد انہیں کے ذریعہ حاصل ہوتی تھی، پھر حضرت عمرؓ نے جب دفاتر کا نظام مرتب کیا تو یہ قوت ومدد اہلِ دفاتر سے وابستہ ہو گئی تھی۔[4]

⁘

---

[1] فتاویٰ عالمگیری ج ۶ ص ۸۳، المبسوط ج ۲۷ ص ۱۲۷

حالات وزمانہ کی رعایت سے نئے نظام کی ضرورت

اگر ہم پیشہ وہم مشرب لوگوں سے یا یونین والجمن کے ممبروں سے نیز جماعت کے ارکین و پیر کے مریدین سے باہمی قوت و مدد حاصل ہو تو ان سب کو دیت کا ذمہ دار بنانے کی اجازت ہے جیسا کہ:

لو کان الیوم تناصر هم بالحرف	اگر آج باہمی مدد ہم پیشہ لوگوں سے ہو سکتی ہے
فعا قلتهم اهل الحرفة۔ [1]	تو عاقلہ ہم پیشہ لوگ قرار پائیں گے۔

حالات وزمانہ کی رعایت سے حکومت کے لیے ضروری ہے کہ حادثات وخطرات کے وقت باہمی مدد کے لیے مختلف قسم کی تنظیمیں قائم کریں یا موجودہ تنظیموں پر اس قسم کی ذمہ داریاں عائد کرے کہ ان کے ذریعہ مالی نقصان و حادثہ کی تلافی کا بندوبست ہو سکے، غرض دیت کا پورا انتظام از سر نو مرتب کرنے کی ضرورت ہے، ورنہ وہ حکومت کا قانون نہ بن سکے گا۔

شرابی کی سزا

شرابی کی سزا کا ذکر اگرچہ قرآن حکیم میں نہیں ہے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات سے اس کی خاص اہمیت ثابت ہوتی ہے۔ یہ اہمیت وقتی اور عارضی نہیں ہے بلکہ مستقلاً اور دوامی ہے جس کی ہر دور و معاشرہ میں ضرورت رہتی ہے۔

اسلام نے انسان کی پاکیزہ زندگی کا جو نقشہ پیش کیا ہے۔ اس میں شراب اخلاقی و نفسیاتی اثرات کے لحاظ سے "ام الخبائث" کی حیثیت رکھتی ہے، کسی برائی کے عام ہو جانے یا اونچے درجہ کے لوگوں میں رائج ہونے سے اس کی حیثیت میں فرق نہیں آتا بلکہ خباثت میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے، عیاشی و فحاشی کی دن بدن جو نئی نئی شکلیں ایجاد ہو رہی ہیں۔ ان میں شراب نوشی کو خاص دخل ہے۔ یہ "کافر" جب منہ کو لگتی ہے تو نہ صرف یہ کہ اپنے جلو میں فوائد کی دلیلیں رکھتی ہے، بلکہ جواز کے لیے طرح طرح کی تاویلوں پر بھی مجبور کرتی ہے، لیکن یہ سب کچھ منہ لگنے کے بعد ہوتا ہے ورنہ جہاں تک طبی و اخلاقی اثرات

---

[1] ہدایہ ج ۴،

کے لحاظ سے اس کے مضر اثرات کا تعلق ہے کسی دور میں بھی دو رائیں نہیں رہی ہیں۔

شراب کی اسی حیثیت کو ملحوظ رکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف زبانی تبلیغ پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ مجرموں کے لیے عملی تدابیر اور سزا اور سزائیں بھی تجویز کی ہیں۔

رسول اللہ اور خلفاء کا طرزِ عمل

مثلاً ایک موقع پر:

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اتی برجل قد شرب الخمر فجلدہ بجریدۃ نحو اربعین[1]	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص لایا گیا جس نے شراب پی تھی آپؐ نے کھجور کی شاخ سے چالیس ضربیں لگوائیں۔

دوسری جگہ جوتوں سے پٹوانے کی سزا منقول ہے۔

قد ثبت ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ ضرب فی الخمر بالجرید والنعال اربعین[2]	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپؐ نے شراب میں کھجور کی شاخ اور جوتوں سے مارنے کا حکم دیا۔

رسول اللہؐ کے بعد جب حضرت ابوبکرؓ مسند آرائے خلافت ہوئے تو انہوں نے بھی چالیس ضربوں کا معمول بنایا، ابتداء میں حضرت عمرؓ اسی پر کاربند رہے۔ لیکن بعد میں بعض مصالح کی بناء پر انہوں نے شرابی کی سزا اسی ضربیں مقرر کر دی تھیں[3]

پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں ولید کو چالیس ضربیں لگوائیں اور فرمایا:

جلد النبی صلی اللہ علیہ وسلم وابوبکر اربعین وعمر ثمانین وکل سنۃ وھذا احب الیّ۔[4]	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ نے چالیس اور حضرت عمرؓ نے اسی ضربیں ماریں یہ سب سنت ہیں لیکن مجھے چالیس ہی پسند ہیں۔

---

[1] بخاری و مسلم، [2] السیاستہ الشرعیہ صـ۱۰۵، [3] السیاستہ الشرعیہ صـ۱۰۵، [4] مسلم، ابوداؤد،

حضرت علیؓ سے چالیس اور اسی دونوں منقول ہیں :

وکان علی رضی اللہ یضرب مرۃ اربعین ومرۃ ثمانین [1]

حضرتِ علیؓ کبھی چالیس اور کبھی اسّی مارتے تھے۔

طرزِ عمل میں اختلاف اور تنوع

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عادی شرابیوں کے لیے بطور تہدید قتل کی دھمکی منقول ہے

فان اعاد فی الرابعۃ فاقتلوہ [2]

اگر چوتھی مرتبہ شرابی لایا جائے تو اس کو قتل کردو۔

مقصود سختی اور تہدید ہے قتل نہیں ہے، کیونکہ ایک شخص کو جو چوتھی مرتبہ شراب نوشی میں ماخوذ ہوا تھا آپؐ نے قتل کی سزا نہیں دی [3]

ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف "اضربوا" (مارو) فرمایا جس پر صحابہ کرام نے اس طرح عمل کیا۔

فمنا الضارب بیدہ ومنا الضارب بنعلہ ومنا الضارب بثوبہ [4]

ہم میں سے کسی نے اپنے ہاتھ سے مارا کسی نے جوتے سے مارا اور کسی نے کپڑے سے مارا۔

پھر آپؐ نے فرمایا کہ اسے غیرت دلاؤ، تو لوگوں نے اس طرح غیرت دلائی۔

اما اتقیت اللہ اما خشیت اللہ اما استحییت من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [5]

کیا تو اللہ سے نہیں ڈرتا ہے کیا تجھ میں خوفِ خدا باقی نہیں رہا کیا تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شرم نہیں آتی ہے۔

حضرتِ عمرؓ سے شراب کی سزا میں جلاوطنی، سر منڈانا اور بعض اعیانِ حکومت کو ان کے عہدوں سے سبکدوش کرنا بھی ثابت ہے [6] اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے قید کرنا ثابت ہے [7]

---

[1] السیاسۃ الشرعیہ ص۱۰۵، [2] ترمذی وغیرہ، [3] ترمذی، [4] بخاری وابوداؤد، [5] ایضاً،
[6] السیاسۃ الشرعیہ ص۱۰۵ [7] الخراج لابی یوسف،

اسّی ضرب پر اجماع کا قول صحیح نہیں ہے

ان مختلف سزاؤں سے واضح ہوتا ہے کہ شریعت نے اس کی تحدید نہیں کی ہے بلکہ حالات کی رعایت سے حکومت کے اختیارات کی وسعت تسلیم کی ہے۔

جن بعض حضرات کا خیال ہے کہ اسی ضرب پر صحابہ کرام کا اجماع ہو چکا ہے اب اس کی خلاف ورزی کی گنجائش نہیں ہے۔ ان کے غور وفکر کے لیے تو صحابہؓ ہی کے طرز عمل سے اوپر خلاف ورزی ثابت کی جا چکی ہے۔ اس طرح کے اور بھی "اجماع" ہیں جو وقتی طور پر صحابہؓ کے مشورہ سے وجود میں آئے تھے لیکن بعد میں ان کو دائمی درجہ دے دیا گیا ہے غرض حکومت کے لیے ضروری ہے کہ حالات و زمانہ کی رعایت سے شرابی کے لیے مختلف سزائیں مقرر کرے۔ لیکن ہمیشہ کے تجربہ سے ثابت ہے کہ اس قسم کے مجرموں کے لیے صرف سزائیں ناکافی ہیں۔

ایک مریض جس کے اعضائے رئیسہ ماؤف ہو گئے ہوں اس کو محض ضابطہ کی خانہ پری سے نہیں بلکہ مکمل علاج ہی سے فائدہ ہو سکتا ہے، اور اس علاج کے لیے ضمیر کی بیداری اور ایسی تدبیروں کے بغیر چارہ نہیں ہے جو جھنجھوڑ کر رکھ دیں، اس کا بہترین ذریعہ یوم آخرت پر ایمان اور جزا و سزاء پر یقین ہے، جیسا کہ اس کا کامیاب تجربہ دور اول میں ہو چکا ہے۔

حدود کے علاوہ حکومت جرائم کی جو سزائیں بھی تجویز کرے گی شریعت کی اصطلاح میں وہ تعزیر کہلائیں گی

تعزیر میں حکومت کے اختیارات کافی وسیع ہیں

تعزیر کی یہ تعریف ہے۔

تادیب علی ذنوب ان گناہوں پر تادیبی کاروائی لم تشرع فیہا الحدود[۱] جن میں حد نہیں مقرر ہے۔

تعزیر میں حکومت کے اختیارات کافی وسیع ہیں:

۱؎ الاحکام السلطانیہ ص ۲۰۵

والتعزیر مفوض الی رائ الامام۔[1]	تعزیر امام (حکومت) کی رائے کے سپرد ہے۔

تعزیر کی کوئی مقدار مقرر نہیں ہے بلکہ اس کا معاملہ بھی حکومت کے سپرد ہے۔

وجائز ان یبلغ بہ ما راٰہ۔[2]	حکومت جو مقدار مناسب سمجھے مقرر کرے

جرم کی نوعیت اور فاعل کی حالت کا لحاظ ضروری ہے۔ اس بنا پر تعزیر کے احکام جرائم واحوال کے لحاظ سے مختلف ہوں گے۔

ویختلف حکمہ باختلاف حالہ وحال فاعلہ۔[3]	تعزیر کے احکام اس کی حالت اور فاعل کی حالت کے لحاظ سے مختلف ہونے ہیں۔

دوسری جگہ ہے:

والتعزیر فی مقدار ذلك الی الامام ویبتنی ذلك علی قدر جریمتہ[4]	تعزیر کی مقدار حکومت کے سپرد ہے اور اس کا مدار جرم کی جسامت پر ہے۔

اگر بندہ کا کوئی حق متعلق نہ ہو یا اور کوئی مصلحت متقاضی ہو تو حکومت کو معاف کرنے کا حق ہے۔

جاز لوالی الامر ان یراعی الاصلح فی العفو والتعزیر[5]	معافی اور تعزیر میں جو اصلح ہو اس کی رعایت جائز ہے۔

تعزیر کا دائرہ نہایت وسیع ہے

تعزیر کا دائرہ کافی وسیع ہے اور ہر چھوٹے بڑے جرم میں تعزیر کی اجازت ہے۔

ان کل من ارتکب مجرماً لیس فیہ حد مقدر فانہ یعزر۔[6]	ہر ایسے جرم کے مرتکب پر تعزیر ہے جس میں حد جنایت نہیں مقرر ہے۔

دوسری جگہ ہے:

---

[1] نصاب الاحتساب ص ۱۳، [2] المحلّٰی لابن حزم ج ۱۱ ص ۴۰۱، [3] الاحکام ص ۲۰۵، [4] المبسوط ج ۲۴ ص ۳۶، [5] الاحکام ص ۲۰۷، [6] للبسوط ج ۲۴ ص ۲۷،

و يجب التعزير في جناية ليست موجبة للحد .[1]	ہر ایسی جنایت میں تعزیر ہے جو حد کو نہیں واجب کرنے والی۔

تعزیر جرم اور مجرم کے حسب حال مقرر کی جائے

تعزیر کی نوعیت میں بھی کافی وسعت ہے کہ حکومت حسب حال جو سزا اور جس مقدار میں چاہے مقرر کرے، مثلاً مارنا، قید کرنا، منہ کالا کرنا، جانور پر الٹا سوار کر کے پھرانا، ترکِ تعلق کا حکم دینا، عہدے سے اور ملازمت سے سبکدوش کرنا، کسی خدمت سے محروم کر دینا، بار بار جرم کے مرتکب کو قتل کا حکم دینا وغیرہ۔

انما ذلك موكول الى اجتهاد الحاكم .[2]	یہ سب حاکم کے اجتہاد کے سپرد ہے۔

سزا اور اس کی مقدار کی تجویز میں جرم کی کثرت و قلت، اس کی جسامت و ضخامت اور مجرم کی حالت و کیفیت سب پر نظر رکھنا ضروری ہے[3]

اگر تجویز و تشخیص میں تعزیری سزائیں حدود سے تجاوز کر جائیں تو اس کی بھی گنجائش ہے

يجوز للحاكم ان يجاوز الحدود في التعزير .[4]	حاکم کے لیے "تعزیر" میں "حدود" سے تجاوز کرنا جائز ہے۔

جسمانی سزا کے بجائے مالی سزا دینے کی بھی اجازت ہے:

ان التعزير من السلطان باخذ المال جائز .[5]	تعزیر میں بادشاہ (حکومت) کی طرف سے مال لینا جائز ہے۔

کبھی نصیحت و سرزنش اور ڈانٹ ڈپٹ تعزیر کا کام دیتی ہے اور مزید سزا کی ضرورت نہیں رہتی:

فقد يعزر الرجل بوعظه و توبيخه والاغلاظ له .[6]	کبھی انسان کو نصیحت، سرزنش اور سخت کلامی کے ساتھ تعزیر کی جاتی ہے۔

---

[1] ایضاً، [2] تبصرۃ الحکام باب التعزیر، [3] حوالہ بالا اور السیاسۃ الشرعیہ باب التعزیر، [4] تبصرۃ الحکام باب التعزیر اور السیاسۃ الشرعیہ باب التعزیر، [5] کتاب الخراج لابی یوسف باب التعزیر [6] السیاسۃ الشرعیہ باب التعزیر

ان تفصیلات کی روشنی میں تعزیر کسی معین فعل یا معین قول کے ساتھ مخصوص نہیں رہتی بلکہ حسب حال اس میں کافی وسعت اور گنجائش نکل آتی ہے۔

والتعزیر لا یختص بفعل معین ولا قول معین[1] — تعزیر کسی فعل اور معین قول کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔

کبھی معافی زیادہ نتیجہ خیز ثابت ہوتی ہے

کبھی "معافی" سزا سے زیادہ نتیجہ خیز ثابت ہوتی ہے۔ اس لیے بعض حالات میں حکومت کو معاف کر دینے کی اجازت ہے، جیسا کہ درج ذیل واقعہ سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔

"قادسیہ کے میدانِ جنگ میں ابو محجنؓ کو سعدؓ بن ابی وقاص نے شراب نوشی کے جرم میں قید کر دیا اور پاؤں میں بیڑیاں ڈال دیں، لیکن ابو محجنؓ کو جذبۂ جہاد بے چین کیے ہوئے تھا، اس بنا پر سعدؓ کی بیوی سلمہؓ سے وہ بیڑیاں کھولنے پر اصرار کے ساتھ یہ کہتے رہے کہ اگر زندہ واپس آیا تو میں خود ہی بیڑیاں پہن لوں گا، بالآخر انکار پر اصرار غالب آیا، اور سلمہؓ نے اُن کی بیڑیاں کھول دیں۔ بیڑیاں کھلتے ہی ابو محجنؓ حضرت سعدؓ کے گھوڑے پر سوار ہوئے اور دشمن کی صفیں درہم برہم کر دیں، اور پھر واپس آکر حسب وعدہ بیڑیاں پہن لیں، جب حضرت سعدؓ نے یہ منظر دیکھا تو بغیر کسی سزا کے ان کو رہا کر دیا اور کہا کہ بخدا میں ایسے شخص کو شراب نوشی کی سزا نہیں دے سکتا جو اسلام کی حمایت اور جاں نثاری کے نشہ میں اس قدر سرشار ہو، ابو محجنؓ نے اس کے بعد قسم کھائی کہ آج سے کبھی شراب نہ پیوں گا۔"[2]

کبھی نظر انداز کرنے کی بھی ضرورت ہوتی ہے

کبھی نظر انداز کر دینا اور ٹال دینا بھی مصالح کے پیشِ نظر ضروری ہوتا ہے، اس لیے حکومت کو اس پہلو سے بھی غافل نہ رہنا چاہیئے۔ چنانچہ:—

[1] تبصرۃ الحکام باب التعزیر، [2] کتاب الخراج لابی یوسف باب التعزیر،

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک شخص شراب سے بدست پکڑ کر لایا جا رہا تھا، جب وہ حضرت عباس کے مکان کے پاس آیا تو بھاگ کر اُن سے چمٹ گیا، جب لوگوں نے رسول اللہ ؐ سے اس کا تذکرہ کیا تو آپ نے ہنس کر فرمایا :۔

افعلھا ؟ ۔ کیا اُس نے ایسا کیا ہے ؟

پھر آپؐ نے اس کے بارے میں کوئی حکم نہیں دیا!

ولم یأمر فیہ بشیء۔ اور آپ نے کوئی حکم نہیں دیا۔

غرض تعزیرات کے باب میں ہر لحاظ سے حکومت کے اختیارات کافی وسیع ہیں۔ جس قدر حالات بدلتے جا رہے ہیں، اسی لحاظ سے جرائم کی رفتار میں ترقی ہوتی جا رہی ہے اور ان میں تنوع پیدا ہو رہا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام ؓ کی زندگی سے کافی راہنمائی ملتی ہے، اس کو سامنے رکھ کر موجودہ حالات و زمانہ کی رعایت سے بہترین تعزیراتی قوانین کیے جا سکتے ہیں۔

۲۔ سیاست شرعیہ کی بحث

اوپر سیاست شرعیہ کا ضمناً ذکر آ چکا ہے جس سے حکومت کے اختیارات کی وسعت کا پتہ چلتا ہے اور احکام شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت کا ثبوت ملتا ہے۔ ذیل میں اس کی تفصیل بیان کی جاتی ہے۔

شریعت میں سیاست کی یہ تعریف ہے :۔

السیاسة ما کان فعلاً یکون معه الناس اقرب الی الصلاح وابعد عن الفساد وان لم یضعه الرسول ولا نزل به وحی۔[۲]	سیاست وہ فعل ہے کہ اس کے ذریعہ لوگ صلاح سے قریب اور فساد سے دور ہوں اگرچہ اس کو رسول اللہ ؐ نے نہ کیا ہو اور نہ اس کے لیے وحی نازل ہوئی ہو۔

[۱] ابوداؤد، [۲] الطرق الحکمیہ فصل جواز العمل فی السلطنۃ بالسیاسۃ الشرعیہ،

دوسری تعریف یہ ہے:

ان السیاسة فعل منشی من الحاکم لمصلحة یراها وان لم یرد بذلک الفعل دلیل خیری[1]

سیاست وہ فعل ہے جس کو حاکم مصلحت کے پیش نظر مناسب سمجھ کر کرتا ہے اگرچہ اس فعل کی کوئی دلیل نہ مروی ہو۔

ایک اور جگہ ہے:

انها القانون الموضوع لرعایة الآداب والمصالح وانتظام الاحوال[2]

سیاست وہ قانون ہے جو آداب و مصالح کی رعایت اور احوال کے انتظام کے لیے وضع کیا گیا ہو۔

شرعی سیاست کی دو قسمیں ہیں:-

السیاسة نوعان سیاسة ظالمة فالشرع یحرمها وسیاسة عادلة تخرج الحق من الظالم وتدفع کثیرا من المظالم وتروع اهل الفساد ویتوصل بها الی المقاصد الشرعیة فالشرعیة توجب المصیر الیها والاعتماد فی اظهار الحق علیها[3]

سیاست کی دو قسمیں ہیں (۱) سیاست ظالمہ جس کو شریعت حرام قرار دیتی ہے اور (۲) سیاستِ عادلہ جو ظالم سے حق دلاتی مظالم کو دفع کرتی اور فسادیوں کی سرکوبی کرتی ہے اور اس کے ذریعہ مقاصد شرعیہ تک پہنچنا آسان ہوتا ہے، شرعی سیاست میں "مقاصد" کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے اور حق کے اظہار میں ان پر اعتماد ناگزیر ہے۔

سیاست شرعیہ دین کا جزو ہے

ایسی سیاست دین کا جزو اور شریعت کا مقصود ہے نیز مخلوق کو عدل و اعتدال کی طرف لانے والی ہے جس میں کسی اعتراض و شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

فلا یقال ان السیاسة العادلة

یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ سیاست عادلة

---

[1] جامع التعزیر الخاتمہ فی السیاسة ص۵۹۔ [2] ایضاً ص۱۰۱۔ [3] تبصرة الحکام لابن فرحون فی القضاء بالسیاسة الشرعیة

مخالفة لما نطق به الشرع بل هی موافقة لما جاء به بل هی جزء من اجزائه ونحن نسمیها تبعا لمصطلحکم وانما هی عدل الله ورسوله۔

مانطق بہ الشرع" کے مخالف ہے بلکہ یہ اس کے موافق اور اس کا جزء ہے ہم تبعاً محض تمہاری اصطلاح کی وجہ سے سیاست نام رکھتے ہیں ورنہ یہ تو اللہ اور اس کے رسول کا عدل ہے

اس کے تحت فیصلوں کے لیے قرآن وسنت سے صراحتاً ثبوت ضروری ہے اور نہ صحابہؓ وفقہاءؒ سے ہر ہر جزء میں موافقت ضروری ہے۔ بلکہ صرف اس قدر کافی ہے کہ بحیثیت مجموعی وہ ان کے خلاف نہ ہوں۔ جیسا کہ امام شافعیؒ کہتے ہیں۔

لا سیاسة الا ما وافق الشرع[1]

سیاست وہی معتبر ہے جو شریعت کے موافق ہو۔

لیکن یہ موافقت کس قسم کی ہو، اس کی تشریح یہ ہے۔

فان اردت بقولك الا ما وافق الشرع ای لم یخالف ما نطق به الشرع فصحیح وان اردت لا سیاسة الا ما نطق به الشرع فغلط وتغلیط للصحابة رض۔

سیاست "شریعت کے موافق ہونا چاہیے" اگر اس کا یہ مطلب ہے کہ "ما نطق بہ الشرع" کے مخالف نہ ہو تو صحیح ہے اور اگر یہ مطلب ہے کہ سیاست وہی ہے جس کی شریعت نے تصریح کی ہے تو غلط ہے اور صحابۂ کرام کی تغلیط ہے

یہ باب نہایت وسیع اور نازک ہے! شریعت میں یہ باب کافی وسیع اور نہایت نازک ہے اگر اس سے کام نہ لیا جائے تو حقوق ضائع ہوتے ہیں حدود معطل ہوتے ہیں۔ اور اہل شر جری بن جاتے ہیں، اور اگر حد سے زیادہ کام لیا جائے تو ظلم وستم کا دروازہ کھلتا ہے اور خونریزی وغارتگری کا موقع فراہم ہوتا ہے

ھی باب واسع تضل فیه الافهام

یہ باب وسیع ہے جس میں سمجھ بوجھ کو ٹھوکر

---

[1] الطرق الحکمیة فصل جانہ العمل فی السلطنة بالسیاسة الشرعیة۔ [2] الطرق الحکمیہ حوالہ بالا۔

وتزل فیہ الاقدام واھمالہ یضیع الحقوق ویعطل الحدود ویجری اھل الفساد ویعین اھل العناد والتوسع فیہ یفتح ابواب المظالم الشنیعۃ ویوجب سفک الدماء واخذ الاموال بغیر الشریعۃ۔[1]

تنگنی ہے اور مردان راہ کے قدم پھسلتے ہیں اس سے کام نہ لینا حقوق کو ضائع کرنا، حدود کو معطل کرنا اور اہل شر کو جری بنانا ہے اور حد سے زیادہ کام لینا ظلم وستم کا دروازہ کھولنا اور خونریزی وغارت گری کا موقع فراہم کرنا ہے

افراط وتفریط کے دو گروہ

باب کی اسی وسعت ونزاکت کی وجہ سے افراط وتفریط کے گروہ پیدا ہو گئے ہیں جن پر اس طرح نکیر کی گئی ہے۔

تفریط کا مسلک ان لوگوں کا ہے جنہوں نے چند استثناء کو چھوڑ کر بالعموم اس باب سے قطع نظر کر لیا ہے، ان کا خیال ہے کہ سیاست شرعیہ سے کام لینا قواعد شرعیہ کے منافی ہے، یہ لوگ حق کا واضح راستہ چھوڑ کر عناد کے رسوا کن راستہ کی طرف مائل ہو گئے ہیں، کیونکہ سیاست شرعیہ اور نصوص شرعیہ کے انکار میں خلفائے راشدین کی تغلیط ہے۔"

افراط کا مسلک ان لوگوں کا ہے۔ جو قانون شرع اور حدود سے تجاوز کر کے ظلم وبدعت اور سیاست کی طرف آ گئے ہیں، اُن کا خیال ہے کہ شرعی سیاست خلق خدا کی مصلحت سے قاصر ہے، یہ اُن کی جہالت اور فاحش غلطی ہے[2]

قرآن حکیم کی آیتوں سے ثبوت

قرآن حکیم سے سیاست شرعیہ کے ثبوت میں یہ آیتیں پیش کی جاتی ہیں۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔ (سورہ مائدہ رکوع ۱)

آج تمہارے دین کو تمہارے لیے میں نے کامل کر دیا اور تم پر اپنا انعام تمام کر دیا اور اسلام کو تمہارے دین کے لیے پسند کیا۔

اس آیت کی جامعیت کا حال یہ ہے:

---

[1] الطرق الحکمیہ، [2] تبصرۃ الحکام فی القضایا بالسیاسۃ الشرعیہ۔

فدخل فی ھذا جمیع مصالح العباد الدینیۃ والدینویۃ علی وجہ الکمال[۱] — آیت میں بندوں کی دینی اور دینوی مصلحتیں علی وجہ الکمال داخل ہیں۔

دوسری آیت:

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ (سورہ نحل۔ رکوع ۱۳) — بے شک اللہ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔

کلام عرب میں عدل واحسان کے لفظ نہایت جامع ہیں، اسی بنا پر کہا گیا ہے۔

اجمع ایۃ فی القرآن للحث علی المصالح کلھا والزجر عن المفاسد باسرھا[۱] — آیت میں جمیع مصالح کے حصول اور مفاسد کے دفعیہ پر ابھارا گیا ہے۔

ان آیتوں سے استدلال جو جلب منفعت پر دلالت کرتی ہیں۔ !!

چونکہ سیاستِ شرعیہ کا مقصد لوگوں کو صلاح سے قریب اور فساد سے دور کرنا ہے، اس بنا پر جلب منفعت اور دفع مضرت یا حصولِ مصالح و دفع مفاسد پر دلالت کرنے والی تمام آیتوں سے استدلال صحیح ہے۔

مثلاً:

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ۔ (سورہ انبیاء رکوع ۷) — اے پیغمبر! ہم نے آپ کو محض اس لیے بھیجا ہے، تاکہ رحمت عامہ کا ظہور ہو۔

آیت کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے:

فھذا اخبار منہ جل وعلا بان ارسال الرسول صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للناس ومن الرحمۃ الاذن لھم علی لسانہ صلی اللہ علیہ وسلم فی جلب المصالح ودفع — یہ اللہ بزرگ و برتر کی طرف سے اس بات کا اعلان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول بنا کر بھیجنا لوگوں کے لیے رحمت ہے اور پیغمبرؐ کی زبان پر جلب مصالح اور دفع مفاسد کی اجازت دینا رحمت سے ہے

---

[۱] حوالہ مذکور، [۲] القواعد للعز بن عبد السلام از تعلیل الاحکام ص ۲۸۶ ،

المفاسد عنهم ومعلوم ان للناس مصالح تتجدد وتتجدد الايام فلو وقف الاعتبار على المنصوص فقط لوقع الناس فى الحرج الشديد وهو مناف للرحمة۔[1]

یہ معلوم ہے کہ ایام کے بدلنے سے نئے نئے مصالح پیدا ہوتے رہتے ہیں، ایسی حالت میں اگر صرف منصوص ہی کا اعتبار کیا گیا تو لوگ سخت حرج میں مبتلا ہو جائیں گے اور رحمت کے منافی بات لازم آئے گی۔

ذیل کی آیت میں جلب منفعت اور حصول مصالح کی تاکید ہے:

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ۔

(الاعراف۔ رکوع ۴)

اے پیغمبر! آپ ان لوگوں سے کہیے کہ اللہ کی زینتیں (جائز لذات)، جو اس نے بندوں کے لیے پیدا کی ہیں اور کھانے پینے کی اچھی چیزیں کس نے حرام کی ہیں، آپ کہیے کہ یہ نعمتیں تو اسی لیے ہیں کہ دنیوی زندگی میں ایمان والوں کے کام آئیں۔ قیامت کے دن ان کے لیے خالص ہوں گی۔

آیت میں زینت سے مراد جلب منفعت وحصول مصالح کے وہ تمام ساز و سامان ہیں جو زندگی کی قدرتی ضروریات سے زائد ہوں، مثلاً اچھا لباس، اچھا کھانا، معیشت کی تمام بے ضرر آسائشیں اور لذتیں وغیرہ؛

ان آیتوں سے استدلال جن سے اشیاء میں اصل اباحت ثابت ہوتی ہے

قرآن حکیم کی ان آیتوں سے بھی استدلال صحیح ہے جن سے اشیاء میں اصل اباحت کا ثبوت ملتا ہے، مثلاً

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا۔ (سورہ بقرہ رکوع ۳)

اللہ ہی ہے جس نے تمہارے فائدے کے لیے زمین کی ساری چیزیں پیدا کی ہیں

---

[1] تعلیل الاحکام ص ۲۸۸

دوسری جگہ ہے :-

وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهُ بِرَازِقِيْنَ ـ (سورہ حجر۔ رکوع ۲)	تم سب کے لیے ہم نے زندگی کے سازو سامان بنائے اور ان کے لیے بھی جن کو تم روزی نہیں دیتے ہو۔

مفسرِ قرآن ابوبکر جصاص رح کہتے ہیں :-

ان الاشیاء علی الاباحۃ مما لا یحظرہ العقل فلا یحرم شئ الا ما قام دلیلہ [1]	اشیاء میں اصل اباحت ہے جن چیزوں سے عقل نہ روکے وہ سب مباح ہیں البتہ جن کی حرمت پر دلیل قائم ہو وہ اس سے مستثنے ہوں

فقہاء کا یہ کلیہ مشہور ہے :-

الاصل فی الاشیاء الاباحۃ [2]	اشیاء میں اصل اباحت ہے ۔

قرآن حکیم کی آیات ان کان قمیصہ الخ سے استدلال

(۱) قرآن حکیم میں سیدنا یوسف علیہ السلام کے قصہ میں ہے

وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا إِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكَاذِبِيْنَ ـ وَإِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصَّادِقِيْنَ ـ فَلَمَّا رَأَى قَمِيصَهُ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ إِنَّهُ مِنْ كَيْدِكُنَّ إِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ (سورہ یوسف رکوع ۳)	اس عورت کے کنبہ والوں میں سے ایک گواہ نے کہا کہ اگر یوسف (علیہ السلام) کا کرتہ آگے سے پھٹا ہے تو عورت سچی ہے اور وہ جھوٹے ہیں اور اگر پیچھے سے پھٹا ہے تو عورت جھوٹی ہے اور یوسف (علیہ السلام) سچے ہیں جب عورت کے خاوند نے دیکھا کہ یوسف کا کرتہ پیچھے سے پھٹا ہے تو اس نے کہا کہ یہ تم عورتوں کی مکاریوں میں سے ایک مکاری ہے اور تمہاری مکاری بڑی ہی سخت ہے ۔

---

[1] احکام القرآن للجصاص ج ۲ ص ۳۰ ، [2] الاشباہ والنظائر ص ۹۷ ،

آیت میں انکشافِ حقیقت کے لیے جس طریق سے کام لے کر فیصلہ کیا گیا ہے، وہ سیاست شرعیہ کے تحت ہے۔

وَدَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ اِذْ یَحْکُمٰنِ الخ سے استدلال

(۲) سیدنا داؤد اور سلیمان علیہما السلام کے واقعہ میں ہے۔ دَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ اور داؤد و سلیمان علیہما السلام

اِذْ یَحْکُمٰنِ فِی الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِیْہِ غَنَمُ الْقَوْمِ وَکُنَّا لِحُکْمِہِمْ شٰہِدِیْنَ۔ فَفَہَّمْنٰہَا سُلَیْمٰنَ وَکُلًّا اٰتَیْنَا حُکْمًا وَّعِلْمًا۔ (سورہ انبیاء، رکوع ۶)

کو یاد کرو جب کہ اس کھیت کے بارے میں فیصلہ کر رہے تھے جس میں قوم کی بکریاں منتشر ہوگئی تھیں ہم ان کے فیصلے کو دیکھ رہے تھے پس ہم نے سلیمان کو فہم عطا کیا اور ہم نے دونوں کو علم اور حکمت دیا تھا۔

بکریوں کے چرنے سے کھیت کا جتنا نقصان ہوا تھا وہ بکریوں کی قیمت کے برابر تھا، قاعدے کے مطابق بطور ضمان داؤد علیہ السلام نے کھیت والوں کو بکریاں دینے کا حکم دے دیا۔ لیکن اس فیصلہ میں بکری والے بالکل بے دست و پا بن کر رہ جاتے تھے اس لیے سلیمان علیہ السلام نے ان میں مصالحت کی یہ شکل تجویز فرمائی کہ چند دن کے لیے بکریاں کھیت والوں کو دے دی جائیں جن کے ذریعہ وہ اپنا گذر بسر کرتے رہیں اور کھیت بکری والوں کے سپرد کر دیا جائے جس کی دیکھ بھال اور نگرانی کر کے پہلی حالت پر وہ اس کو لے آئیں۔ پھر کھیت اور بکریاں دونوں اپنے اپنے مالکوں کے حوالہ کر دی جائیں [1]

ظاہر ہے کہ یہ دونوں فیصلے اپنی اپنی جگہ درست ہیں اسی بنا پر کہا گیا ہے۔ "وَکُلًّا اٰتَیْنَا حُکْمًا وَّعِلْمًا" لیکن دوسرا فیصلہ سیاستِ شرعیہ کے تحت قوم و ملت کے زیادہ فائدہ پر مبنی ہے اس بنا پر سلیمان علیہ السلام کے لیے خصوصیت سے کہا گیا ہے۔ "فَفَہَّمْنٰہَا سُلَیْمٰنَ۔"

---

[1] تفسیر کبیر سورۂ انبیاء ص ۱۳۵، اعلام الموقعین ج فصل وعلی ہذا الاصل تبتنی الحکومۃ ص ۱۲،

حکم و احکام اور فیصلوں میں جس چیز کی سب سے زیادہ ضرورت ہے وہ سمجھ بوجھ ہے چنانچہ حضرت عمرؓ نے قاضی ابوموسیٰؓ کو ایک خط میں لکھا تھا۔

الفهم الفهم فيما ادلى اليك[1] | جو معاملہ پیش آئے اس میں زیادہ سے زیادہ سمجھ سے کام لینا۔

ایک شخص نے ایاسؒ بن معاویہؓ سے کہا کہ:

علمني القضاء۔ | مجھے قضاء سکھا دیجئے۔

انہوں نے جواب میں کہا:

ان القضاء لا يعلم انما القضاء فهم[1] | قضا سکھائی نہیں جاتی وہ فہم ہے۔

وعلى الثلثة الذين خلفوا سے استدلال

(۳) تین صحابی کعبؓ بن مالک، ہلالؓ بن امیہ اور مرارہؓ بن ربیعہ کے بارے میں ہے۔

الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ۚ حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَيْهِ ۚ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ۔

(سورۃ توبہ رکوع ۱۴)

وَعَلَى الثَّلٰثَةِ ان تینوں شخصوں پر اللہ نے توجہ فرمائی جن کا معاملہ ملتوی کر دیا گیا تھا جب کہ ان پر زمین اپنی ساری وسعت کے باوجود تنگ ہو گئی تھی اور وہ خود بھی اپنی جان سے تنگ آ گئے تھے اور انہوں نے جان لیا تھا کہ سوائے اللہ کے اور کہیں پناہ نہیں مل سکتی اس وقت اللہ نے ان پر توجہ فرمائی تاکہ وہ رجوع کریں بے شک اللہ تعالیٰ بہت توجہ فرمانے والا اور بڑا رحم کرنے والا ہے۔

یہ تینوں بزرگ اونچے درجہ کے صحابی اور اسلام و پیغمبر اسلامؐ کے جاں نثاروں میں تھے لیکن غزوۂ تبوک میں معمولی تاخیر کی وجہ سے شرکت نہ ہو سکی تھی، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ

---

[1] الطرق الحکمیہ فصل من فراستہ الحاکم ص۲۴، ۲ے ۶ الد بالا،

علیہ وسلم نے سیاست شرعیہ کے تحت لوگوں کو ان سے بات چیت کرنے سے منع کر دیا تھا اس حکم کے بعد سب نے منہ پھیر لیا اور اچانک ان کی دنیا بدل گئی۔

جب اس حالت پر چالیس دن گذر گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید سخت حکم یہ دیا کہ یہ تینوں اپنی اپنی بیوی سے علیحدہ ہو جائیں (صرف علیحدگی کا حکم تھا، طلاق کا نہ تھا) پھر پورے پچاس دن کے بعد قبولیت توبہ کی مذکورہ آیت نازل ہوئی اور لوگوں میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی۔

تینوں بزرگوں کی سرگذشت

خود کعبؓ بن مالک نے اپنی سرگذشت اس طرح بیان کی ہے۔ وہ کہتے ہیں :-

تمام جنگوں میں میں نے رسول اللہ کے ساتھ شرکت کی اور اس موقعہ پر بھی نکلنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

ایک کے بعد ایک دن گذرتے رہے اور میں اسی خیال میں رہا کہ اپنے معاملات نپٹا لوں تو نکلوں یہاں تک کہ آج کل ہوتے ہوتے پورا وقت گذر گیا۔ اتنے میں خبر اڑی کہ رسول اللہؐ واپس آ رہے ہیں، اس وقت میری آنکھیں کھلیں۔ لیکن اب کیا ہو سکتا تھا، آپؐ حسب معمول پہلے مسجد میں تشریف لائے اور جو لوگ کوچ میں شریک نہیں ہوئے تھے وہ حاضر ہو کر معذرتیں کرنے لگے اور قسمیں کھا کھا کر اپنی سچائی کا یقین دلانے لگے یہ کچھ اوپر اسّی آدمی تھے انہوں نے جو کچھ ظاہر کیا رسول اللہؐ نے قبول کر لیا اور ان کے دلوں کا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیا۔ جب آپ میری طرف متوجہ ہوئے تو مجھ سے یہ نہ ہو سکا کہ کوئی جھوٹی معذرت کروں، جو کچھ سچی بات تھی صاف صاف عرض کر دی، آپؐ نے سن کر فرمایا "اچھا جاؤ اور انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ فیصلہ کر دے"۔ میں نے لوگوں سے پوچھا کہ اور کسی کو بھی ایسا حکم ہوا ہے؟ لوگوں نے کہا ہاں مرارہؓ بن ربیع اور ہلالؓ بن امیہ کو۔ اس کے بعد جب رسول اللہ کا حکم ہوا کہ ہم تینوں سے کوئی بات چیت نہ کرے تو سب نے منہ پھیر لیا۔ اور اچانک دنیا کچھ سے کچھ ہو گئی۔

گویا کل تک جس دنیا میں تھے، اب وہ دنیا ہی نہیں رہی تھی، میرے دونوں شریک ابتلا گھر میں بند ہو کر بیٹھ رہے تھے لیکن میں سخت جان تھا اس حالت میں بھی روز گھر سے نکلتا، مسجد میں حاضری دیتا، جماعت میں شریک ہوتا اور پھر ایک گوشہ میں سب سے الگ بیٹھ جاتا۔ اکثر ایسا ہوتا کہ نماز کے بعد قریب جا کر سلام عرض کرتا اور پھر اپنے جی میں کہتا دیکھوں سلام کے جواب میں آپؐ کے لبوں کو حرکت ہوتی ہے یا نہیں؟ آپؐ گوشہ چشم سے کبھی کبھی دیکھ لیتے لیکن جب میری نگہ اٹھتی تو رخ پھر جاتا۔

ایک دن شہر سے باہر نکلا تو ابوقتادہؓ کے باغ تک پہنچ گیا۔ یہ میرا چچیرا بھائی تھا اور اپنے تمام عزیزوں میں اسے زیادہ محبوب رکھتا تھا۔ میں نے سلام کیا مگر اس نے کوئی جواب نہیں دیا، میں نے کہا ابوقتادہ! کیا تم نہیں جانتے کہ میں مسلمان ہوں اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی اپنے دل میں محبت رکھتا ہوں؟ اس پر بھی اس نے میری طرف رُخ نہیں کیا لیکن جب میں نے یہی بات بار بار دہرائی تو صرف اتنا کہا اللہ ورسولہ، اعلم، اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے اس وقت مجھ سے ضبط نہ ہو سکا اور بے اختیار آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔

وہاں سے واپس ہوا تو راستہ میں ملک شام کا ایک نبطی مل گیا وہ لوگوں سے کہہ رہا تھا کوئی ہے جو کعب بن مالک تک پہنچا دے! لوگوں نے میری طرف اشارہ کیا تو اس نے بادشاہ غسان کا ایک خط نکال کر میرے حوالے کیا جس میں لکھا تھا، ہمیں معلوم ہوا ہے کہ تمہارے آقا نے تم پر سختی کی ہے تم ہمارے پاس چلے آؤ۔ ہم تمہاری قدر و منزلت کریں گے، خط پڑھ کر میں نے کہا، یہ ایک اور نئی مصیبت آئی۔ گویا پچھلی بلائیں کافی نہ تھیں؟ جب اس حالت پہ چالیس راتیں گزر چکیں تو رسول اللہ کی جانب سے ایک آدمی آیا اور کہا، حکم ہوا ہے تم اپنی بیوی سے الگ ہو جاؤ، میں نے کہا طلاق دے دوں؟ کہا نہیں صرف علیٰحدگی کا حکم ہے، ہلالؓ اور مرارہؓ کو بھی ایسا ہی حکم ہوا ہے، اس پہ میں نے اپنی بیوی

کو اس کے میکے بھجوا دیا۔

جب دس دن گزر گئے تو پچاسویں رات پر صبح آئی میں اپنے مکان کی چھت پر نماز پڑھ کر بیٹھا تھا، اور ٹھیک ٹھیک وہی حالت تھی جس کی تصویر اللہ کے کلام نے کھینچ دی ہے، زندگی سے تنگ آگیا تھا اور اللہ کی زمین میرے لیے تنگ ہو گئی تھی اچانک کیا سنتا ہوں کہ کوئی آدمی "کوہ سلع" سے پکار رہا ہے "کعب بن مالک بشارت ہو تو تمہاری توبہ قبول ہو گئی"۔

اب لوگ جوق در جوق مجھے مبارک باد دینے کے لیے آنے لگے، ایک آدمی گھوڑا دوڑاتے ہوئے آیا لیکن بشارت کی آواز اس سے زیادہ تیز ثابت ہوئی تھی میں مسجد میں حاضر ہوا تو رسول اللہ لوگوں کے حلقہ میں بیٹھے تھے رسول اللہ کا قاعدہ تھا کہ جب خوش ہوتے تھے تو چہرۂ مبارک چاند کی طرح چمکنے لگتا ہم لوگوں کو یہ بات معلوم تھی اس لیے ہمیشہ آپ کے چہرہ پر نگاہ رکھتے تھے چنانچہ میں نے دیکھا اس وقت بھی چہرہ مبارک چمک رہا تھا، فرمایا، کعب! تجھے آج اس دن کی بشارت دیتا ہوں جو تیری زندگی کا سب سے بہتر دن ہے،

میں نے عرض
کیا، یہ بات آپ کی جانب سے ہوئی یا اللہ کی وحی سے؟ فرمایا اللہ کی وحی سے ہوئی ہے۔[1]

واقعہ سے عبرت ونصیحت یہ پورا واقعہ محض اس لیے نقل کیا گیا کہ اس میں بڑی عبرت ونصیحت ہے۔ مثلاً:-

(ا) دین کو غالب کرنے کی جد وجہد میں معمولی غفلت بھی ایک مومن مخلص اور صحابی کو کس درجہ سرزنش کا مستحق ٹھہراتی ہے کہ تمام مسلمانوں کو ان سے قطع تعلق کا حکم دیا گیا۔

(ب) خود مسلمانوں نے حکم کی اس درجہ پابندی کی کہ محبوب وعزیز ترین کو بھی خلاف ورزی کی جرأت

[1] بخاری کتاب المغازی باب حدیث کعب بن مالک۔

نہ ہوئی۔ صرف ایک شخص کے لبوں کی حرکت تھی کہ تینوں بزرگوں کے لیے دنیا کیا سے کیا ہو ہوگئی اور چوری چھپے بھی کسی کو خلاف ورزی کی مجال نہ رہی۔

(ج) باہمی اخوت ومحبت کا یہ حال تھا کہ حکم کی تعمیل تو سب نے کی لیکن ان کی مصیبت کے غم سے کوئی دل خالی نہ تھا۔ سب کے دلوں کو لگی تھی کہ ان کی توبہ جلد قبول ہو جائے۔

اسی وجہ سے امام احمد بن حنبلؒ کہا کرتے تھے کہ کوئی آیت مجھے اس قدر نہیں رُلاتی ہے جس قدر یہ آیت اور کعب بن مالک کی روایت[1]

سیاست شرعیہ کے تحت قرآن حکیم کے چند فیصلے !!

قرآن حکیم کے درج ذیل احکام ہی سیاست شرعیہ کے تحت ہیں۔

(۱) بتوں اور دوسرے معبودوں کو اس لیے بُرا کہنے سے منع کیا گیا کہ مصلحت کے مقابلہ میں فساد غالب تھا۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا م بِغَيْرِ عِلْمٍ۔	ان معبودوں کو بُرا نہ کہو جن کی یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں۔ ورنہ لوگ حد سے گزر کر نادانی سے اللہ کو بُرا کہنے لگیں گے
(سورہ انعام رکوع ۱۳)	

علامہ ابن قیمؒ کہتے ہیں:۔

وھذا کالتنبیه بل کالتصریح علی المنع من الجائز لئلا یکون سببا فی فعل مالا یجوز[2]	یہ تنبیہ بلکہ تصریح ہے اس امر کی کہ جو جائز باتیں ناجائز کے ارتکاب کا سبب بنتی ہوں ان سے منع کر دینا چاہیئے۔

(۲) شریعت میں عفت وعصمت کا جو بلند معیار قائم کیا گیا ہے اس کے پیش نظر عورتوں کو زمین پر زور سے پاؤں مار کر چلنے سے منع کیا گیا ہے تاکہ زیور کی آواز سے لوگوں کے خیالات خراب نہ ہوں۔

---

[1] ترجمان القرآن ج ۲ سورہ توبہ، [2] اعلام الموقعین ج ۳ فصل فی سد الذرائع صفحہ ۱۲۱

وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ۔ (سورۂ نور رکوع ۴)

عورتیں اپنے پاؤں زور سے نہ رکھیں کہ ان کی مخفی زینت معلوم ہو جائے۔

اس جگہ بھی ایک جائز فعل کو محض فساد کے اندیشہ سے روک دیا گیا ہے۔

جس معاشرہ میں بر سرِ عام عفت و عصمت کا سودا ہوتا ہو اور برضا و رغبت عزت و ناموس پر حملہ کوئی جرم قرار نہ پائے اس میں ظاہر ہے کہ اس قسم کے احکام کی کیا وقعت ہو سکتی ہے ؟ لیکن اسلام نے تکمیلِ انسانیت اور حصولِ سعادت کا جو نقشہ اور نمونہ پیش کیا ہے اس میں شہوت کو برانگیختہ اور خیالات کو خراب کرنے والی معمولی معمولی باتوں کو بھی بڑی اہمیت دی ہے، ایک طرف فواحش و بدکاری کی تمام راہوں پر پابندی لگا کر عفت و عصمت کی حفاظت کا مکمل بند و بست کیا ہے تو دوسری طرف خواہشات کی تسکین کی ایک حد مقرر کی اور محل کی تعیین کی ہے، تاکہ نفس کے تقاضوں میں توازن برقرار رہے۔ اور ہوس کی سرمستی انسان کو سعادت سے محروم نہ کر دے۔

(۳) نوکر چاکر اور نابالغ لڑکوں کو گھر میں آنے کے لیے ان اوقات میں اجازت ضروری قرار دی گئی جو اوقات عموماً فراغت اور آرام کے ہوتے ہیں تاکہ مخفی باتوں سے واقفیت ہو کر خیالات و اخلاق پر برا اثر نہ پڑے، اور دوسری طرف آرام و سکون میں خلل نہ واقع ہو۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ؕ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ؕ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ؕ طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ

اے ایمان والو! تمہارے پاس آنے جانے کے لیے مملوکوں اور نابالغ لڑکوں کو تین وقت اجازت لینا چاہیئے۔

(۱) نماز فجر سے پہلے (۲) دوپہر کے وقت جب اپنے کپڑے اتار دیتے ہو اور (۳) نماز عشاء کے بعد پردے کے یہ تین اوقات ہیں۔

ان کے علاوہ اور اوقات میں بلا اجازت آنے پر کوئی الزام نہیں ہے کیونکہ یہ لوگ بکثرت تمہارے پاس آنے جانے والے

عَلٰی بَعْضٍ ۔ (سورۂ نور رکوع ۸) ہیں (یہ وقت اجازت لینے میں دشواری ہے)

(۴) صحابۂ کرام کو لفظ "راعنا" کہنے سے روک دیا گیا اور "انظرنا" کہنے کا حکم دیا گیا حالانکہ ان کی نیت میں کوئی خرابی نہ تھی اور معنی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے مناسب تھے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ۔ (سورۂ بقرہ رکوع ۱۳)

اے ایمان والو! تم "راعنا" مت کہو اور "انظرنا" کہو، اس کو اچھی طرح سن لو۔

دونوں لفظوں کا مفہوم تقریباً یکساں ہی ہے۔ ہماری مصلحتوں کی رعایت کیجئے "ہمارے اوپر نظر کرم فرمایئے"۔ لیکن یہودی لفظ "راعنا" کو دوسرے بُرے مفہوم میں استعمال کرکے رسول اللہ کی شان میں توہین کرتے تھے، اس لیے مسلمانوں کو اس سے روک دیا گیا۔

(۵) حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام کو تبلیغ حق کے لیے فرعون جیسے سرکش کے پاس بھیجتے وقت نرم لہجہ اختیار کرنے کی تاکید کی گئی کہ سخت کلامی اس کی نفرت کا سبب نہ بن جائے

اِذْهَبَاۤ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰی ۔ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّیِّنًا لَّعَلَّهٗ یَتَذَكَّرُ اَوْ یَخْشٰی ۔ (سورۂ طٰہٰ۔ رکوع ۲)

تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ وہ سرکشی میں بہت بڑھ گیا ہے۔ اس لیے نرمی سے بات کرنا شاید نصیحت پکڑ لے یا انجام سے ڈر جائے۔

باوجودیکہ ان کی حفاظت و نگرانی کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے مکمل انتظام تھا:

قَالَا رَبَّنَاۤ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ یَّفْرُطَ عَلَیْنَاۤ اَوْ اَنْ یَّطْغٰی ۔ قَالَ لَا تَخَافَاۤ اِنَّنِیْ مَعَكُمَاۤ اَسْمَعُ وَاَرٰی ۔ (سورۂ طٰہٰ۔ رکوع ۲)

دونوں نے عرض کیا پروردگار! ہمیں اندیشہ ہے کہ فرعون ہماری مخالفت میں جلدی نہ کرے یا سرکشی سے پیش نہ آئے، ارشاد ہوا کچھ اندیشہ نہ کرو میں تمہارے ساتھ ہوں سب کچھ سنتا اور دیکھتا ہوں۔

ابن قیمؒ کہتے ہیں:

فنهاهما عن الجائز لئلا

ان دونوں کو جائز بات سے روک دیا تاکہ

یترتب علیہ ما ھو اکرہ الیہ تعالیٰ ربہ	اس کی وجہ سے ایسی بات نہ پیدا ہو جو اللہ کو ناگوار ہے۔

فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے منجملہ اور بہت سے سوالوں کے ایک نہایت اہم اور نازک سوال یہ کیا تھا:

قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰی۔ (سورہ طٰہٰ۔ رکوع ۲)	فرعون نے کہا ان کا کیا حال ہوا جو پہلے لوگ گزر چکے ہیں (اور اس نے عقیدہ کی ان کو خبر نہ تھی)

لوگوں کو اپنے پیش روبڑوں سے جذباتی عقیدت ہوتی ہے۔ ان کے خلاف معمولی تنقید بھی گوارا نہیں ہوتی اور دعوتی زندگی میں تو یہ مقام اس قدر نازک ہوتا ہے کہ اس میں ادنیٰ لغزش فتنہ وفساد کے لیے کافی ہوتی ہے۔ لیکن چونکہ موسیٰ علیہ السلام داعی تھے تحریک کے لیڈر نہ تھے اس لیے یہ جواب دیا تھا۔

قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ فِیْ كِتٰبٍ ۚ لَا یَضِلُّ رَبِّیْ وَلَا یَنْسَى ٥ (سورۂ طٰہٰ رکوع ۲)	موسیٰ نے کہا ان لوگوں کا علم میرے پروردگار کے پاس کتاب میں ہے (ہم کچھ نہیں کہہ سکتے ہیں) میرا پروردگار نہ غلطی کرتا ہے نہ بھولتا ہے

اس فیصلہ پر اگر آج عمل درآمد ہو جائے تو کتنے مذہبی جھگڑے ختم ہو جائیں نیز گروپ بندی وجماعت سازی کے فتنہ کی آگ سرد پڑ جائے۔

فقہاء نے ان دلائل کے علاوہ سیاستِ شرعیہ کے ثبوت میں اور بہت سے عقلی ونقلی دلائل پیش کیئے ہیں جیسا کہ قرانی رحمہ لکھتے ہیں:

واعلموا ان التوسعة على الحكام في الاحكام السياسية ليس مخالفا للشرع بل تشهد له الادلة المتقدمة	حاکموں کے لیے سیاسی احکام میں وسعت شریعت کے مخالف نہیں ہے بلکہ اس کے لیے بہت سی آگے آنے والی دلیلیں شاہد

لہ اعلام الموقعین ج ۳ فصل فی سد الذرائع ص ۱۲۲۔

وتشهد له ایضاً القواعد من وجوه۔[1]

ہیں اور قواعد بھی اس کے لیے چند طریقوں سے شاہد ہیں۔

مثلاً:

پہلی دلیل (۱) عصر اول کے مقابلہ میں اب فساد زیادہ ہوگیا اور پھیل گیا ہے جس کی بنا پر نئی نئی صورتیں پیدا ہوگئیں، اور احکام میں اختلاف ہوگیا ہے، اگر اس کا لحاظ نہ کیا گیا تو ضرر لازم آئے گا اور ان تمام اصول کی خلاف ورزی ہوگی جن میں دفع حرج و ضرر کی تاکید ہے:

حضرت عمر بن عبد العزیز نے فرمایا ہے:

تحدث للناس اقضیۃ بقدر ما احدثوا من الفجور۔[2]

لوگوں نے فسق و فجور کی جس قدر نئی نئی قسمیں پیدا کرلی ہیں، اسی لحاظ سے قضایا پیدا ہو گئے ہیں۔

عزالدین بن عبدالسلام کہتے ہیں:

والاحکام بقدر ما یحدثون من السیاسات والمعاملات والاحتیاطات۔[3]

احکام میں اسی لحاظ سے اضافہ ہوگیا ہے۔ جس لحاظ سے لوگوں نے سیاسات معاملات اور احتیاطات میں اضافہ کرلیا ہے۔

لیکن کثرتِ فساد کی وجہ سے یہ اختلاف اسی وقت قابل اعتبار ہے، جب کہ شریعت کی کل پالیسی کی خلاف ورزی نہ ہو ورنہ اس کا کوئی اعتبار نہ کیا جائے گا۔

بحیث لا تخرج عن الشرع بالکلیۃ۔[4]

یہ اختلاف اس حیثیت سے ہو کہ شریعت سے بالکلیہ خارج نہ ہو۔

چوں کہ حالات و زمانہ کی رعایت سے احکام میں اختلاف ناگزیر ہے اس بنا پر حاکموں

---

[1] تبصرۃ الحکام فی القضایا بالسیاسۃ الشرعیہ، [2] الابحاث السامیہ کیفیۃ مباشرۃ والی المظالم ص۲۵، [3] حوالہ بالا [4] الابحاث السامیہ کیفیۃ مباشرۃ والی المظالم ص۲۵،

کے لیے مقدمات کے تصفیہ میں دو قسم کی فقاہت ضروری ہے۔

فہٰھنا نوعان من الفقه لابد للحاکم منهما وفقه فی احکام الحوادث الکلیة وفقه فی نفس الواقع واحوال الناس ۔[1]

اس جگہ دو قسم کی فقہ ہے۔ جو حاکم کے لیے ضروری ہے۔ (۱) فقہ حوادث کلیہ کے احکام ہیں اور (۲) فقہ لوگوں کے احوال اور نفس واقعہ ہیں۔

دوسری دلیل (۲) سیاست شرعیہ کے فیصلے مصلحت کے تحت آتے ہیں اور وقت ضرورت مصلحت کا اعتبار شریعت کی کلی پالیسی کے مطابق ہے۔

ان الصحابة رضوان اللہ علیهم عملوا امورًا لمطلق المصلحة لاتقدم شاهد بالاعتبار ۔[2]

صحابہ کرامؓ نے بہت سے امور میں مطلق مصلحت کا اعتبار کیا ہے جب کہ ان میں اعتبار کے لیے پہلے سے کوئی شاہد بھی موجود نہ ہو۔

علامہ شاطبیؒ فرماتے ہیں :۔

ان وضع الشرائع انما هو لمصالح العباد فی العاجل والآجل معًا۔[1]

احکام شرعیہ کی وضع دنیا اور آخرت دونوں جگہ حصول مصالح کے لیے ہے۔

مصلحت کے اعتبار پر فقہاء کا اتفاق ہے۔

ان المصلحة مقصد للشارع یتفق الائمة جمیعًا۔[2]

مصلحت شارع کا مقصد ہے۔ جس پر تمام اماموں کا اتفاق ہے۔

تیسری دلیل (۳) حالات اور ضرورت کے لحاظ سے احکام میں فرق واختلاف قرآن وسنت سے ثابت ہے چنانچہ بہت سے معاملات محض ضرورت کی بنا پر عام قاعدے سے مستثنیٰ کر کے جائز کیے گئے ہیں۔ مثلاً عرایا ۔ مساقاۃ اور قراض وغیرہ۔ شہادت میں شریعت نے جتنی سختی ملحوظ رکھی ہے۔ رعایت میں وہ سختی نہیں ہے۔

---

[1] الطرق الحکمیہ ص۴، تیسرۃ الحکام ص۷۶ حوالا بالا، [2] الموافقات ج۲ کتاب المقاصد ص۶،
[3] المصلحة فی التشریع الاسلامی تمہید ص۶،

پھر مختلف جرائم کی شہادتوں میں بھی یکسانیت نہیں ہے بلکہ احوال و مصالح کے لحاظ سے ان میں فرق ہے، زنا میں چار کی شہادت کالمیل فی المکحلۃ۔ (مثل سلائی سرمہ دانی میں) ضروری ہے۔ قتل میں دو کی کافی ہے حالانکہ قتل اس کے مقابلہ میں عظیم جرم ہے۔ شریعت کا مقصود چونکہ پردہ پوشی اور عزت و ناموس کا تحفظ ہے اس لیے مذکورہ فرق کے بغیر چارہ نہیں ہے، اسی طرح جو شوہر اپنی بیوی کو زنا کی تہمت لگائے اور گواہ نہ ہوں تو تصفیہ کے لیے گواہ پیش کرنے پر مجبور نہ کیا جائے گا بلکہ شوہر اور بیوی کی قسموں پر جدائی کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ غرض شریعت میں اس طرح کے بہت سے اختلافات ہیں جن سے سیاست شرعیہ میں وسعت پر استدلال کیا جاتا ہے۔

وھٰذا المبائنات والاختلافات کثیرۃ فی الشرع لاختلاف الاحوال فلذلک ینبغی ان یراعی اختلاف الاحوال والازمان[1]	شریعت میں احوال کے اختلاف سے فروق و اختلافات بہت ہیں اس لیے ہر دور میں احوال و زمانہ کے اختلاف کی رعایت مناسب ہے۔

چوتھی دلیل (۴) شر و فساد کی کثرت سے جب شاہد عادل اور قاضی منصف نہ مہیا ہو سکیں تو جیسے موجود ہوں ان میں "اصلح" سے کام لینا ضروری ہے تاکہ لوگوں کے حقوق و مصالح نہ ضائع ہونے پائیں۔ اس پر فقہاء کا اتفاق ہے جس سے یہ استدلال کیا جاتا ہے

واذا جاز نصب الشھود فسقۃ لاجل عموم الفساد جاز التوسع فی الاحکام السیاسیۃ لاجل کثرۃ فساد الزمان واھلہ[2]۔	جب عموم فساد کی وجہ سے فاسق گواہوں کا تقرر جائز ہے تو زمانہ اور اہل زمانہ کے کثرت فساد کی وجہ سے احکام سیاستہ میں وسعت جائز ہے۔

علامہ عراقی اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

فقد حسن ما کان قبیحًا واتسع	جو قبیح تھا وہ حسن ہو گیا جس میں تنگی تھی وسعت

---

[1] تبصرۃ الحکام فی القضاء فی السیاسۃ الشرعیہ، [2] حوالا بالا،

ما كان ضيقا واختلفت الاحكام باختلاف الازمان[1]	ہوگئی، اور زمانہ کے اختلاف سے احکام مختلف ہوگئے۔

کوئی قبیح شے فی نفسہ حسن نہیں بنتی ہے بلکہ ضرورت کی مجبوری سے اس میں محدود گنجائش نکالی جاتی ہے۔

فان التكليف مشروط بالامكان۔[2]	کیوں کہ شریعت کی تکلیف امکان کے ساتھ مشروط ہے۔

عام ابتلا یا اکثر سابقہ کی وجہ سے فقہ میں وسعت کی بہت سی مثالیں ہیں۔ مثلاً بچہ کی نجاست دودھ پلانے والی عورت کو لگ جائے اور وہ نہ دیکھے۔ بارش کا کیچڑ بدن اور کپڑے کو لگ جائے۔ بواسیر اور پھوڑے والوں کے جسم اور کپڑے پر خون اور زری لگتی رہے۔ غازی کے جسم اور کپڑے پر گھوڑے کا پیشاب لگ جائے وغیرہ ان تمام صورتوں میں چونکہ احتیاط دشوار ہے اس بنا پر فقہاء نے وسعت سے کام لیا ہے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

ما ضاق شئ الا اتسع۔	جس میں تنگی ہو وسعت ہو جاتی ہے۔

اور فقہ کا مشہور کلیہ ہے:

اذا ضاق الامر اتسع واذا اتسع ضاق۔[3]	جب تنگی ہو تو وسعت ہو جاتی ہے اور جب وسعت ہو تو تنگی ہو جاتی ہے۔

حضرت داود و سلیمان کے ایک واقعہ سے استدلال

(۳) سنت سے حالات و زمانہ کی رعایت کا ثبوت سنت سے حالات و زمانہ کی رعایت میں چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں جن سے سیاست شرعیہ پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ مثلاً حضرت داود و سلیمان علیہما السلام کے واقعہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خرجت امراتان معهما صبيان	دو عورتوں کے ساتھ بچہ تھا اور وہ باہر نکلیں کہ

---

[1] حوالہ بالا۔ [2] حوالہ بالا [3] فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر بحث اصول و کلیات۔

لهما نعدا الذئب على احدهما فاخذ ولدها فاصبحتا يختصان فی الصبی الباقی الی داؤد فقضی به الکبری منهما۔ فمرتا علی سلیمان فقال کیف امرکما فقصتا علیه فقال ائتونی بالسکین اشق الغلام بینهما قالت الصغری اتشقه قال نعم فقالت لا تفعل حظی منه لها فقال ابنك فقضی به لها۔[1]

بھیڑیا نے حملہ کر کے ایک کے بچے کو چھین لیا، جو بچہ رہ گیا تھا اس کے لیے دونوں جھگڑنے لگیں ایک کہتی تھی میرا بچہ ہے اور دوسری کہتی تھی میرا ہے جب معاملہ حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس پہنچا انہوں نے بڑی عورت کے حق میں فیصلہ دیدیا۔ پھر ان عورتوں کا گزر سلیمان علیہ السلام کے پاس ہوا تو انہوں نے معاملہ اور فیصلہ معلوم کیا اور کہا کہ چھری لاؤ تا کہ بچہ کے دو حصہ کر کے ایک چھوٹی کو دیدوں دوسرا بڑی کو دے دوں یہ سُن کر چھوٹی عورت نے کہا کہ کیا واقعی آپ دو حصے کریں گے؟ حضرت سلیمان نے فرمایا بے شک کروں گا، اس پر چھوٹی نے کہا کہ آپ ایسا نہ کیجیے میں اپنا حصہ بھی بڑی کو دیتی ہوں، اس پر حضرت سلیمان نے فرمایا کہ یہ بچہ تیرا ہے تو لے جا بڑی کا نہیں ہے۔"

÷

اس حدیث سے حاکم اور قاضی کے لیے یہ وسعتیں ثابت ہوتی ہیں!

(ا) السعة للحاکم فی ان یقول للشئ الذی لا یفعله افعل لیستبین الحق۔[2]

حق کے اقرار کرانا کے لیے حاکم کو گنجائش ہے کہ جس کام کو کرنا نہ چاہتا ہو اس کے بارے میں کہے کہ میں کروں گا یعنی غلط بات کہہ کر حق کا اقرار کرانا جائز ہے۔

(ب) الحکم بخلاف ما یعترف به المحکوم علیه اذا تبین للحاکم من الحق غیر ما اعترف به۔[3]

---

[1] نسائی ج ۲ کتاب آداب القضاء، [2] نسائی ج ۲ کتاب آداب القضاء [3] الطرق الحکمیہ ص ۵

"جب حاکم پر حق بات ظاہر ہو جائے تو محکوم علیہ کے اقرار کے خلاف بھی فیصلہ کرنا درست ہے (یہ فیصلہ اگرچہ صاحب معاملہ کے اقرار کے خلاف ہوگا)۔ لیکن حاکموں کے لیے اس کی وسعت ہے۔

(ج) نقض الحاکم ما حکم به غیره ممن هو مثله او اجل منه[1]۔

"ایک حاکم کو اپنے برابر یا اپنے سے بڑے حاکم کے فیصلے کو توڑ کر اس کے خلاف فیصلہ دینا درست ہے۔"

(د) الحکم بالقرائن ولشواهد الحال[2]

"حاکم قرائن اور شواہد حال کے مطابق فیصلہ کرنا درست ہے۔"

(ز) الحکم بعلمه[3]

حاکم کو اپنے علم کے مطابق فیصلہ کرنا درست ہے۔

اسی طرح حاکم کو فیصلہ سے پہلے سفارش کرنے کی وسعت ہے، اس کے لیے حضرت مغیث رضی اللہ عنہ اور بریرہ کی یہ روایت نقل کی جاتی ہے۔

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ ان زوج بریرة کان عبدًا یقال له مغیث کانی انظر الیه یطوف خلفها یبکی ودموعه تسیل علی لحیته فقال النبی صلی الله علیه وسلم للعباس یا عباس الا تعجب من حب مغیث بریرة ومن بغض بریرة مغیثًا فقال لها	حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بریرہ کے خاوند ایک غلام تھے جن کا مغیث نام تھا، یہ حضرت بریرہ کے پیچھے پیچھے پھرتے، وہ متوجہ نہ ہوتی اور جدائی میں اس قدر روتے کہ ان کی ڈاڑھی آنسوؤں سے تر ہو جاتی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ منظر دیکھ کر حضرت عباس سے فرمایا کہ کیا تمہیں مغیث کی بریرہ سے محبت اور بریرہ کی مغیث سے نفرت دیکھ کر تعجب نہیں ہے، رسول اللہ نے مغیث

[1] نسائی ج ۲ کتاب آداب القضاء،
[2] نسائی ج ۲ کتاب آداب القضاء،
[3] الطرق الحکمیہ ص ۶، [4] نسائی ج ۲ کتاب آداب القضاء

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لو راجعتیہ فانہ ابو ولدک قالت یا رسول اللہ اتامرنی قال انما انا شفیع قالت فلا حاجۃ لی فیہ۔
(نسائی ج۲ کتاب آداب القضاء)

کی حالت زار دیکھی نہ گئی اور بریرہ سے سفارش کی کہ تم مغیث ہی کے پاس رہنا منظور کر لو، وہ تمہارے بیٹے کا باپ ہے، بریرہ نے کہا کہ آپ یہ حکم دے رہے ہیں یا مشورہ؟ آپ نے فرمایا کہ میں سفارش کر رہا ہوں، اس پر بریرہ نے کہا کہ مجھے ان کی ضرورت نہیں ہے۔

بریرہ پہلے باندی تھیں، اسی زمانہ میں مغیث سے نکاح ہوا تھا پھر وہ آزاد کر دی گئیں آزادی کے بعد عورت کو یہ حق ہوتا تھا کہ چاہے تو اپنے خاوند کے ساتھ رہے تو اس سے علیحدگی اختیار کر لے، بریرہ نے اپنے اس حق سے فائدہ اٹھا کر مغیث سے علیحدگی اختیار کر لی تھی۔[1]

قسامۃ سے استدلال

(۲) محلہ میں قتل ہو اور قاتل کا پتہ نہ چل سکے، ایسی صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیاست شرعیہ کے تحت پورے اہل محلہ کو ضامن قرار دیا اور ان سے مقررہ قاعدہ کے مطابق دیت (خون کی قیمت) وصول کرنے کا حکم دیا، چنانچہ حدیث میں ہے:

عن رجل من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اقر القسامۃ علی ما کانت فی الجاھلیۃ وقضی بھا رسول اللہ بین ناس من الانصار فی قتیل ادعوہ علی الیھود۔[2]

رسول اللہ کے اصحاب میں ایک انصاری سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے قسامت کو اسی طرح برقرار رکھا جس طرح کہ زمانۂ جاہلیت میں رائج تھا، چنانچہ خود رسول اللہ نے ایک مقتول کے بارے میں اسی کے مطابق فیصلہ فرمایا جب کہ انصاریوں نے یہودیوں پر دعویٰ کیا تھا۔

صورت یہ تھی کہ پہلے اہل محلہ سے پچاس آدمیوں کو بلا کر باقاعدہ تحقیق و تفتیش کی جاتی۔

---

[1] نوری ج باب العتق ص۳۹۳، [2] مسلم ج کتاب القسامہ ص۵۷،

جب اس سے پتہ نہ چلتا تو سب ذمہ دار قرار دیے جاتے، ان آدمیوں کے انتخاب میں مقتول کے ورثاء کی رائے کو بھی دخل ہوتا تھا۔

حالات و تقاضا کے مطابق ایک گروہ یا ایک فرقہ کو ذمہ دار ٹھہرانے اور حسب صوابدید اجتماعی جرمانہ عائد کرنے کی یہ ایک بہترین مثال ہے۔ جس کو فقہاء نے یہ حکمت بیان کی ہے "قسامۃ (اجتماعی جرمانہ) کا مقصد یہ ہے۔ کہ اس طریق سے قاتل کا پتہ چل جائے اور اہل محلہ حفاظت کے معاملہ میں اپنی ذمہ داری محسوس کریں گویا اس قسم کا حادثہ ان کی کوتاہی سے پیش آیا ہے۔ کیونکہ لوگوں کی حفاظت اور غنڈوں کی نگرانی ان کے ذمہ تھی اگر ایک فرقہ کو جان و مال کے اتلاف میں دوسرے فرقے کو ذمہ دار ٹھہرا کر اس سے تاوان وصول کرنے پر عمل درآمد شروع ہو جائے تو ناممکن ہے کہ اس سے جان و مال کی حفاظت نہ ہو اور ایک فرقہ دوسرے کی دست درازیوں سے مامون نہ رہے۔

رسول اللہ کے چند فیصلے

۳۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیاست شرعیہ کے تحت ان لوگوں کے گھروں کو جلانے کا ارادہ ظاہر فرمایا جو بلا عذر جماعت میں نہیں حاضر ہوتے ہیں[۱]

بعض حضرات کا خیال ہے کہ رسول اللہ کا یہ ارادہ منافقین کے گھروں کے لیے تھا۔ لیکن یہ غلط ہے کیونکہ گھروں میں ان کے نماز پڑھنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے[۲]

(۴) زکوٰۃ نہ دینے والوں کے بارے میں فرمایا:

انا اخذوھا منہ وشطر مالہ۔[۳] — بے شک ہم اس سے زکوٰۃ لیں گے اور اس کا آدھا مال بھی۔

(۵) رسول اللہ نے شراب کے برتنوں کو توڑنے کا حکم دیا اور ان ہانڈیوں کو پھوڑنے کے لیے فرمایا جن میں حرام گوشت پکایا گیا ہو۔

(۶) عبداللہؓ بن عمرو کو ان کپڑوں کے جلانے کا حکم دیا۔ جو زرد رنگ میں رنگے گئے تھے۔

---

[۱] مسلم ج ا باب التشدید عن التخلف عنہا ص۲۳۶، [۲] تبصرۃ الحکام فی القضایا السیاسۃ الشرعیہ، [۳] طرق الحکمیہ ص۱۵

(۷) شرابی کو تیسری یا چوتھی مرتبہ قتل کا حکم دیا۔
(۸) غزوۂ تبوک کے موقع پر منافقین کی بعض شرارتوں کی وجہ سے ان کے گھروں کو جلانے کا حکم دیا۔
(۹) محض شک کی بنا پر بعض مجرموں کو سزا دی اور بعض کو قید کیا۔
(۱۰) چوری کی بعض صورتوں میں جن میں قطع ید نہیں ہے، دو گنے تاوان کا حکم دیا اور کچھ کوڑے بھی لگائے۔
(۱) ایک شخص اپنی ام ولد کے ساتھ متہم کیا گیا تھا، اس کو قتل کا حکم دیا۔ پھر جب معلوم ہوا کہ وہ عورت کے قابل نہیں ہے تو اس کو چھوڑ دیا۔
(۲) ایک شخص نے اپنے پڑوسی کے ایذا رسانی کی شکایت کی آپؐ نے اس سے فرمایا کہ گھر سے سارا مال و اسباب نکال کر راستہ میں ڈال دے، اس نے حکم کی تعمیل میں ایسا ہی کیا، جب لوگوں نے یہ منظر دیکھا تو صورت حال دریافت کی، اور پڑوسی پر لعن طعن شروع کر دیا پڑوسی اس لعن طعن سے متاثر ہو کر ایذا رسانی سے باز آیا اور آئندہ کے لیے حلفیہ وعدہ کیا۔ غرض اس طرح کے بہت سے فیصلے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حالات و زمانہ کی رعایت سے فرمائے تھے۔

اجتماعی زندگی کی مثالیں انفرادی کے علاوہ اجتماعی زندگی میں بھی بکثرت مثالیں موجود ہیں مثلاً۔

(۱) صلح حدیبیہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو روش اختیار فرمائی، اور بعض صحابہؓ کی مخالفت کے باوجود جس طرح معاہدہ کی تکمیل کی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شرعی سیاست کے فیصلے کس قدر جذبات سے بالا ہو کر حقیقت شناسی اور دور رسی کے حامل ہوتے ہیں۔

صلح حدیبیہ کی قابل اعتراض دفعات اس معاہدہ کی چند شرطیں جو ناقابل قبول تھیں

لہ ملاحظہ ہو الطرق و تبصرۃ الحکام،

یہ ہیں:

(ا) عہدنامہ کی ابتداء میں اسلامی دستور کے مطابق "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" نہ لکھا جائے بلکہ عرب کے قدیم دستور کے مطابق "باسمک اللھم" لکھا جائے۔

(ب) یہ تحریر محمدؐ رسول اللہ کی طرف سے نہ ہو بلکہ محمد بن عبداللہ کی طرف سے ہو۔

(ج) اس سال حرم کے مہینہ میں بھی عمرہ کی اجازت نہ ہوگی۔ جب کہ حرم کے مہینہ میں لڑائی وغیرہ بند رہتی تھی اور سب کو عمرہ کی اجازت ہوتی تھی۔

(د) محمدؐ کے پاس ہمارا آدمی اگر بھاگ کر جائے تو محمدؐ اس کو واپس کر دیں لیکن ان کا آدمی اگر بھاگ کر ہمارے پاس آئے گا تو ہم واپس نہ کریں گے۔

ظاہر ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وہی شخص بھاگ کر پناہ کے لیے آسکتا تھا، جو اسلام قبول کرنے کے بعد مکہ والوں کی سفاکی سے تنگ آچکا ہوتا، ایسی حالت میں اس شخص کو دوبارہ مکہ واپس کر دینا گویا آگ کے الاؤ میں جھونک دینے کے برابر تھا، لیکن رسول اللہ نے صحابہؓ کے "انکار پر" اصرار کے باوجود دوسری شرطوں کی طرح اس شرط کو بھی منظور فرما لیا اور بعد میں چند مسلمان جب پناہ کے لیے مدینہ آئے تو آپؐ نے انہیں حسب معاہدہ فوراً واپسی کا حکم دیا۔[1]

سوچنے کی بات یہ ہے کہ رسول اللہ نے اس موقعہ پر اجتماعی مفاد کے تحفظ اور مستقبل کی تعمیر کی خاطر جذباتی چیزوں اور انفرادی مفاد کو کس طرح نظر انداز کیا تھا؟ اور بڑی چیز کی خاطر چھوٹی چھوٹی چیزوں کو نظر انداز کرنے کا کیسا نمونہ پیش کیا تھا۔؟

جنگ کے زمانہ میں مکہ کے لوگوں کی امداد

(۲) معاہدہ سے پہلے جنگ کے زمانہ میں جب مکہ کے لوگ قحط سے دوچار ہوئے تو رسول اللہ نے اُن کی درج ذیل طریقوں سے مدد فرمائی۔

(ا) یمامہ سے جو رسد جاتی تھی اور اسلامی قبضہ ہونے کی وجہ سے بند ہو گئی تھی اس کو

---

[1] بخاری ج ۲ باب غزوہ خیبر صـ ۶۰۳ و مسلم باب غزوہ خیبر صـ ۱۱۱ اور اسلام کا زرعی نظام صـ ۸۱ و ۸۲۔

حسب سابق جاری کر دیا[1]

(ب) غرباء و فقراء کی امداد کے لیے پانچ سو اشرفیاں روانہ کیں[2]

(ج) مختلف سامانِ ضرورت کھجور وغیرہ ابوسفیان کو بھیج کر معاوضہ میں جانوروں کی کھالیں طلب کیں تاکہ درآمد برآمد کا توازن برقرار رہے[3]

حطیم کو خانہ کعبہ میں شامل نہ کرنے سے استدلال

حطیم خانہ کعبہ کا ایک حصہ تھا اور کعبہ سے علیحدہ تھا، رسول اللہ نے خانہ کعبہ کے ساتھ اس کو شامل نہیں فرمایا اور یہ وجہ بیان کی:

لولا حداثة عهد قومك بالله لنقضت الكعبة ولجعلتها على اساس ابراهيم[4]

اگر تیری قوم نئی نئی کفر سے اسلام کی طرف نہ آئی ہوتی تو میں کعبہ توڑ کر اساس ابراہیم پر اس کی تعمیر کراتا اور حطیم کو اس میں شامل کر دیتا۔

اس فیصلہ سے نووی شارح مسلم نے درج ذیل اصول اخذ کیے ہیں جن سے زندگی کے عام حالات و معاملات میں رہبری حاصل ہوتی ہے۔

(ا) بڑی چیز کی خاطر چھوٹی چھوٹی چیزوں کو نظر انداز کر دینا چاہیئے۔

(ب) تالیف قلب اور لوگوں کی دل جوئی کا حتی الامکان خیال رکھنا چاہیئے۔

(ج) کسی ایسی چیز سے تعرض نہ کرنا چاہیئے جو زیادہ اہم نہ ہو لیکن قومی رعیت کی بنا پر اس کی وجہ سے نفرت پیدا ہونے کا اندیشہ ہو[4]

حالات و زمانہ کی رعایت سے حکم کی تبدیلی کی مثالیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجتماعی حالات کے پیش نظر کوئی حکم دیا یا کسی چیز سے منع کیا پھر جب حالات بدل گئے یا اس میں ضرر کا اندیشہ ہوا تو اس میں تبدیلی فرمادی مثلاً:

---

[1] سیرت ابن ہشام از رسول اللہ کی سیاسی زندگی، [2] مبسوط للسرخسی ج اور شرح السیر الکبیر از اسلام کا زرعی نظام صـ ۸۳، [3] حوالہ بالا، [4] مسلم ج ۱ صـ ۴۲۹ نقص الکعبہ و بنائہا

(ا) قربانی کا گوشت تین دن سے زائد ذخیرہ بنا کر رکھنے سے روک دیا تھا تاکہ گاؤں کے لوگ محروم نہ رہیں، پھر جب آپ سے شکایت کی گئی اور مختلف قسم کی ضرورتیں بیان ہوئیں تو آپؐ نے اجازت دے دی اور فرمایا:

انما کنت نھیتکم للدافۃ التی دفت فکلوا وتصدقوا وتزودوا۔[1] — میں نے باہر کے لوگوں کی وجہ سے منع کیا تھا اب کھاؤ، خیرات کرو اور ذخیرہ بنا کر رکھو۔

(ب) ایک مرتبہ سفر میں زادِ راہ کم ہوگیا اور لوگ مفلس ہوگئے رسول اللہؐ سے اونٹوں کو ذبح کرنے کی اجازت چاہی گئی، آپ نے ضرورت کے پیشِ نظر اجازت دے دی، پھر حضرت عمرؓ نے کہا:

یا رسول اللہ ما بقاءھم بعد ابلھم۔ — یا رسول اللہ! اونٹوں کے بعد یہ کیسے زندہ رہیں گے؟

رسول اللہؐ نے اجازت منسوخ کرکے فرمایا:

نادوا فی الناس یاتون بفضل ازوادھم فبسط لذلک نطع وجعلوہ علی النطع۔[2] — لوگوں میں اعلان کردو کہ زاید توشہ جمع کریں پھر دسترخوان بچھایا گیا اور لوگوں نے دسترخوان پر رکھا۔

(ج) اجنبی عورتوں کی طرف دیکھنے سے منع کیا گیا ہے، تاکہ وساوسِ شیطان وفساد کا دفعیہ ہو اور اللہ کی حرمتیں محفوظ رہیں لیکن جس سے شادی کا ارادہ ہو رسول اللہ نے اس کو دیکھنے کی اجازت دی تاکہ بعد میں ندامت نہ ہو اور ازدواجی زندگی خوش گوار رہ سکے۔ آپ نے فرمایا

انظر الیھا فانہ احری ان یؤدم بینکما۔[3] — اس کو دیکھ لو اس سے آپس میں الفت ومحبت کی زیادہ امید ہے۔

(د) مکہ کی حرمت برقرار رکھتے ہوئے رسول اللہؐ نے فرمایا:

انما احلت لی ساعۃ من النھار — وہ تھوڑی دیر کے لیے خاص میرے واسطے

---

[1] طحاوی ومسلم کتاب الاضحیہ، [2] القسطلانی ج ۴ صفحہ ۲۸۴، [3] شرح معانی الآثار ج ۲ صفحہ ۸

ثم ھی حرام الی یوم القیمۃ۔ | حلال کیا گیا تھا پھر وہ بدستور قیامت تک کے لیے اپنی اصلی حرمت میں آگیا۔

پھر حرمت کے احکام بیان کرتے ہوئے فرمایا:

لا یعضد شجرھا ولا ینفر صیدھا۔ | اس کے درخت نہ کاٹے جائیں اور شکار نہ بھگائے جائیں۔

اس پر حضرت عباسؓ نے کھڑے ہو کر کہا:

یا رسول اللہ الا اذخر فانہ لقبورنا و بیوتنا۔ | یا رسول اللہ اذخر (ایک گھاس) کی ممانعت میں بڑی دشواری ہوگی کیونکہ قبروں اور گھروں کے کام آتی ہے۔

رسول اللہ نے فرمایا:

الا اذخر[1] | اچھا اذخر کی اجازت ہے۔

قتل منافقین کی ممانعت

رسول اللہ نے منافقین کے قتل کرنے سے منع کر دیا تھا تاکہ لوگوں کی نفرت اور یہ کہنے کا سبب نہ بنے کہ محمدؐ اپنے ساتھیوں کو قتل کر دیتے ہیں: حالانکہ وہ طرح طرح کے فتنہ و فساد پھیلاتے رہتے تھے لیکن:

ومصلحۃ التالیف اعظم من مصلحۃ القتل[2] | تالیف قلب کی مصلحت قتل کی مصلحت سے زیادہ بڑی ہے۔

پھر جب یہ اندیشہ نہ رہا اور اسلام کے غلبہ سے تالیف قلب کی مصلحت پہلی جیسی نہ رہ گئی تو یہ حکم بھی منسوخ ہو گیا؛ چنانچہ:

انما النفاق ای حکم بعدم التعرض لاھلہ والستر علیھم | نفاق سے عدم تعرض کا حکم رسول اللہ کے زمانہ میں چند مصلحتوں کی وجہ سے تھا اور وہ

---

[1] ابوداؤد باب تحریم مکہ، [2] اعلام الموقعین ج ۳ فصل فی سد الذرائع صـ ۱۲۲،

كان على عهد رسول الله المصالح كانت مقتصرة على ذلك الزمان اما اليوم فلم تبق تلك المصالح[۱]
اسی زمانہ تک محدود تھا لیکن آج (عہد حذیفہ) نہ وہ مصلحتیں باقی رہیں اور نہ وہ حکم باقی رہا۔

نہی عن المنکر میں بے اصولی کی ممانعت

(۳) نہی عن المنکر کس قدر تاکیدی حکم ہے کہ جس کے لیے رسول اللہؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان یستطع فیقلبہ وذلک اضعف الایمان[۲]
جو شخص تم میں سے منکر کو دیکھے تو اس کو اپنے ہاتھ سے بدل دے اگر اس کی طاقت نہ رکھے تو زبان سے روکے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ رکھے تو دل میں بُرا سمجھے اور یہ نہایت کمزور ایمان کی بات ہے۔

لیکن جب کسی بُرائی پر روک ٹوک کرنے سے اس سے زیادہ بڑی بُرائی میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہو تو روک ٹوک کرنا جائز نہیں ہے۔

حکومت اور حاکموں کا بُرائی میں مبتلا ہو جانا فتنہ وفساد کی جڑ ہے، لیکن جب صحابہ کرامؓ نے رسول اللہؐ سے اُن امیروں کی اطاعت سے باز رہنے کی اجازت چاہی جو دینی لحاظ سے ناپسندیدہ ہوں، تو آپؐ نے فرمایا:

لا ما اقاموا فیکم الصلوۃ[۳]
نہیں جب تک وہ تم میں نماز قائم کرتے ہیں

اسی طرح آپؐ نے فرمایا:

من رای من امیرہ ما یکرھہ فلیصبر[۴]
جو شخص اپنے امیر کی جانب سے ناگوار باتیں دیکھے تو اس کو صبر کرنا چاہیئے۔

بُرائی پر روک ٹوک کرنے سے چار قسم کے اثرات مرتب ہوتے ہیں:۔

---

[۱] حاشیہ مشکوٰۃ باب الکبائر وعلامات النفاق، [۲] مشکوٰۃ باب الامر بالمعروف، [۳] مشکوٰۃ کتاب الامارۃ والقضاء، [۴] بخاری ومسلم از مشکوٰۃ حوالہ بالا،

۱۔ برائی کی جگہ بھلائی آجائے۔

۲۔ برائی کم ہو جائے اگرچہ ختم نہ ہو۔

۳۔ ایک برائی کی جگہ دوسری برائی آجائے۔

۴۔ برائی کی جگہ اس سے زیادہ بڑی برائی آجائے۔

پہلی دو صورتوں میں نہی عن المنکر کی اجازت ہے، دوسری صورت میں اجتہاد کی گنجائش ہے اور تیسری میں حرام ہے۔

"نہی عن المنکر" میں بے اصولی برتنے کے نتائج کو ابن قیمؒ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے

ومن تامل ما جری علی الاسلام فی الفتن الکبار و الصغار رآھا من اضاعة ھذا الاصل وعدم الصبر علی منکر فطلب ازالته فتولد منه ما اکبر منه۔[1]	اسلام میں جتنے چھوٹے بڑے فتنے ظاہر ہوئے ہیں ان میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہی عن المنکر کے اسی اصل پر عمل نہ کرنے اور منکر پر صبر نہ کرنے کی وجہ سے ظاہر ہوئے ہیں۔ لوگوں نے ان کو زائل کرنا چاہا اور نتیجہ یہ ہوا کہ اس سے بڑی برائیاں رونما ہو گئیں

ابن قیمؒ نے اپنے استاد علامہ ابن تیمیہؒ کا ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ وہ فتنہ تاتار کے زمانہ میں اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ کچھ ایسے لوگوں پر گذرے جو شراب پی رہے تھے ساتھیوں نے اُن کو شراب سے روکنا چاہا، لیکن ابن تیمیہؒ نے اُن کو روکنے سے باز رکھا اور کہا:

انما حرم الله الخمر لانها تصد عن ذکر الله وعن الصلوة وھؤلاء یصدھم الخمر عن قتل النفوس وسبی الذریة واخذ الاموال فدعھم[2]	اللہ نے اس لیے شراب سے منع کیا ہے کہ وہ اللہ کے ذکر اور نماز سے روکتی ہے۔ لیکن ان لوگوں کو شراب لوگوں کے قتل کرنے، اولاد کو قید کرنے اور ناحق مال لینے سے روکتی ہے۔ ان کو اسی حالت پر چھوڑ دو۔

---

[1] اعلام الموقعین ج۳ فصل فی تغییر الفتوی ص۲۸، [2] اعلام الموقعین ج۳ فصل تغیر الفتوی ص۲۹

زمانہ جنگ میں حدود قائم کرنے کی ممانعت

(۳) روایتوں میں حدود قائم کرنے کی کتنی فضیلت اور تاکید ہے کہ حضرت علی رضؓ سے منقول ہے :-

فان اقامة الحد من العبادات کالجھاد فی سبیل اللہ[1] حدود کا قائم کرنا ایسا ہے جیسا اللہ تعالے کے راستہ میں جہاد ۔

لیکن خود رسول اللہؐ نے زمانہ جنگ اور دشمن کی سرزمین میں حدود قائم کرنے سے منع کیا ہے ۔

یقول لا تقطع الایدی فی المغزو[2] رسول اللہؐ فرماتے تھے کہ غزوہ میں ہاتھ نہ کاٹے جائیں ۔

ایک اور روایت میں ہے :

لا تقطع الایدی فی السفر[3] سفر میں ہاتھ نہ کاٹے جائیں ۔

اراضی کے مختلف انتظامات

(۵) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مفتوحہ اراضی کے مختلف انتظامات کیے تھے ۔

پہلے تمام مفتوحہ اشیاء کو اللہ کی ملک قرار دیا۔ جب کہ آپؐ سے پہلے بادشاہ کے مقرر حصہ کے علاوہ کل مال لڑنے والوں کا ہوتا تھا[4] پھر عام مفاد کے پیش نظر غازیوں میں تقسیم کر دیا یا اصل باشندوں کے پاس رہنے دیا۔ یہی دو صورتیں اس زمانہ میں قابل عمل تھیں ۔

ہر شئی کا حقیقی مالک اللہ کو قرار دینا اور انسان کی ملکیت کو "امانت" کی حیثیت دینا خود اموال کی تنظیم و تقسیم کے لیے ایک وسیع باب کھولنا اور حالات و زمانہ کی رعایت و ضرورت سے حکومت کو کسی ایک طریقہ میں محدود نہیں رکھتا ہے ۔

اسلامی نقطۂ نظر سے موجودہ دور کی انفرادی و اجتماعی بحثوں کی کوئی اہمیت نہیں ہے ۔ یہ محض ضمنی و عارضی ہیں، اگر افراد میں تقسیم کرنے سے خلق اللہ کا عام مفاد ہے تو ذرائع پیداوار فرداً فرداً تقسیم کر دیے جائیں جیسا کہ پہلے ہوتا رہا ہے، اور اگر اجتماعی طور سے کاشت کرانے

---

[1] السیاسۃ الشرعیہ صفحہ ۹۸، [2] مشکوٰۃ باب قطع السرقہ، [3] ابو داؤد و نسائی از مشکوٰۃ باب قطع السرقہ، [4] الاحکام السلطانیہ صفحہ ۱۳۲، ۱۳۱

میں عام نفع ہو تو اس کے لیے بھی کوئی رکاوٹ نہیں ہے، جیسا کہ آج کی ضرورتیں اس کے لیے مجبور کر رہی ہیں۔

مفاد عامہ کے پیش نظر انتظام کی تفصیل!!

چنانچہ عام مفاد کے پیش نظر رسول اللہؐ کے انتظام کی تفصیل یہ ہے!

(ا) خیبر فتح ہونے کے بعد پوری زمین: ورا اللہ کی ملک قرار دی گئی اور رسول اللہ نے اس طرح تقسیم کیا:

(۱) زمین کا کچھ حصہ فوجیوں کو دے دیا۔

(۲) بقیہ حصہ اصل باشندوں کے پاس رہنے دیا اور پیداوار میں حکومت و اصل باشندے دونوں کو شریک کیا:

بحیثیت مجموعی پوری زمین خلافت کے انتظام و نگرانی میں رہی، سرکاری قانون اور ٹیکس سے نہ فوجی مستثنیٰ قرار پائے اور نہ اصلی باشندے[1]

(ب) وادی القریٰ کی کل زمین آپؐ نے اصل باشندوں کے پاس رہنے دی، پہلے ان سے اس شرط پر مصالحت ہوگئی تھی کہ زمین کی تہائی پیداوار خلافت کی ہوگی اور دو تہائی کاشتکار کی ہوگی، لیکن جب یہ لوگ صلح پر قائم نہ رہے تو ان سے جنگ ہوئی اور فتح ہونے کے بعد خلافت کے زیر انتظام و نگرانی مفتوحہ زمین انہیں کے پاس رہنے دی گئی[2]

(ج) بنو نضیر اموال و جائداد چھوڑ کر چلے گئے تھے اس طرح بلا جنگ و جدل ان کی زمین پر قبضہ ہو گیا تھا۔

رسولؐ اللہ نے قبضہ ہونے کے بعد انصار و مہاجرین سب کو جمع کر کے انصار کو اس طرح مخاطب کیا:

---

[1] نصب الرایہ ج ۳ کتاب السیر و ابو داؤد باب حکم ارض خیبر و کتاب الاموال صفحہ ۶۰۹ و کتاب الخراج لیحیٰی بن آدم قرشی صفحہ ۲۷، ۳۶، ۳۸، ۳۹ و ۲۱ و ۲۰۔

[2] کتاب الاموال و حاشیہ صفحہ ۳۰۵ و فتوح البلدان ج ۱ و نووی شرح مسلم ج ۲ صفحہ ۹۲۔

"دیکھو تمہارے مہاجرین بھائیوں کے پاس، مال و دولت کچھ نہیں ہے، وہ سب لُٹ لٹا کر یہاں (مدینہ) پہنچے ہیں، اگر تم چاہو تو یہ بنو نضیر کا مال اور جو کچھ تمہارے پاس تمہارا ذاتی مال ہے ان سب کو اکٹھا کر کے تم سب میں تقسیم کر دیا جائے اور یا یہ کرو کہ اپنا مال اپنے پاس ہی رکھو لیکن یہ مال مہاجرین میں تقسیم کر دیا جائے۔"

انصار نے جواب میں عرض کیا:

"یا رسول اللہ یہ مال تو آپ پورا انہیں میں تقسیم کر دیجئے اور ہمارے پاس کے اموال میں سے جو آپ چاہیں ان لوگوں کو دے دیجئے، آپ کو اس میں بالکلیہ اختیار ہے۔" [1]

پھر رسول اللہ نے اُن کی زمینیں خلافت کے زیر انتظام مسلمانوں میں تقسیم کر دی تھیں

(د) بنو قریظہ نے اپنے ہی حلیف قبیلہ کے ایک شخص حضرت سعدؓ کو حکم تسلیم کیا تھا ان کے فیصلہ کے مطابق رسول اللہؐ نے فتح ہونے کے بعد اُن کی زمینیں بھی خلافت کے زیر انتظام مسلمانوں میں تقسیم کر دی تھیں [2]

(ر) مکہ فتح ہونے کے بعد حسب قانونِ خلافت تمام زمین اللہ کی ملک قرار دی گئی اور خلافت کے زیر انتظام اصل باشندوں کے پاس رہنے دی گئی۔ [3] حتیٰ کہ مسلمان مہاجرین جو مکہ سے اجڑ کر مدینہ گئے تھے اور ان کی زمین و جائیداد پر اہل مکہ نے قبضہ کر لیا تھا فتح حاصل کرنے کے بعد جب ان لوگوں نے رسول اللہؐ سے زمین و جائیداد واپس دلانے کی درخواست کی تو آپ نے اس کو بھی نامنظور فرمایا اور وہ بھی قبضہ کرنے والوں کے پاس رہنے دی [4]

غرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مفاد عامہ کے پیش نظر جس علاقہ میں جو صورت مناسب سمجھی وہ اختیار فرمائی۔ کسی ایک صورت میں آپ کا انتظام محدود نہیں تھا۔

---

[1] الخراج لیحیی ص ۳۲، [2] کتاب الاموال ص ۸، فتوح البلدان ج ۱ و ابن ہشام ص ۶۵۲، فتوح البلدان ج ۱ و بخاری ج ۲ و مسلم ج ۲ و الاموال ص ۱۲۹، [3] الاموال ص ۷۲، و الخراج لابی یوسف ص ۵۸، [4] زاد المعاد ج ۱ ص ۳۲۰،

"اراضی" پر تفصیلی بحث کے لیے راقم کی کتاب "اسلام کا زرعی نظام" مطالعہ کرنا چاہیئے۔

رسول اللہ کے مخصوصات سے استدلال

(۶) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے مخصوصات جن کو یہ کہہ کر نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ کہ وہ کسی قاعدہ و قانون کے تحت نہیں آتے ہیں، اگر غور سے دیکھا جائے تو ان میں حالات و اشخاص کی رعایت سے سیاست شرعیہ کے تحت حکم کی تبدیلی کا ثبوت ملتا ہے۔ مثلاً:۔

(ل) ایک شخص نے رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں نے ایسے جرم کا ارتکاب کیا ہے جس سے میرے اوپر حد لازم آتی ہے، آپ حد جاری کر دیجئے، اس پر آپ نے فرمایا:

الیس قد صلیت معنا قال نعم قال فان اللہ قد غفر لک ذنبک او حدک[1]

کیا تم نے ہمارے ساتھ نماز نہیں پڑھی اس نے عرض کیا ہاں پڑھی ہے، آپ نے فرمایا اللہ نے تمہارا قصور معاف کر دیا۔

معافی کا اثر اس شخص پر یہ ہوا کہ اس نے شراب نوشی سے ہمیشہ کے لیے توبہ کر لی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ اس نے کہا آپ کے کوڑوں کے خوف سے شراب ترک کرنے میں اپنی توہین سمجھتا تھا لیکن جب آپ نے مجھے معاف کر دیا تو واللہ اس ملعون کو کبھی ہاتھ نہ لگاؤں گا۔[2]

(ب) زنا کے ایک واقعہ میں مجرم کی جگہ غیر مجرم پکڑ لیا گیا اور رسول اللہؐ نے اس کو سزا کا حکم بھی سنا دیا، لیکن بعد میں مجرم نے خود ہی اپنے جرم کا اقرار کر لیا اور ماخوذ شخص کو اس سے بری قرار دیا، یہ صورت دیکھ کر رسول اللہؐ نے دونوں کی سزا معاف کر دی ماخوذ شخص کی اس بنا پر کہ وہ اصل مجرم نہ تھا اور مجرم کی اس بنا پر کہ محض دوسرے کی جان اور حق کے تحفظ کی خاطر اپنے جرم کا اقرار کر لیا۔

حضرت عمرؓ نے اس خیال سے کہ اعترافِ جرم کے بعد سزا نہ دینا مجرم کی حوصلہ افزائی ہے۔

---

[1] مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ، [2] اعلام الموقعین فصل فی تغیر الفتویٰ،

رسول اللہ ﷺ سے سزا دینے کی درخواست کی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس نے اللہ کی طرف رجوع کر لیا ہے،

الفاظ یہ ہیں :-

قال عمر ارجم الذی اعترف بالزنا فابی رسول اللہ فقال لانہ قد تاب الی اللہ [1]	حضرت عمرؓ نے کہا کہ آپ اس شخص کو رجم کیجئے جس نے زنا کا اقرار کیا ہے تو آپ ﷺ نے انکار کیا اور فرمایا، اس لیے کہ اللہ کی طرف اس نے رجوع کر لیا ہے۔

سوالات کے مختلف جوابات اور دعوت وتبلیغ کی خاص روش سے استدلال

(۷) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشخاص وحالات کے لحاظ سے سوالات کے مختلف جوابات دیے ہیں مثلاً کسی کے لیے نماز سب سے افضل قرار دی اور کسی کے لیے جہاد کو افضل بنایا اور کسی سے والدین کی خدمت کو افضل فرمایا وغیرہ :

(۸) دعوت وتبلیغ میں رسول اللہ نے خاص روش اختیار کی ہے، مثلاً :-

(ا) ابتداء میں انہیں باتوں کی دعوت دی جو بنیادی تھیں۔

(ب) قدر مشترک پر جمع کرنے کی کوشش کی۔

(ج) کسی ایسی چیز سے تعرض نہیں کیا جو زیادہ اہم نہ تھی لیکن قومی رغبت کی وجہ سے عمومی نفرت کا اندیشہ تھا۔

(د) ان باتوں سے چشم پوشی کی جن سے انتشار وافتراق کا اندیشہ تھا۔

(ر) بہت سی مباح اور جائز باتوں سے روک دیا جن کی وجہ سے برائی تک پہنچنے کا اندیشہ تھا۔

(س) غلامی وغیرہ کی منسوخی میں نرمی اور سہولت سے کام لیا جن سے سماجی زندگی مختل

---

[1] نسائی واعلام الموقعین حوالہ بالا۔

ہونے کا اندیشہ تھا۔

اس طرح رسول اللہؐ کی زندگی میں بکثرت مثالیں ملتی ہیں۔

صحابہ کے فیصلوں کی نوعیت

(۴) صحابہ کرام کی زندگی سے حالات و زمانہ کی رعایت کا ثبوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کرام نے بہت سے احکام کے موقع و محل متعین کیئے تھے اور انتظامی احکام کا اضافہ کیا تھا۔ ان سب کی گنجائش قرآن وسنت میں موجود تھی۔

اس اضافہ وتعیین سے یہ سمجھنا کہ ان حضرات نے قانون سازی کا سب سے بڑا سرچشمہ اپنے اجتہاد کو قرار دیا تھا، اور قرآن وسنت کو اس کے بعد کا درجہ دیا تھا"

ناواقفیت پر مبنی اور اجماع امت کے خلاف ہے۔

بدقسمتی سے شرعی امور میں تحقیق کا وہی معیار قائم ہوگیا ہے جو یورپ میں مشرقی علوم کا رائج ہے جس میں کیفیت سے زیادہ کمیت پر زور دیا جاتا ہے اور دماغ سے زیادہ ہاتھ پاؤں کی طاقت درکار ہوتی ہے۔

مروجہ ادب و تاریخ میں یہ معیار شاید زیادہ محلِ نظر نہ قرار دیا جائے لیکن شخصی و شرعی امور میں یہ معیار یقیناً محلِ نظر اور حقیقت سے دور کردینے والا ہے، پوری زندگی سے صرف نظر کرکے چند واقعات کو کلی شکل میں پیش کرنا یا انسان کی جزوی ضرورت کو کلی فلسفہ کی شکل دے دینا موجودہ دور کی ایسی فکری گمراہی ہے کہ جس میں بہت اونچے درجہ کے "اسکالر" اور نظریات کے بانی تک مبتلا ہیں۔

شخصی اور شرعی امور میں موجودہ تحقیق کا معیار ناقص ہے

چنانچہ شخصی امور میں خوابوں، لغزشوں، ظرافتوں اور خاص طور پر عصبی اختلال کو بنیاد بناکر "نظریہ جنسیت" ایجاد کیا گیا اور لاشعور کو جنسی خواہش کی اُبلتی ہوئی دیگ تسلیم کرکے اس میں تمام تر جنسی خواہش کا جذبہ مانا گیا جس کی بناء پر زندگی کی اعلیٰ سرگرمیاں (علم و ہنر، فلسفہ و اخلاق وغیرہ) تک سب انسان کی ناقابل تسکین اور جبوراً ترک کی ہوئی جنسی خواہشات کے بہلانے کا ذریعہ قرار پاتی ہیں۔

اسی طرح انسان کی معاشی ضرورت کو کلی فلسفہ کی شکل دی گئی اور پیداوار و طریق پیداوار کو زندگی کا نصب العین قرار دے کر خدا، روح، مذہب و اخلاق وغیرہ کو انسان کے وضع کردہ ثابت کیا گیا ہے۔

جب شخصی امور میں تحقیق کا یہ انداز چل رہا ہے تو اگر شرعی امور میں چند ضعیف و موضوع روایتوں کو دیکھ کر یا صحیح حدیثوں کا موقع و محل متعین نہ کر سکنے کی وجہ سے پورے ذخیرۂ احادیث کا انکار کر دیا جائے تو اس میں تعجب کی کون سی بات ہے؟

موجودہ دور میں بہت سے "اسکالر" جن نظریات سے متاثر ہیں ان کے پیش نظر یہ بات نہایت معمولی درجہ کی ہے کہ چند واقعات کو غلط رنگ دے کر خلفاء راشدین کو قرآن و سنت کا نظر انداز کرنے والا ثابت کریں۔ ان سے تو اس بات کے ثابت کرنے کی توقع رکھنی چاہیئے کہ خلفاء کے پاس زندگی کے ایسے نظریات و تصورات تھے ہی نہیں جو ان کی مادی زندگی کو متعین کرتے تھے بلکہ خود مادی زندگی ان کے تصورات و نظریات کو متعین کرنے والی تھی جس کی بناء پر ان لوگوں نے مادی ضرورت کے پیش نظر یہ مدنی ضابطوں کی کوئی پرواہ کی اور نہ قرآن و سنت کو کوئی اہمیت دی۔

قیاس اور رائے کے بارے میں صحابہؓ کے چند اقوال!!

غرض قطع و برید کے اس عمل اور ریسرچ و تحقیق کے اس انداز سے عقل و ہوس کی موشگافیاں اور سر مستیوں کے لیے سامان تو فراہم ہو سکتا ہے لیکن زندگی اور شریعت کا کوئی مسئلہ نہیں حل ہوتا ہے۔

ذیل میں چند اقوال پیش کیے جاتے ہیں جن سے اندازہ ہو سکے گا کہ صحابہ کرام اور بالخصوص خلفائے راشدین کے کس حد تک قرآن و سنت کو اپنی زندگی میں سمویا تھا، اور کس قدر نظر انداز کیا تھا؛

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے ایک موقع پر فرمایا:۔

ای سماء تظلنی وای ارض	کون آسمان مجھ پر سایہ کرے گا اور کون زمین
تقلنی اذا قلت فی کتاب اللہ	مجھے اٹھائے گی جب میں اللہ کی کتاب

برائی [1] — میں اپنی رائے سے کچھ کہوں گا۔

حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے:

ایاکم واصحاب الرأی فانھم اعداء السنن اعیتھم الاحادیث ان یحفظوھا فقالوا بالرأی [2]

لوگو! اصحاب رائے سے اپنے کو بچاؤ، وہ سنت کے دشمن ہیں، احدیث محفوظ رکھنے سے عاجز ہیں اس لیے اپنی رائے سے کہتے ہیں۔

حضرت علیؓ کا قول ہے:۔

لو کان الدین یوخذ قیاسًا لکان باطن الخف اولی بالمسح من ظاھرہ [3]

اگر دین قیاس سے حاصل کیا جاتا تو موزے کے نچلے حصہ پر مسح کرنا اوپر کے حصہ پر مسح کرنے سے زیادہ بہتر ہوتا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا:

یذھب قراءکم وصلحاءکم ویتخذ الناس رؤساجھالا یقیسون الامور برأیھم [3]

تمہارے اہل علم اور صلحاء رخصت ہو جائیں گے اور لوگ جاہلوں کو سردار بنالیں گے وہ معاملات میں اپنی رائے سے قیاس کریں گے

اس قسم کے اقوال وتاثرات کی موجودگی میں قرآن وسنت کو نظر انداز کرنے یا قانون سازی کا اولین سرچشمہ اپنے اجتہاد کو قرار دینے کی بات نہایت لغو اور بے معنی قرار پاتی ہے

صحابہ نے ضابطے کے تحت قیاس اور رائے کو استعمال کیا

صحابہ کرامؓ نے جن صورتوں میں حالات وزمانہ کی رعایت سے قیاس اور رائے کے استعمال کو ضروری جانا، قرآن وسنت کی روشنی میں اس کے لیے ضابطہ مقرر فرمایا ہے، چنانچہ حضرت عمرؓ نے ابوموسیٰ اشعریؓ کو بصرہ کی امارت سپرد کرتے وقت جو فرمان دیا تھا اس میں قیاس کا یہ اصول درج تھا۔

---

[1] منہاج الاصول للبیضاوی باب القیاس فی بیان انہ حجۃ، [2] ایضاً۔ [3] ایضاً

اعرف الاشباہ والنظائر وقس الامور برأیک[1] — اشباہ اور نظائر کی معرفت حاصل کرو اور ان پر پیش آمدہ امور کو قیاس کرو۔

اس اصول کو قرآنی ہدایات اور مقاصد دین سے حاصل کیا گیا تھا جس کے بعد قرآن و سنت کی مخالفت یا نظر انداز کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً قرآن حکیم میں ہے۔

فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ[2] — پس اعتبار کرو اے آنکھوں والے

احکام و مسائل میں فقہا نے اعتبار کا یہ مطلب بیان کیا ہے:۔

رد الشئ الی نظیرہ ای الحکم علی الشئ بما ھو ثابت لنظیرہ[3] — شے کو اس کی نظیر کی طرف پھیرنا یعنی جو حکم اس کی نظیر کا ہے وہی حکم اس شے کا قرار دینا۔

قرآن حکیم میں صاحب صلاحیت افراد کو تفقہ فی الدین کی طرف خصوصی توجہ دلائی گئی ہے۔

لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ[4] — تاکہ دین میں فہم و بصیرت حاصل کریں۔

نیز کتاب کے ساتھ حکمت کی تعلیم رسول اللہ کی بعثت کا مقصد ٹھہرایا گیا ہے۔

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ[5] — اور رسول کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

ان کے علاوہ بہت سے احکام اور اصول کی علتیں، غائتیں اور حکمتیں بیان کر دی گئی ہیں جن سے استنباط و استخراج کی راہیں کھلتی ہیں اور صریح کے ساتھ پیش آمدہ غیر صریح کو شامل کرنے میں سہولت ہوتی ہے۔

خود رسول اللہ نے اس کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے

خود رسول اللہ صلی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل یہ تھا کہ وحی کے ذریعہ جن معاملات کی وضاحت نہ ہوتی ان میں اپنی رائے اور اجتہاد سے

---

[1] منہاج الاصول للبیضاوی باب القیاس فی بیان انہ حجۃ و تاریخ التشریع الاسلامی دوسرا دور فقہ کبار صحابہ میں۔ [2] سورۂ حشر رکوع ۱، [3] توضیح تلویح فی القیاس، [4] سورۂ توبہ رکوع ۱۵، [5] سورۂ آل عمران رکوع ۱۷،

سے حکم صادر فرماتے تھے چنانچہ ایک موقع پر آپؐ نے فرمایا:

اذا امرتکم بشیء من رائی فانما انا بشر [1]	جب میں اپنی رائے سے کوئی حکم دوں تو میں بشر ہوں۔

اسی طرح حالات و زمانہ کی رعایت سے جس قدر نظم و انتظام میں تبدیلی ناگزیر ہوتی ہے۔ اور اس کی وجہ سے احکام کے موقع و محل کی تعیین ضروری ہوتی ہے، ان سب کے متعلق رسول اللہؐ نے فرمایا:

ان کان شیئاً من امر دنیا کم فشانکم به [2]	اگر تمہارے دینوی امور سے کچھ متعلق ہے تو اس کا حال تم جانتے ہو۔

اور معاذ بن جبلؓ کو یمن بھیجتے وقت اس طرح فہمائش کی:۔

کیف تقضی اذا عرض لك قضاء قال اقضی بکتاب الله قال فان لم تجد فی کتاب الله تعالیٰ قال فبسنة رسول الله قال فان لم تجد فی سنة رسول الله قال اجتهد برائی ولا آلو قال علیه السلام الحمد لله الذی وفق رسول رسول الله لما یرضی به رسول الله [3]	رسول اللہؐ نے پوچھا کہ مقدمات میں کیسے فیصلے کرو گے، جواب دیا کتاب اللہ کے مطابق اگر کتاب اللہ میں صراحت نہ ہو تو کیا کرو گے۔؟ عرض کیا، رسول اللہ کی سنت کے مطابق فیصلہ کروں گا، اگر سنت میں بھی صراحت نہ ہو تو کیا کرو گے؟ جواب دیا کہ اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور کوتاہی نہ کروں گا اس پر رسول اللہؐ خوش ہوئے اور فرمایا اللہ کا شکر ہے کہ اس نے رسول کے فرستادہ کو رسول کی پسندیدہ بات پر عمل کرنے کی توفیق دی۔

دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہؐ نے حضرت معاذؓ اور ابو موسیٰ اشعریؓ دونوں

---

[1] مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، [2] ابن ماجہ کتاب الزراعۃ باب تلقیح النخل
[3] مشکوٰۃ باب العمل فی القضاء والخوف۔

کو یمن کے ایک ایک علاقہ کا حاکم بنا کر بھیجتے وقت فہمائش کی اور انہوں نے یہ جواب دیا۔

اذا لم نجد الحکم فی السنۃ	جب ہم سنت میں حکم نہ پائیں گے تو ایک
نقیس الامر بالامر فما کان	معاملہ کو دوسرے پر قیاس کریں گے اور جو حق
اقرب الی الحق عملنا بہ فقال	سے زیادہ قریب ہوگا اس پر عمل کریں گے، اس
علیہ السلام اصبتما[۱]	پر رسول اللہ نے فرمایا کہ تم دونوں درستی کو پہنچے،

صحابہ کا احتیاط اور مخالف قیاس حدیث کا محل

ان واضح ہدایات کے باوجود صحابۂ کرام رائے اور اجتہاد کے باب میں نہایت محتاط تھے، حالات و زمانہ کی رعایت سے جس قدر اجتہاد کی ضرورت ہوتی یا رائے استعمال کرنے کی نوبت آتی تو مقاصد شریعت اور اصول دین سے سرمو تجاوز نہ فرماتے اور اور خلاف ورزی کی صورت میں آزادانہ رائے پر سخت نکیر کرتے تھے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آزادانہ رائے استعمال کرنے کی مذمت کی ہے، چنانچہ ایک حدیث میں ہے

لم یزل امر بنی اسرائیل	بنی اسرائیل کا معاملہ ٹھیک چلتا رہا جب تک
مستقیما حتی کثرت فیھم	ان میں لونڈی زادوں کی کثرت نہیں ہوئی
اولاد السبایا فقاسوا مالم	کثرت کے بعد ان لوگوں نے نئے معاملات
یکن بما قد کان فضلوا	کو سابقہ معاملات پر قیاس کیا جس سے خود
نا ضلوا[۲]	گمراہ ہوئے اور دوسروں کو گمراہ کیا۔

(لونڈی زادوں) سے مراد غیر تربیت یافتہ ہیں جن کی علمی حیثیت ناقص اور فکری صلاحیت خام ہوتی ہے پھر بھی اپنے کو غیر معمولی حیثیت و صلاحیت کا مالک سمجھنے لگتے ہیں۔

ایسے لوگ ہر قوم میں پائے جاتے ہیں، لیکن زوال زدہ قوموں میں ان کی بڑی کثرت ہوتی ہے، جب ایسے لوگ اجتہاد کے مدعی بن کر اپنی رائے کو دخل دینے لگیں گے تو کس

---

[۱] منہاج الاصول باب القیاس فی بیان انہ حجۃ، [۲] دارمی و توضیح تلویح فی القیاس،

قدر ضلالت وگمراہی پھیلے گی؟

اظہار رائے میں صحابہؓ کا احتیاط

حدود وقیود کی نگہداشت کے باوجود صحابہ کرامؓ اظہار رائے میں بھی حد درجہ محتاط تھے چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے ایک مسئلہ کے بارے میں فرمایا:

اقول فیھا برائی فان یکن صوابا فمن اللہ فان یکن خطاء فمنی ومن الشیطان[1]

اپنی رائے سے کہتا ہوں اگر صحیح ہے تو اللہ کی طرف سے ہے اور غلط ہے تو میری اور شیطان کی طرف سے سمجھو،

حضرت عمرؓ نے ایک موقع پر فرمایا "یہ عمرؓ کی رائے ہے صحیح ہے تو خدا کی جانب سے ہے غلط ہو تو عمرؓ کی جانب سے ہے[2]

اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک فتویٰ کے بارے میں کہا کہ:

"میں اپنی رائے سے فتویٰ دیتا ہوں اگر صحیح ہے تو اللہ کی جانب سے ہے اور غلط ہے تو میری اور شیطان کی جانب سے ہے اللہ اور اس کا رسول بری ہے[3]۔

ایک مثال کے ذریعہ صحابہؓ کی حیثیت کی وضاحت

جس طرح طبیب حاذق کے فہیم شاگرد مدتوں اس کے پاس رہتے اور تجربہ کرنے کے بعد ان دواؤں کے خواص واثرات سے واقفیت حاصل کر لیتے ہیں جنہیں طبیب استعمال کرتا رہتا ہے، اسی طرح صحابہ کرام میں جو ذہین وفہیم تھے انہوں نے عرصہ تک نبوی تعلیم اور فیض صحبت سے احکام کے مقاصد اور ان کی حکمت سے واقفیت حاصل کر لی تھی۔

ان بزرگوں نے احکام کے موقع ومحل کو دیکھا تھا شریعت کے طریق نفاذ کو سمجھا تھا، اور نبوت کے فیضان سے براہ راست استفادہ کیا تھا، اس بنا پر نہ ان سے بڑھ کر کوئی مزاج شناس نبوت ہو سکتا ہے اور نہ ان کی رائے ومحل کے مقابلہ میں کسی کی رائے اور

---

[1] منہاج الاصول باب القیاس فی بیان انہ حجۃ، [2] تاریخ التشریع الاسلامی دوسرا دور فقہ عہد کبار صحابہ میں [3] حوالہ بالا

عمل کو ترجیح دی جا سکتی ہے۔ بلکہ مجموعی حیثیت سے ان کو معیار تسلیم کرنا منشاء نبوت کے مطابق ہے کیونکہ نبوت اس بات پر مامور ہوتی ہے کہ وہ ایک ایسی جماعت تیار کر دے جو بعد میں ہر حیثیت سے تعلیمات کی محافظ بن کر اس کے مقاصد کی تکمیل کر سکے۔

ظاہر ہے کہ نبیؐ بیک وقت جملہ انسانی ضرورت اور پیش آنے والے واقعات کی تعلیم تفصیلی طور پر نہیں دے سکتا، البتہ اس کے فرمودات میں بہت سے اصول و کلیات ہوتے ہیں جن میں پیش آنے والے واقعات کی طرف رہنمائی موجود ہوتی ہے، چونکہ یہ جماعت اپنی زندگی میں نبیؐ کا عکس ہوتی ہے۔ اس بنا پر بعد میں فطری طور پر رہنمائی کے فرائض اسی جماعت کے سپرد ہوتے ہیں اور اسی کی رہنمائی قبولیت کے معیار پر ٹھیک اترتی ہے۔

صحابیت توسیع عمارت پر مامور ہوتی ہے!

جس طرح نبوت "اس بات پر مامور ہوتی ہے کہ وہ نقشہ ہدایت کے مطابق زندگی کی عمارت تعمیر کرے اسی طرح "صحابیت" اس بات پر مامور ہوتی ہے کہ وہ ان خدوخال کو نمایاں کرے جو نقشہ و عمارت میں حالات و زمانہ کی رعایت کے لیئے جود ہیں لیکن ان کے ظہور اور عملی شکل قبول کرنے کا وقت نبوت کے بعد ہے اس لحاظ سے اگر نبوت کا اصل کام تعمیر عمارت ہے تو صحابیت کا اصل کام توسیع عمارت ہے، اس توسیع میں اگر ایک طرف کچھ نئے احکام کے اضافہ کی ضرورت ہوتی ہے تو دوسری طرف بہت سے احکام کے موقع و محل کی تعیین لازمی ہوتی ہے۔

عمارت کا جوہری حصہ اور ہدایت کا مرکزی نقطہ معاشرہ میں خیر و شر کی نسبت اور عدل و اعتدال کی قوت ہے وہ اس توسیع میں بہر حال برقرار رہتی ہیں بلکہ صحابیت اسی انداز سے توسیعی پروگرام چلانے پر مامور ہوتی ہے کہ ان پر کسی طرح زد نہ پڑنے پائے ورنہ پروگرام کی صحت کی کوئی ضمانت نہ باقی رہے گی۔

صحابہؓ میں کار نبوت چلانے کی صلاحیت

صحابہ کرامؓ میں توسیع عمارت کے ساتھ کار نبوت چلانے کی کس قدر صلاحیت تھی، اس کا اندازہ درج ذیل تصریحات سے ہوتا ہے۔ قرآن حکیم میں ہے:

رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ۔[1]	اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔

اس سے بڑھ کر ان کی برگزیدگی اور تقدس کی کوئی تاریخی دستاویز ہو سکتی ہے اور نہ حفاظت کی ضمانت مل سکتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ما من نبی بعثه الله فی امة قبلی الا کان له فی امة حواریون واصحاب یأخذون بسنة و یقتدون بامرہ۔[2]	اللہ نے جتنے نبی مجھ سے پہلے مبعوث فرمائے ان سب کی امت میں اس کے مددگار اور اصحاب تھے جو نبی کی سنت حاصل کرتے اور اس کے حکم کی اقتدار کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا:

اولئك اصحاب محمد صلی الله علیه وسلم کانوا افضل هذہ الامة ابرها قلوبا اعمقها علما واقلها تکلفا اختارهم الله لصحبة نبیه ولاقامة دینه۔[3]	یہ لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہیں جو دل کی نیکی علم کی گہرائی اور تکلف کی کمی میں اس امت کے افضل ترین لوگوں میں ہیں انہیں اللہ نے اپنے نبی کی صحبت اور اپنے دین کو قائم کرنے کے لیے منتخب کیا ہے۔

انتظامی اور قانونی معاملات میں انہیں کس قدر فوقیت اور برتری حاصل تھی، اس کا اندازہ ان وضاحتوں سے ہوتا ہے:

ایک موقع پر حضرت عمرؓ نے فرمایا:

وافقت ربی فی ثلاث۔[4]	تین باتوں میں اپنے رب کی میں نے موافقت کی ہے۔

اور حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا:

---

[1] سورۂ توبہ رکوع ۱۳۔ [2] مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ۔ [3] مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ فصل ثالث۔ [4] بخاری ج کتاب التفسیر باب واتخذوا من مقام ابراہیم صـ ۶۴۴۔

لو ادرك النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما احدثہ النساء لمنعھن من المساجد کما منعت نساء بنی اسرائیل۔[1]

اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس حالت کو پاتے جواب عورتوں نے پیدا کر رکھی ہے تو ان کو مسجدوں میں جانے سے منع کر دیتے جس طرح بنی اسرائیل کی عورتیں منع کر دی گئی تھیں

درجہ اور مرتبہ کے لحاظ سے فرق

درجہ اور مرتبہ کے لحاظ سے جس طرح تمام انسان یکساں نہیں ہوتے ہیں اسی طرح تمام صحابہؓ یکساں نہیں ہیں بلکہ مذکورہ حیثیت اور رعہدہ کے مستحق وہی صحابہ کرام ہیں جنہوں نے رسول اللہ کی صحبت میں اپنی عمر گذاری ہے اور فیضانِ نبوت سے خصوصی استفادہ کیا ہے۔

الذین افنوا اعمارھم فی الصحبۃ وتخلقوا باخلاقہ الشریفۃ کالخلفاء و الازواج المطھرات و العبادلۃ وانس و حذیفۃ ومن فی طبقھم۔

جن صحابہؓ نے رسول اللہ کی صحبت میں اپنی عمریں گذاری ہیں اور آپ کے پاکیزہ اخلاق کو اپنی زندگی میں رچایا اور بسایا ہے جیسے خلفائے راشدینؓ ازواج مطہراتؓ عبادلہؓ (عبداللہ بن مسعودؓ اور عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہؓ بن زبیر عبداللہ بن عباس) حضرت انسؓ حضرت حذیفہ اور جو ان کے طبقہ میں ہیں۔

قرآن حکیم نے "وَرَضُوْا عَنْہُ" کے ذریعہ جن صحابہ کرامؓ کی قلبی ونفسی کیفیت ظاہر فرمائی ہے، اسی طرح جن کو اپنا سب سے بڑا "تمغہ" رضی اللہ عنھم عطا فرمایا ہے۔ ان سے بھی خاص صحابہؓ مراد ہیں، چنانچہ قرآنِ حکیم میں ہے:

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ

اور مہاجرین وانصار میں جو لوگ سبقت کرنے والے سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں اور وہ لوگ جنہوں نے خلوص در

[1] بخاری ج ۱ باب خروج النساء الی المساجد،

عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ۔ (سورۂ توبہ رکوع ۱۳)

:راست بازی کے ساتھ ان کی پیروی کی وہ اللہ سے راضی ہوئے اور اللہ ان سے راضی ہوا

فقہاء کی نظر میں صحابہؓ کے اقوال کی اہمیت!

قانون و تشریع میں ان صحابہؓ کے اقوال کو فقہاء نے نہایت اونچا درجہ دیا ہے، وہ کہتے ہیں:۔

لانہ حجۃ لاحتمال السماع وزیادۃ الاصابۃ فی الرای ببرکۃ صحبۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔[1]

صحابہؓ کے اقوال حجت ہیں ممکن ہے رسول اللہ سے سنا ہو اور صحبت کی برکت سے ان کی اصابت رائے کی زیادتی میں تو کوئی شبہ نہیں ہے۔

دوسری جگہ ہے:۔

قول الصحابی فیما لا یمکن فیہ الرای یلحق بالسنۃ لغیرہ۔[2]

جس میں رائے کی گنجائش نہ ہو اس میں صحابہ کا قول غیر صحابی کے لیے سنت کے حکم میں ہوگا۔

اور جس میں رائے کی گنجائش ہو تو بدلے ہوئے حالات کے مطابق اس میں قیاس کرنے کی اجازت ہے[3]

اسی طرح جو بات صحابہؓ میں شائع ہو اس کی اتباع ضروری ہے اور جس میں اختلاف ہو اس میں گنجائش ہے۔

یجب اجماعًا فیما شاع فسکتوا مسلمین ولا یجب اجماعًا فیما ثبت الخلاف بینھم۔[4]

جو بات صحابہؓ میں عام طور پر شائع ہو اس کی اتباع کی حیثیت سے واجب ہے اور جس میں اختلاف ثابت ہو اس میں وسعت ہے۔

نیز جس بات پر شیخین (ابوبکر صدیقؓ و عمر فاروقؓ) کا اتفاق ہو اس پر عمل کرنا واجب ہے۔

کل ما ثبت فیہ اتفاق الشیخین یجب الاقتداء بہ۔

ہر وہ بات جس میں شیخین کا اتفاق ہو اس کی اقتدا واجب ہے۔

اگر کسی معاملہ میں عام ابتلاء کی حالت پائی جائے اور صحابہؓ کے اقوال اس کے خلاف ہیں تو ایسی حالت میں ان پر عمل کرنا ضروری نہ ہوگا جس طرح سنت پر عمل ایسی حالت میں ضروری نہیں ہوتا

---

[1] توضیح تلویح فصل فی تقلید الصحابی، [2] توضیح تلویح ج فصل فی تقلید الصحابی و نور الانوار فی التعارض بین الحج، [3] توضیح تلویح حوالہ بالا، [4] حوالہ بالا،

لا يقبل فيه السنة فلا يقبل هو ما يقبل بشبهه به۔	ایسی حالت میں سنت نہ قبول کی جائے گی لہٰذا جو چیز سنت کی مشابہت کی وجہ سے قبول کی گئی ہے وہ بھی مقبول نہ ہوگی۔

صحابہؓ کو یہ بلند مقام کیونکر حاصل ہوا | یہ مقام صحابہؓ کرام کو کیوں حاصل ہوا؟

(۱) لأن أكثر اقوالهم مسموع محضرة الرسالة وان اجتهدوا فرايهم اصوب۔	اس لیے کہ ان کے اکثر اقوال زبان رسالت سے سنے ہوئے ہیں، اگر انہوں نے اجتہاد بھی کیا ہے تو ان کی رائے درست ہے۔
(۲) لأنهم شاهدوا موارد النصوص۔	انہوں نے نصوص کے موقع و محل کا براہ راست مشاہدہ کیا ہے۔
(۳) لتقدمهم في الدين۔	دین میں ان کو تقدم حاصل ہے۔
(۴) لبركة صحبة النبي صلى الله عليه وسلم۔	رسول اللہ کی صحبت کی برکت سے وہ فیضیاب ہوئے ہیں۔
(۵) كونهم في خير القرون[1]	ان کو خیر القرون کا زمانہ میسر آیا ہے۔

دوسری جگہ ہے:

(۶) لأنهم شاهدوا احوال التنزيل واسرار الشريعة[2]	انہوں نے نزولِ قرآن کے احوال اور شریعت کے اسرار کا مشاہدہ کیا ہے۔
(۷) ومعرفة اسباب التنزيل[3]	اور اسباب تنزیل کی معرفت حاصل کی ہے

مذہب کو تحریک قرار دینے کے چند اثرات | جن حضرات نے مذہب کو تحریک کی شکل میں پیش کیا ہے۔ ممکن ہے صحابہؓ کی مذکورہ حیثیت اور توسیع عبارت پر

---

[1] توضیح تلویح فصل فی تقلید الصحابی، [2] نور الانوار باب السنۃ، [3] حسامی کتاب السنۃ باب تقلید الصحابی۔

ماموریت ان کی سمجھ میں نہ آئے لیکن چونکہ مذہب کو تحریک کی شکل میں پیش کرنے کی بدعت وقتی اور محض لامذہبی تحریکات کا مقابلہ کرنے کی غرض سے وجود میں آئی ہے، اس بناء پر ان کی یہ کم فہمی زیادہ توجہ کے لائق نہیں ہے۔

جب کوئی تحریک مدافعانہ حیثیت سے وجود میں آتی ہے تو تعمیر و ترقی کے لیے اس کی تشریحات اکثر افراط و تفریط سے خالی نہیں ہوتی ہیں لیکن چونکہ اس کا مدافعانہ کارنامہ شاندار ہوتا ہے اس بناء پر ارباب فکر و نظر نقائص کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے بلکہ تحریک کو برقرار رکھتے ہوئے تعمیر و ترقی کی دوسری راہوں اور شکلوں کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔

قوم کی بڑی بدنصیبی ہے کہ وہ ایک شخص یا پارٹی سے ساری توقعات وابستہ کر لیتی ہے اور حسب منشاء جب یہ توقعات نہیں پوری ہوتی ہیں تو مایوسی و محرومی کا شکار ہو جاتی ہے۔

ادھر پارٹیوں اور شخصیتوں کا حال یہ ہے کہ قوم کی طرف سے جہاں جلسے و جلوس میں شرکت کی دعوت آنے لگی اور اخبار و رسائل کی اشاعت زیادہ ہوگئی بس خود فریبی میں مبتلا ہو کر زندگی کے ہر شعبہ میں رہنما بن گئیں۔

عبوری دور میں کسی شخص یا پارٹی کا یہ کارنامہ کیا کچھ کم ہے، کہ اس نے باطل افکار و نظریات کا مقابلہ کیا ہے اسلامی عقائد و افکار کی جدید زبان و انداز میں تشریح کی ہے اور اسلامی اخلاق و اجتماع کا نقشہ بہتر شکل میں پیش کر کے عزم و ہمت اور ایثار و قربانی کے اعلیٰ نمونے قائم کیے ہیں۔

اس سے زیادہ میں اگر دخل اندازی ہوئی یا تحریک کے سلبی ذہن کو تعمیر و ترقی کی اسکیموں اور تجویزوں میں سمونے کی کوشش ہوئی تو قوم و ملت کے لیے سود مند ہونے کے بجائے ضرر رساں ہونے کا اندیشہ ہے۔

اسی طرح اگر اس وقتی اور خاص غرض کے تحت وجود میں آنے والی تحریک کو کل مذہب یا مذہب کا کل کام سمجھ لیا گیا تو تاریخی تسلسل منقطع ہوگا اور مذہب کی مسلمہ شخصیتیں تک محفوظ نہ رہ سکیں گی، مثلاً مدافعانہ تحریک کی حیثیت سے جب اساطین امت کی جدوجہد کا مطالعہ کیا جائے گا تو چونکہ ان کی زندگی میں یکساں مثالیں نہ مل سکیں گی، اس بناء پر تجدید و احیاء دین

کی کوششوں میں کوئی کوشش کامیاب نظر آئے گی اور نہ کوئی مجدد کامل دکھائی دے گا۔

نیز صحابہ کرامؓ اور خلافتِ راشدہ کی زندگی کو جب تحریک کی حیثیت سے دیکھا جائے گا۔ تو عظمت و تقدس کی وہ روح نکل جائے گی جو مذہب اور قانون کی جان ہے، پھر اس کی ترکیب و تنقیح اس انداز سے کی جائے گی کہ تحریک کی خامیوں اور کارکنوں کی کمزوریوں کے لیے جیدجواز مہیا ہوسکے گا۔

مذہب کو تحریک قرار دینے کے بعد لازمی طور سے اس کا مطمع نظر حکومت و اقتدار کو بنانا پڑے گا کہ اس کے بغیر جاذبیت و کشش پیدا ہوگی اور نہ جد و جہد کے لیے خاطر خواہ میدان سامنے آئے گا، یہی اندیشہ ہے "پارٹی پالٹیکس" کو مستقل حیثیت حاصل ہو جائے اور اسی نقطہ نگاہ سے مذہب کو کلی فلسفہ کی شکل دے دی جائے، یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے بلکہ جب کسی پارٹی و شخص پر کسی شے کا شدید غلبہ ہوتا ہے تو سارے امور کی تعبیر وہ اسی انداز میں کرنے لگتا ہے کارل مارکس پر معاشی تصورات ہی کے غلبہ کا نتیجہ تھا کہ اس نے حیات و کائنات اور حالات و واقعات سب کی معاشی تعبیر کر ڈالی۔

یہ اثرات مسائل حل کرنے میں دشواری پیدا کرتے ہیں

اس موقع پر تحریک کے چند مضرات کی طرف اشارہ کرنے کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ ان کی وجہ سے صحابہ کرامؓ کے توسیعی پروگرام کو سمجھنے اور سیاست شرعیہ کے تحت مسائل حل کرنے میں مزید دشواریاں پیدا ہوگئی ہیں۔

ہوسکتا ہے کہ مذہب ایک شے کو اہم بتائے اور سیاست شرعیہ کا قانون اس میں نافذ کرے لیکن تحریک اس کی اہمیت سے انکار کرکے دوسری شے کو زیادہ اہم قرار دے مثلاً مذہب اصلاح معاشرہ پر زیادہ زور دیتا ہے، اور انقلاب حکومت کو اس کا نتیجہ قرار دیتا ہے، لیکن تحریک انقلاب حکومت پر زیادہ زور صرف کرتی ہے اور معاشرتی اصلاح کو اس کے واسطے سے لاتی ہے۔ یا مذہب معاشرتی عدم توازن کو پہلے دور کرتا ہے اور اس کے لیے حکمت و مصلحت پر مبنی قوانین بنانے اور سیاست شرعیہ کے تحت فیصلے کرنے کا حکم دیتا ہے، لیکن "تحریک" تشکیل حکومت کو مقدم رکھتی ہے اور حکمت و مصلحت کے قوانین اور شرعی سیاست کے فیصلے

اسی موقع پر ظاہر کرتی ہے وغیرہ۔

اس قسم کے اختلافات بظاہر معمولی نظر آتے ہیں لیکن غور سے دیکھا جائے تو یہ دراصل زاویۂ نگاہ اور مطمحِ نظر کا اختلاف ہے جس کی بنا پر احکام کے مراتب قائم کرنے، ان کے موقع و محل کو متعین کرنے، نیز حسبِ حاجت و ضرورت نئے قوانین وضع کرنے میں کافی اختلاف کی راہیں نکل سکتی ہیں۔

ذیل میں صحابۂ کرام کی زندگی سے چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں جن سے احکام شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت کا ثبوت ملتا ہے اور سیاستِ شرعیہ پر بھی روشنی پڑتی ہے۔

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد صحابۂ کرامؓ جس قسم کے سخت دور سے گذرے اور جیسی ذہنی و فکری کشمکش سے ان کو مقابلہ کرنا پڑا، تاریخ میں اس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔

رسول اللہ کے بعد توسیعی پروگرام کی بنیاد

لیکن ان بزرگوں نے عمارت کی حفاظت کے ساتھ جس طرح توسیع پروگرام کو چلایا اور ایجابی ذہن کے ساتھ اپنے دور کی چیزوں کو سمیٹا وہ بھی ضرب المثل کی حیثیت رکھتا ہے۔

جسدِ اطہر سے روحِ مبارک پرواز ہونے کے بعد ہی مسجد نبوی میں صحابۂ کرامؓ ایک تاریخی آزمائش سے دوچار ہوئے، حضرت عمرؓ جیسے جلیل القدر صحابی دفورِ محبت میں کسی طرح رسول اللہ کے وصال کو ماننے کے لیے تیار نہ تھے اور قسم کھا کھا کر کہہ رہے تھے کہ رسول اللہ کا وصال نہیں ہوا ہے۔

ایسی حالت میں حضرت ابوبکرؓ نے ایک طرف عشق و محبت کے تقاضے میں کمی نہ آنے دی کہ حجرۂ مبارک میں داخل ہو کر رخِ زیبا سے چادر اٹھائی، سرِ نیاز جھکایا، بوسہ دیا اور رو کر فرمایا:

بأبی انت وامی طبت حیًّا	میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپ
ومیتًا والذی نفسی بیدہ	زندگی اور موت دونوں میں پاکیزہ رہے اس
لا یذیقک اللہ الموتتین ابدًا	ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے

اما الموتة التی کتب اللہ علیک فقد متھا۔ [1]	اللہ آپ کو دو موتیں ہرگز نہ دے گا جو موت آپ کے لیے مقدر تھی وہ آگئی۔

اور دوسری طرف مسجد میں آئے، عمرؓ کو سمجھایا، صحابہؓ کو روکا اور ان کی "ماموریت" کو اس طرح واضح کیا کہ لوگوں کی آنکھیں کھل گئیں اور اسلام زندگی و توانائی سے بھرپور نظر آنے لگا، چنانچہ انہوں نے مسجد میں وصال کے بعد جو تقریر کی اس کے ایک ایک لفظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ شریعت کا ذہن ایجابی ہے سلبی نہیں ہے۔

نیز بلائے کار شریعت کے اصول۔۔۔۔ ہیں جنہیں دوامی حیثیت حاصل ہے

یہ تقریر گویا توسیعی پروگرام کی بنیاد ہے۔ حمد و ثنا کے بعد آپ نے فرمایا:

الا من کان یعبد محمدا فان محمدا صلی اللہ علیہ وسلم قد مات ومن کان یعبد اللہ فانہ حی لا یموت [2]	جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پرستش کرتا تھا وہ غور سے سن لے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا ہے، اور جو شخص اللہ کی بندگی کرتا تھا تو بیشک اللہ زندہ ہے اس کے لیے موت نہیں ہے۔

اس کے بعد تائید و توثیق کے لیے ابوبکرؓ نے یہ آیت پیش کی:

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّ اِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ۔ [3]	اے محمد! آپ کو بھی موت آنے والی ہے اور وہ بھی مرنے والے ہیں۔

پھر یہ آیت تلاوت کی:

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى	اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہیں مگر اللہ کے رسولؐ جن سے پہلے بھی اور رسولؐ گذر چکے ہیں پس اگر ان کو موت آجائے یا وہ قتل کر دیے جائیں تو کیا تم الٹے پاؤں

[1] بخاری باب فضل ابی بکرؓ، [2] حوالہ مذکور، [3] سورۂ زمر رکوع ۲

عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ [1]

پیچھے لوٹ جاؤ گے جو شخص ایسا کرے گا وہ اللہ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا، اور اللہ شکر گزاروں کو جلد ہی بدلہ دے گا۔

آیت اور تقریر سے شریعت کا مزاج سمجھ میں آتا ہے اور ضمناً اجتہاد اور تشریع کا ثبوت ملتا ہے

خلافت کے بعد ابوبکرؓ کی پہلی تقریر!

مزید وضاحت خلافت کے بعد کی پہلی تقریر سے ہوتی ہے۔ جس میں حضرت ابوبکرؓ نے حمد و ثناء کے بعد فرمایا!

ایہا الناس فانی قد ولیت علیکم ولست بخیرکم فان احسنت فاعینونی وان اسأت فقوموني۔ الصدق امانة والکذب خیانة، والضعیف منکم قوی عندی حتی اریح علته ان شاءاللہ والقوی فیکم ضعیف حتی اخذ منه الحق ان شاءاللہ لایدع قوم الجهاد فی سبیل اللہ الاضربهم اللہ بالذل ولا یشیع قوم قط الفاحشة الاعمهم اللہ بالبلاء اطیعونی ما ذا اطعت اللہ ورسوله فاذا عصیت اللہ ورسوله فلا طاعة لی علیکم قوموا الی صلوٰتکم [2]

لوگوں میں تمہارا امیر بنا دیا گیا ہوں حالانکہ تم میں سے بہتر نہیں ہوں اگر میں اچھے کام کروں تو میری مدد کرو اور برے کام کروں تو مجھے سیدھا کر دو، سچائی امانت ہے۔ جھوٹ خیانت ہے، تم میں کمزور میرے نزدیک قوی ہے جب تک کہ اس کی شکایت دور نہ کر دوں اور قوی میرے نزدیک کمزور ہے جب تک کہ اس سے حق نہ لے لوں، جو قوم جہاد چھوڑ دیتی ہے اللہ اس پر ذلت مسلط کر دیتا ہے اور جس قوم میں بے حیائی عام ہو جاتی ہے اللہ اس پر مصیبت عام کر دیتا ہے جب تک میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کروں تم میری اطاعت کرو اور جب میں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کروں تو تم پر میری اطاعت لازم نہیں ہے اچھا اب چلو نماز کا وقت ہو گیا ہے۔

---

[1] سورۂ آل عمران رکوع ۱۵، [2] البدایہ والنہایہ ج۵ باب اعتراف سعد بن عبادہ ؓ بقالۃ الصدیق فی یوم السقیفہ،

ابوبکرؓ نے توسیعی پروگرام میں روح اور مقصد کو سامنے رکھا

شرعی جہاد اور اجتہاد لازم و ملزوم ہیں جب تک قوم میں جہاد باقی رہے گا اجتہاد کے نوک پلک درست کیے بغیر چارہ نہ ہوگا۔ اور جب جہاد اپنی اصل حیثیت کھو دے گا تو اجتہاد کا دروازہ بھی بند ہو جائے گا۔

۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مسلم زندگی جن شورشوں اور بغاوتوں میں گھر گئی تھی تاریخ کا ادنیٰ طالب علم ان سے واقف ہے۔ ان نازک حالات میں اگر حضرت ابوبکرؓ ظاہر نصوص پر جمے رہتے ان کے اقتضاء کنایہ، اور اشارہ کی طرف توجہ نہ دیتے یا حکمت و علت میں غور کر کے احکام کے موقع و محل نہ متعین فرماتے تو مسلم زندگی کا شیرازہ اسی وقت منتشر ہو گیا ہوتا۔

اسی طرح اگر مسلم معاشرہ کی روز افزوں ضرورت کا لحاظ نہ کرتے اور حالات و زمانہ کی رعایت کو نظر انداز کر دیتے تو اسلام کی عالمگیریت بے معنی ہو کر رہ جاتی۔

لیکن حضرت ابوبکرؓ چونکہ راز دار نبوت اور مزاج شناس شریعت تھے اس بناء پر انہوں نے ایک طرف مخالفت کے باوجود حضرت اسامہؓ جیسے نوجوان کی امارت و سرداری کو برقرار رکھا تو دوسری طرف توسیع عمارت کی خاطر حالات و زمانہ کی رعایت کو نظر انداز نہ ہونے دیا چنانچہ معززین صحابہؓ نے جب اسامہؓ کی سرکردگی میں لشکر بھیجنے پر اعتراض کیا تو ابوبکرؓ نے جواب دیا:

> "اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر مجھے یقین ہو کہ جنگل کے درندے مجھے اٹھا کر لے جائیں گے تو بھی اسامہ کے اس لشکر کو روانہ ہونے سے نہ روکوں گا جسے رسول اللہؐ نے روانہ ہونے کا حکم دیا تھا، اگر مدینہ میں میرے سوا کوئی بھی باقی نہ رہے تو بھی میں اس لشکر کو ضرور روانہ کروں گا۔" [۱]

ایک اور روایت میں ہے کہ ابوبکرؓ نے یہ جواب دیا:

---

[۱] طبری ج ۳ ذکر الخبر عما جریٰ فی سقیفۃ بنی ساعدہ۔

لو خطفتني الكلاب والذئاب لم ارد قضاءً قضى به رسول الله صلى الله عليه وسلم[1]	اگر جنگل کے کتے اور بھیڑیے مدینے میں داخل ہو کر مجھے اٹھا لے جائیں تو بھی میں وہ کام کرنے سے باز نہ آؤں گا جسے رسول اللہ نے کرنے کا حکم دیا ہے۔

اسی طرح ظاہر نص کی بناء پر مانعین زکوٰۃ سے جہاد پر جب لوگوں نے اعتراض کیا تو حضرت ابوبکرؓ نے یہ جواب دیا:

واللہ لو منعونی عناقا کانوا یؤدونها الی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم لقاتلتهم علی منعها[2]	خدا کی قسم اگر بھیڑ کے بچہ کی بھی زکوٰۃ رسول اللہ کو دیتے تھے تو میں ان سے اس کے نہ دینے پر قتال کروں گا

ایک روایت میں عناق کے بجائے "عقال" ہے جس کے معنی "رسی کے ہیں یعنی اقرار کلمہ کے باوجود، رسی جیسی معمولی چیز (بشرطیکہ وہ ثابت ہو) کی بھی وہ زکوٰۃ نہ دیں گے تو میں ان سے جہاد کروں گا، کیونکہ حالت کو نظر انداز کر کے ظاہر نص پر عمل کرنے سے مقصد دین اور منشاء نبوت کے فوت ہونے کا اندیشہ ظاہر تھا۔

فتنۂ ارتداد کے مقابلہ میں سلبی ذہن کے ساتھ میدان میں نہیں آئے

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے جس پامردی اور ایجابی ذہن کے ساتھ فتنۂ ارتداد کا مقابلہ کیا وہ بھی تاریخ اسلام کا روشن باب اور توسیع کارت کا تابناک پہلو ہے، اس موقع پر اگر ابوبکرؓ محض ظاہری چیزوں سے متاثر ہو جاتے یا سلبی ذہن کے ساتھ میدان میں آتے تو قوی اندیشہ تھا کہ رسول اللہ کی جلائی ہوئی شمع ہمیشہ کے لیے خاموش ہو جاتی، لیکن انہوں نے جس طرح بعض معاملات میں حضرت عمرؓ وغیرہ جیسے جلیل القدر اصحاب کے اصرار کے باوجود "اقدام" سے رکنے کے لیے تیار نہیں ہوئے اسی طرح دوسرے بعض معاملات میں ان بزرگوں کے مطالبہ کے باوجود کسی "اقدام" کے لیے تیار نہیں ہوئے، جاننے والے جانتے ہیں کہ بعض جلیل القدر اصحاب کی طرف سے خالد بن ولید کو معزول کرنے اور سزا دینے کا مطالبہ کس قدر شدید تھا؟ لیکن ابوبکرؓ نے حالات

---

[1] طبری ج ذکر الخبر عاجری فی سقیفۃ بنی ساعدہ، [2] بخاری و مسلم و مشکوٰۃ کتاب الزکوٰۃ باب فی فرضیتہا،

کی رعایت سے خالد بن ولید کو معزول نہیں کیا اور برابر کہتے رہے کہ "اس وقت مسلمانوں کو خالد کی بے حد ضرورت ہے۔"

حضرت ابوبکرؓ نے مطالبہ کے جواب میں جو روش اختیار کی اس سے اندازہ ہوتا ہے اگر مالک بن نویرہ کے قتل اور اس کی بیوی لیلیٰ سے نکاح کرنے کی نوعیت وہی ہوتی جیسا کہ بیان کی جارہی تھی، تو بھی حالات کی نزاکت و رعایت سے وہ خالد بن ولید کو معزول نہ کرتے (مالک کے واقعہ کی تفصیل آگے آرہی ہے)

معزولی اور سزا کا مطالبہ کرنے والے یہ کہہ رہے تھے:

"اگر خالد جیسی عظیم شخصیت سے چشم پوشی کی گئی تو یہ دین میں خلل اندازی کا دروازہ کھول دے گی۔ مسلمان کتاب اللہ کے احکام پس پشت ڈالنے میں دلیر ہو جائیں گے اور احکام الٰہی کا احترام ان کے دلوں میں باقی نہ رہے گا۔" [1]

لیکن حضرت ابوبکرؓ کے پیش نظر یہ بات تھی کہ موجودہ وقت کی نزاکت اور حالت کی رعایت ہی اتباع و احترام کا راز پوشیدہ ہے۔

چنانچہ بعد میں حضرت عمرؓ خود حضرت ابوبکرؓ کی موقع شناسی اور مردم شناسی کی داد دیے بغیر نہ رہ سکے اور اسی واقعہ کے بارے میں فرمایا:

رحم اللہ ابا بکر ھو کان اعلم منی بالرجال۔ [2]	اللہ تعالیٰ ابوبکرؓ پر رحم فرمائے وہ مجھ سے زیادہ مردم شناس تھے۔

پھر جب وہ مسند آرائے خلافت ہوئے اور مالک کے بھائی متمم بن نویرہ نے حاضر ہو کر حضرت خالدؓ سے قصاص کا مطالبہ کیا تو آپ نے فرمایا:

لا ارد شیئا صنعہ ابوبکر۔ [3]	ابوبکرؓ جو کر گئے ہیں اس کو رد نہیں کروں گا۔

مدعیان نبوت کی سرکوبی میں حالات وزمانہ کی رعایت کو ملحوظ رکھا!!

(۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کئی سیاسی لیڈر نبوت کے مدعی بن کر نمودار

---

[1] ابوبکرؓ از محمد حسین ہیکل واقعہ سجاح اور مالک بن نویرہ ، [2] صدیق اکبر واقعہ مالک بن نویرہ ،
[3] خزانۃ الادب ج ۲ صفحہ ۲۳ از صدیق اکبر

ہوئے اور اپنی پارٹی کے ساتھ بغاوت پر آمادہ ہو گئے، جو لوگ پارٹی بندی وجماعت سازی کی نفسیات سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ پارٹیاں بالعموم سیاسی اغراض واقتدار حاصل کرنے کے لیے قائم ہوتی ہیں اور پھر حصولِ مقصد کے لیے مذہبی رنگ اختیار کر کے مذہب کو آلۂ کار بناتی ہیں چنانچہ ادھر مسلمان اپنے محبوبؐ کی جدائی سے نڈھال ہو رہے تھے ادھر سیاست کے بازی گروں نے ہوس اقتدار کی تشکیل کے لیے نبوت جیسی وہبی شئے کو استعمال کرنا شروع کر دیا۔

یہ صورتِ حال مسلمانوں کے لیے نہایت روح فرسا اور کارنامۂ نبوت کو ختم کر دینے والی تھی، اس بناء پر حضرت ابوبکرؓ نے (رقیق القلب اور نرم مزاج ہونے کے باوجود) نہایت عزم وہمت اور شجاعت کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا۔

ذمہ داری سپرد ہونے کے بعد ابوبکرؓ نے اپنی طبیعت میں کس حد تک تبدیلی کی اور حالات وزمانہ کی رعایت کو کس قدر ملحوظ رکھا، اس کا اندازہ تمام ان اقدامات سے ہوتا ہے جو انہوں نے رسول اللہ کے بعد بغاوت وفتنہ ارتداد کو دبانے کے لیے کیے تھے۔ ذیل میں اعلان عام کے چند ٹکڑے نقل کیے جاتے ہیں، جو حضرت ابوبکرؓ نے اس موقع پر فوج کے ہر دستہ کو دیا تھا

اعلان میں پہلے مذکورہ آیتوں (جو خلافت کی پہلی تقریر میں گذر چکی ہیں) کے ذریعہ اس پراپیگنڈے کو ختم کیا جو کہہ رہے تھے کہ اگر محمدؐ سچے نبی ہوتے تو آپ کی کبھی وفات نہ ہوتی پھر فرمایا:

وہ اعلان عام جو فوج کے ہر دستہ کو دیا گیا تھا

جو شخص محمدؐ کی پوجا کرتا تھا، اُسے معلوم ہونا چاہیئے کہ محمدؐ کا وصال ہو گیا لیکن جو شخص صرف اللہ کو پوجتا ہے جس کا کوئی شریک نہیں تو اللہ اس کی نگرانی کرنے والا ہے، وہ قیوم اور ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے اس کو کبھی موت نہ آئے گی اس کو نہ نیند آتی ہے۔ اور نہ اونگھ وہ خود اپنے کام کی حفاظت کرنے والا اور اپنے دین کے دشمن سے بدلہ لینے والا ہے

میں تم لوگوں کو وصیت کرتا ہوں کہ اللہ سے ڈرو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو لائے ہیں اس سے اپنا حصہ لو، آپؐ کے اسوہ کی اتباع کرو اور اللہ

کی رسی کو مضبوط پکڑو، جس شخص کو اللہ ہدایت نہیں دیتا ہے وہ گمراہ ہو جاتا ہے اور جس کو اللہ معاف نہیں کرتا وہ مصائب میں مبتلا ہو جاتا ہے اور جس کی مدد اللہ نہیں کرتا ہے وہ رسوا ہو جاتا ہے۔ جس کو اللہ نے ہدایت دی اس نے ہدایت پائی اور جس کو اللہ نے گمراہ کر دیا وہ گمراہ ہو گیا

مَنْ یَہْدِ اللّٰہُ فَہُوَ الْمُہْتَدِیْ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَہٗ وَلِیًّا مُّرْشِدًا

مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم میں سے کچھ لوگ مسلمان ہونے کے بعد جہالت اور شیطان کے فریب میں آ کر دین حق سے کچھ لوگ مسلمان ہونے بعد جہالت اور شیطان کے فریب میں آکر دین حق سے پھر گئے ہیں، میں تمہارے پاس مہاجرین، انصار اور تابعین کا لشکر بھیج رہا ہوں میں نے اس کو یہ حکم دیا ہے کہ جب تک وہ اسلام کا پیغام نہ پہنچا دے تم سے جنگ نہ کرے جو شخص اسلام کا اقرار کر کے تمام باغیانہ سرگرمیوں سے باز آجائے گا اس کو امان ہے لیکن جو شخص انکار کر کے فساد پر آمادہ ہو گا تو اس سے جنگ کی جائے گی اور وہ اللہ کی تقدیر کو اپنے اوپر نافذ ہونے سے نہ روک سکے گا۔ ایسے لوگوں کو آگ میں جلایا جائے گا اور قتل کیا جائے گا۔ ان کی عورتیں اور بچے قیدی بنا لیے جائیں گے۔ ان باتوں میں غور کرنے کے بعد جو شخص ایمان لے آئے تو وہ اس کے لیے بہتر ہو گا، لیکن جو شخص بدستور ارتداد کی حالت پر قائم رہے گا وہ اللہ کو ہرگز عاجز نہ کر سکے گا۔[1]

اس اعلان کے بعض ٹکڑے بظاہر آیت لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ (دین میں زبردستی نہیں ہے) اور حدیث "لا تعذبوا بعذاب اللہ" (لوگوں کو اللہ جیسا عذاب نہ دو) کے خلاف ہیں، لیکن جو لوگ حالات کی نزاکت سے معمولی واقفیت بھی رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں، کہ اس موقع پر یہ سب آیت و حدیث کے خلاف نہیں ہے۔

نظام خلافت کو حتی الامکان وسیع کیا

(۵) غرض ایک طرف حضرت ابوبکرؓ نے بغاوتوں اور شورشوں کو دبانے میں نہایت چابک دستی سے کام لیا تو دوسری طرف حالات و زمانہ کی رعایت سے نظام خلافت کو وسیع کرتے ہیں

[1] طبری ج ۔ باب بقیۃ الخبر عن امر الکذاب العنسی ۔

کوئی کسر نہ اٹھا رکھی، چنانچہ مملکت کو صوبوں اور ضلعوں میں تقسیم کیا، محکمۂ قضاء کی تنظیم کی، حسب ضرورت مالی و فوجی نظام کو وسیع کیا، تعزیرات وحدود میں روح اور مقصد کو ملحوظ رکھا کہیں سختی کی اور کہیں نرمی سے کام لیا، غیر مسلموں کے سماجی تحفظ کا بندوبست کیا اور ہر ایک کے پرسنل معاملات میں کوئی مداخلت نہ کی، بلکہ زبان مذہب اور کلچر سب کو محفوظ رکھا جیسا کہ مفتوحہ ممالک کے ذکر میں ہے۔

فهذه بلاد العنوة واقر اهلها فيها على ملتهم و شرائعهم.[۱]	یہ تمام ممالک غلبہ سے فتح کیے گئے ہیں اور ان کے باشندے اپنے اپنے مذہب اور شرائع پر باقی رکھے گئے ہیں۔

دوسری جگہ ہے :-

فهم احرار فی شهاداتهم ومنا کحاتهم ومواريثهم وجميع احکامهم[۲]	یہ سب لوگ اپنی شہادتوں، نکاح کے معاملوں وراثت کے قوانین اور دیگر تمام احکام میں آزاد ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ نے جس طرح مسلم حاجتمندوں کی کفالت حکومت کے ذمہ قرار دی اسی طرح غیر مسلم حاجت مندوں کی کفالت کو بھی حکومت کے ذمہ قرار دیا اور باقاعدہ عہدنامہ میں یہ درج کرا دیا کہ

ایما شیخ ضعیف عن العمل واصابته افة من الأفات او کان غنيا فافتقر و صار اهل دينه يتصدقون عليه طرحت جزيته وعيل من بيت مال المسلمين وعياله ما اقام بدار الهجرة	جو (غیر مسلم) بوڑھا از کار رفتہ ہو جائے یا کسی کو کوئی آفت پہنچے یا مالداری کے بعد تنگ دست ہو جائے اور اس کے اہل مذہب اس کو خیرات دینے لگیں تو اس کا جزیہ (جان و مال کی حفاظت کا معاوضہ) معاف ہو جائے گا اور سرکاری خزانہ سے اس کی اور اس کے اہل وعیال کی کفالت کی جائے گی۔ جب تک یہ

---

[۱] کتاب الاموال ص ۱۰۱، [۲] ایضاً ص ۱۴۰۔

ودار الاسلام[1] — یہ لوگ مدینہ اور دارالاسلام ہی رہیں گے۔

عہدنامہ میں یہ بھی درج تھا :-

فان طلبوا عونا من المسلمین اعینوا به ومؤنة العون من بیت مال المسلمین[2] — یہ لوگ اگر مسلمانوں سے کوئی مدد طلب کریں گے تو مدد کی جائے گی اور مدد کے اخراجات سرکاری خزانہ سے ادا ہوں گے۔

اس حسن سلوک اور عملاً مساوات کا نتیجہ یہ ہوا کہ :

صاروا اشداء علی عدو المسلمین وعونا للمسلمین علی أعدائهم۔[3] — غیر مسلم ان لوگوں کے سب سے بڑے دشمن ہوگئے جو مسلمانوں کے دشمن تھے اور ان کے مقابلہ میں مسلمانوں کے بہترین مددگار ثابت ہوئے

ابوبکرؓ کے اقدامات کا صریحی ذکر قرآن وسنت میں نہیں ہے!

ابوبکرؓ نے نظم وتنظیم کے سلسلہ میں جتنے اقدامات کر کے احکام کے موقع ومحل متعین کیے اگر غور سے دیکھا جائے تو ان کی تفصیلات کا ذکر قرآن وسنت میں نہیں ہے لیکن ان کی طرف اشارہ عبارت (حدیث) اور نقشہ (قرآن) دونوں ہی موجود ہے دنیا کے کسی دستور میں صراحۃ النص سے تمام چیزوں کا ثبوت ضروری ہے اور نہ غیر صریحی ثبوت میں خلاف دستور حکم لگانے کا اصول ہے۔ نہ معلوم کتنی چیزیں کنایہ اشارہ اقتضاء اور دلالت سے ثابت ہوتی ہیں اور پھر جب ان سے بھی کام نہیں چلتا ہے تو احکام کی حکمت وعلت کی طرف توجہ کر کے بے شمار چیزیں ان سے ثابت کی جاتی ہیں یہ سب دستور کے اندر شمار ہوتی ہیں اور ان میں دستور رہبر ورہنما مانا جاتا ہے۔

توسیع نہ کرنے میں قرآن وسنت کی خلاف ورزی تھی

رسول اللہ ﷺ کے بعد حضرت ابوبکرؓ جن حالات سے دوچار ہوئے ان میں اگر حالات وزمانہ کی رعایت سے بعض احکام کا اضافہ اور بعض کے موقع ومحل کی

---

[1] کتاب الخراج لابی یوسف فصل فی الکنائس والبیع والصلبان صفحہ ۸۵، [2] کتاب الخراج لابی یوسف صفحہ ۵، [3] ایضاً صفحہ ۱۳۹،

تعیین نہ کرتے تو بلاشبہ قرآن وسنت کو نظر انداز کرنے والے قرار پاتے لیکن چونکہ وہ جانتے تھے کہ اگر اس موقع پر توسیع نہ کی گئی تو اسلام کی عالم گیریت پر حرف آئے گا، اس بنا پر انہوں نے روح اور مقصد کے پیش نظر حسب ضرورت وسعت سے دریغ نہیں کیا اور طریقہ کار یہ اختیار کیا کہ قرآن وسنت میں حکم نہ ملنے کی صورت میں اہل الرائی صحابہ کرام سے مشورہ کرتے تھے جیسا کہ،

ان ابا بکر الصدیق کان اذا نزل به امر یرید فیه مشاورة اهل الرائی واهل الفقه دعا رجالا من المهاجرین والانصار دعا عمر وعثمان وعلیا وعبد الرحمٰن بن عوف ومعاذ بن جبل وابی بن کعب وزید بن ثابت[1]	ابوبکرؓ کو جب کوئی معاملہ پیش آتا جس میں اہل رائے اور اہل فقہ کے مشورہ کی ضرورت ہوتی تو وہ مہاجرین وانصار کے کچھ لوگوں کو بلاتے مثلاً حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت معاذ بن جبل حضرت ابیؓ بن کعب حضرت زیدؓ بن ثابت۔

اگر مشورہ سے کوئی بات طے نہ ہوتی یا کسی مشورہ کی صورت نہ بن سکتی تو قیاس ورائے سے کام لے کر توسیعی سلسلہ کو جاری رکھتے تھے مثلاً:

قیاس سے فیصلہ کی چند مثالیں

(۶) ابوبکرؓ نے دادا کو باپ پر قیاس کر کے میراث میں دادا کو باپ جیسا قرار دیا۔[2]

(۷) اسی طرح "کلالہ" کے بارے میں جب آپ سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:

اقول فیها برائی فان یکن صوابا فمن الله وان یکن خطا فمنی ومن الشیطان[3]	اسی کے بارے میں اپنی رائے سے کہتا ہوں اگر صحیح ہو تو اللہ کی طرف سے ہے اور غلط ہے تو میری طرف سے اور شیطان کی طرف سے ہے۔

---

[1] طبقات ابن سعد قسم ثانی جزء ثانی، باب اہل العلم والفتویٰ من اصحاب رسول اللہ صلعم [2] بخاری ج باب میراث الجد [3] منہاج الاصول باب القیاس فی بیان انہ حجۃ۔

کلالہ، وہ ہے جس کے اصل و فرع (باپ و بیٹا) دونوں نہ ہوں، باپ کی حد تک تو بات صاف ہے لیکن دادا کی صورت میں اختلاف کی گنجائش ہے چنانچہ بعض اصحاب کی رائے ہے کہ جس شخص کے دادا نہ ہو وہ "کلالہ" کے مفہوم میں داخل نہیں ہے۔ لیکن ابوبکرؓ کہتے ہیں کہ "کلالہ" میں دادا کا نہ ہونا بھی شامل ہے۔ اس اختلاف کا اثر ذیل کے مسئلہ میں ظاہر ہوتا ہے۔

ایک شخص کا انتقال ہوا اس نے دادا اور بھائی بہن چھوڑے ایسی صورت میں ابوبکرؓ کے نزدیک دادا کے ہوتے ہوئے بھائی بہن کو ورثہ نہ ملے گا جس طرح باپ کی موجودگی میں ان دونوں کو نہیں ملتا ہے۔ کیوں کہ باپ کی طرح دادا بھی اصل نسب ہے اور دوسروں کے نزدیک بہن بھائی کو ترکہ سے حصہ ملے گا، کیونکہ دادا بہمہ وجوہ باپ جیسا نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کا مسلک ابوبکرؓ کے مطابق ہے[1]

(۸) یمن کے مانعین زکوٰۃ سے جہاد بھی قیاس ہی کی بناء پر تھا جیسا کہ استدلال میں یہ الفاظ موجود ہیں:

واللہ لا قاتلن من فرق بین الصلوٰۃ والزکوٰۃ فان الزکوٰۃ حق المال[2]	خدا کی قسم اس شخص سے ضرور جہاد کروں گا۔ جس نے نماز اور زکوٰۃ میں تفریق کی کیونکہ زکوٰۃ مال کا حق ہے۔

جمع قرآن کے سلسلہ میں ابوبکر کی جرأت

(۹) قرآن حکیم اللہ کی کتاب اور قانون وتشریع کا اصل الاصول ماخذ ہے، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مرتب تھا لیکن اس کے اجزاء منتشر تھے۔ جس کی بناء پر لازمی طور سے ادھر ادھر ہو جانے کا اندیشہ تھا، پھر اس حالت میں یہ اندیشہ اور زیادہ قوی ہو جاتا ہے جب کہ قرآن کے حفاظ بڑی تعداد میں دنیا سے رخصت ہو رہے ہوں، چنانچہ صحابہ کرام کو صورت حال کا شدید احساس ہوا، اور حضرت ابوبکرؓ سے درخواست کی گئی کہ وہ اس اہم فریضہ کی انجام دہی کی طرف متوجہ ہوں جیسا کہ حدیث میں ہے۔

---

[1] سراجی اصول اخوت، [2] مشکوٰۃ کتاب الزکوٰۃ باب فی فرضیتہا۔

قال ابوبکران عمرا اتانی فقال ان القتل قد استحر یوم الیمامۃ بقراء القرآن وانی اخشی ان استحر القتل بالقراء بالمواطن فیذھب کثیر من القرآن وانی اری ان تامر بجمع القرآن قلت لھم کیف نفعل شیئا لم یفعلہ رسول اللہ قال عمر ھذا واللہ خیر[1]	ابوبکرؓ کہتے ہیں کہ عمرؓ نے مجھ سے آ کر کہا کہ جنگ یمامہ میں قرآن کے حافظوں کی بڑی تعداد کام آ گئی ہے اور مجھے اندیشہ ہے کہ اگر یہی سلسلہ جاری رہا اور مختلف جگہوں پر حفاظ شہید ہوتے رہے تو قرآن کا بیشتر حصہ بسہولت نہ مہیا ہو سکے گا اس لیے بہتر یہ ہے کہ آپ قرآن جمع کرنے کا حکم دیں اس پر میں نے کہا کہ میں ایک ایسا کام کیونکر کر سکتا ہے جس کو رسول اللہ نے نہیں کیا ہے۔

لیکن عمرؓ نے جواب دیا کہ خدا قسم یہ کار خیر ہے (جس میں تامل نہ ہونا چاہیئے)

بات صاف تھی اور حالات کی رعایت سے ایک مصحف میں قرآن کا جمع ہو جانا ضروری تھا لیکن ابوبکرؓ کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل تھا اور غالباً قرآن حکیم کی یہ آیت تھی:

رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰہِ یَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً۔[2]	اللہ کی طرف سے رسول جو ان کو پاک صحیفے پڑھ کر سناتا تھا۔

اس میں صحف کا ذکر ہے یعنی قرآن صحیفوں میں جمع ہے۔ اور مصحف کی شکل دیتے میں صحف کی صورت ختم ہو رہی تھی، اس بنا پر ابتداء میں حضرت ابوبکرؓ کو شرح صدر نہ ہو سکا لیکن بعد میں جب حالات کا شدید احساس ہوا، ادھر صحابہؓ کے اصرار میں بھی اضافہ ہوا تو حضرت ابوبکرؓ نہ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور ضروری انتظامات کا حکم دیا۔

فلو یزل عمر یراجعنی حتی شرح اللہ صدری لذلک ورأیت فی ذلک الذی رای عمر۔[3]	عمرؓ برابر مجھ سے اصرار کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ نے میرا سینہ کھول دیا اور وہی بات مناسب سمجھی جس کو عمرؓ مناسب سمجھتے رہے

یہ فعل بظاہر نص کے خلاف تھا حافظ ابن حجر جمع قرآن کے ذکر میں لکھتے ہیں:

---

[1] مشکوٰۃ کتاب فضائل القرآن فی جمعہ، [2] سورہ بینہ رکوع ۱ [3] مشکوٰۃ کتاب فضائل القرآن فی جمعہ،

قد اعلم الله تعالیٰ فی القرآن	اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ذکر کر دیا ہے کہ
بانه مجموع فی الصحف فی	وہ صحیفوں میں جمع ہے چنانچہ یتلوا صحفاً
قوله یَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً	مطھرۃ کے مطابق قرآن صحیفوں میں لکھا
الآیۃ فکان القرآن مکتوبًا	ہوا تھا، لیکن وہ صحیفے (مختلف اجزاء جو الگ
فی الصحف لکن کانت متفرقة	لکھے تھے) منفرق تھے، ابوبکرؓ نے ان کو ایک
فجمعها ابوبکر فی مکان واحد[1]	جگہ جمع کیا۔

اس موقع پر حضرت ابوبکرؓ اگر ظاہری اتباع اور نص پر جمے رہتے اور جمع قرآن بین الدفتین کا انتظام نہ کرتے تو دین و ملت کا کس قدر عظیم خسارہ ہوتا؟

ابتدا میں کسی اقدام سے فطری طور پر تردد ہوتا ہے جیسا کہ حضرت ابوبکرؓ کو ہوا تھا لیکن بعد میں انکشاف وانشراح کے بعد پھر تردد کی گنجائش نہیں رہتی ہے۔

چونکہ حضرت ابوبکرؓ نے تمام اقدام، فیصلوں اور رائے کے استعمال میں ہمیشہ اصول دین اور مقاصد شریعت کو پیش نظر رکھا تھا، اس بناء پر ہر جزئیہ کی دلیل تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بس اس قدر کافی ہے کہ بحیثیت مجموعی وہ قرآن وسنت کے خلاف نہ ہو۔

حضرت ابوبکرؓ نے بعض مرتدین کو آگ میں جلانے کا حکم دیا!

(۱۰) حضرت ابوبکرؓ نے سیاستِ شرعیہ کے تحت بعض باغی مرتدین کو آگ میں جلانے کا حکم دیا۔

وقد حرق ابوبکر نفرًا من اهل الردة[2]	ابوبکرؓ نے اہل ردہ سے بعض کو جلایا۔

ایاس بن عبداللہ (قبیلۂ بنو سلیم کا ایک شخص) نے حضرت ابوبکرؓ کے پاس آکر اسلام قبول کیا اور ہتھیار وغیرہ سامان جہاد اس غرض سے طلب کیا کہ وہ باغی مرتدین کی سرکوبی کرے گا۔ لیکن جب وہ واپس گیا تو راستہ میں قتل وغارت گری شروع کر دی، اطلاع ملنے پر ابوبکرؓ نے اس کو "بقیع" میں جلانے کا حکم دیا[3]

قبیلۂ بنو سلیم کی بغاوت وسرکشی پر ابوبکرؓ نے خالدؓ کو یہ فرمان بھیجا تھا:

[1] فتح الباری شرح بخاری ج۹ باب جمع القرآن ص۱۰ [2] الاحکام السلطانیہ للقاضی ابی یعلیٰ فصل فی ولایات للامام ص۳۴ ،

"اللہ کے فضل سے اگر تم بنو حنیفہ پر فتحیاب ہو جاؤ تو "یمامہ" میں زیادہ قیام نہ کرنا، بلکہ سیدھے بنو سلیم کے علاقہ میں جا کر ان کو غداری اور بغاوت کا مزہ چکھانا مجھے جتنا غصہ بنو سلیم پر آتا ہے اتنا کسی اور عرب قبیلے پر نہیں آتا ہے اسی قبیلہ کا ایک شخص "فجارہ" (ایاس بن عبد اللہ) میرے پاس آیا اور کہا کہ میں مسلمان ہوں جہاد کے لیے میری مدد کیجیے چنانچہ میں نے ہتھیار اور جانوروں سے اس کی مدد کی لیکن اس نے رہزنی و لوٹ مار شروع کر دی۔ اگر تم ان پر فتح حاصل کر کے آگ اور تلوار سے اُن کو ختم کر دو تو میں ہرگز تم پر برہم نہ ہوں گا[1]

چنانچہ قابو پانے کے بعد حضرت خالدؓ نے "باڑے" بنوائے اور شکست خوردہ سلیموں کو بند کر کے آگ لگا دی جس سے وہ سب جل گئے۔[2]

اسی طرح جنگ "بزاخہ" میں دشمن کی پسپائی کے بعد خالدؓ نے قیدیوں کو آگ کے "باڑے" میں جمع کیا، اور زندہ آگ میں جلا دیا۔[3]

حالانکہ آگ کی سزا دینے کے بارے میں رسول اللہ کا فرمان موجود ہے جس میں باغی و غیر باغی کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔

چنانچہ رسول اللہ نے فرمایا:

ان النار لا یعذب بہا الا اللہ۔[4] — آگ سے سوائے اللہ کے اور کوئی عذاب نہ دے۔

دوسری روایت میں ہے:-

لا تعذبوا بعذاب اللہ۔[5] — اللہ کے عذاب جیسا تم لوگ عذاب نہ دو۔

ان روایتوں کی بنا پر بعض صحابہؓ نے خالد کے فعل پر اعتراض کیا تو انہوں نے جواب دیا:

"میرے پاس ابو بکرؓ کا فرمان موجود ہے کہ اگر تم کو اللہ فتح دے تو قیدیوں کو آگ میں جلا دینا۔[6]

---

[1] تاریخ ردہ بنو سلیم کی بغاوت ص۱۳۳، [2] حوالہ مذکورہ، [3] تاریخ ردہ جنگ بزاخہ ص۵۳، [4] و [5] بخاری کتاب الجہاد باب لا یعذب بعذاب اللہ ص۴۲۳، [6] تاریخ ردہ جنگ بزاخہ ص۵۴،

بعض سے قتل وقتال کا حکم دیا (۱) بعض سے قتل وقتال کا حکم دیا چنانچہ بحرین، عمان، یمامہ اور حضر موت وغیرہ کی بغاوت میں بہت سے مرتدین کو تہ تیغ کیا گیا[۲]

اسی طرح ابوبکرؓ نے ام قرفہ نامی ایک مرتدہ عورت کو قتل کیا جس کے تیس لڑکے تھے وہ ان کو قتل وقتال پر ابھارتی تھی[۳]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ام مروان نامی مرتدہ عورت کو قتل کا حکم دیا تھا جو سردار تھی اور لوگوں کو قتل وقتال پر ابھارتی تھی[۴]

بعض کو قید کیا (۲) بعض مرتدین کو قید کیا:

ان ابا بکر سبی النساء والزراری من بنی حنیفة[۵] — ابوبکرؓ نے بنی حنیفہ کی مرتدہ عورتوں اور بچوں کو قید کیا۔

بنو حنیفہ کی عورتوں میں سے ایک عورت قید کرنے کے بعد حضرت علیؓ کے حصہ میں آئی تھی جس کے بطن سے محمد بن حنیفہ پیدا ہوئے[۵]۔

عورتوں کے بارے میں حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:

اذا ارتدن یسبین ولا یقتلن[۶] — جب وہ مرتد ہو جائیں تو قید کی جائیں قتل نہ کی جائیں۔

حالانکہ رسول اللہ نے فرمایا ہے:

من بدل دینه فاقتلوه[۶] — جو شخص اپنے دین کو بدل دے اس کو قتل کردو،

یہ حدیث عام ہے جس میں مرد اور عورت کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔

---

[۱] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تاریخ ردہ مطبوعہ ندوۃ المصنفین دہلی۔ [۲] [۳] المبسوط باب المرتدین ج۱۰ ص۱۱۰، [۴] المبسوط باب المرتدین ایضاً ص۱۱۰، [۵] و [۶] ایضاً ص۱۱۱، [۶] المبسوط ج کتاب المرتدین ص۱۰۸ و در المختار باب المرتد بحوالہ احمد و بخاری وغیرہ،

بعض کو معافی دے دی

(۱۳) بعض کو معافی دے دی:

قرہ بن ہبیرہ اور عیینہ بن حصن نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ بغاوت کی، قرہ نے عمرو رضی اللہ عنہ بن عاص سے کہا کہ رسول اللہ کی وفات ہوگئی ہے اب عرب بڑی تیزی سے بغاوت کریں گے، اور زکواۃ دینا بند کردیں گے، مناسب یہی ہے کہ تم مکہ لوٹ جاؤ ورنہ ایک جگہ مقرر کرلو تاکہ میری اور تمہاری جنگ ہوجائے، اور عیینہ بن حصن کا حال یہ یہ تھا کہ باغیانہ سرگرمیوں کے ساتھ وہ جس سے ملتا اس کو زکواۃ نہ دینے کی ترغیب دیتا اور کہتا کہ میرے قبیلہ کا کوئی آدمی ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ایک بچھڑا بھی نہ دے گا۔

لیکن جب یہ دونوں گرفتار ہوکر آئے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کو معافی دے دی اور امان نامہ لکھ کر ان کے حوالہ کیا۔[1]

فقہاء نے مرتدین کے لیے مختلف سزائیں تجویز کی ہیں بعض کے نزدیک فوراً قتل کردیے جائیں مہلت بالکل نہ دی جائے اور بعض کے نزدیک تین یوم مہلت کے بعد قتل کیے جائیں جیسا کہ کتب فقہ میں مذکور ہے۔ لیکن حسن بصری سے مروی ہے:

ان المرتد لا یستتاب ولا یجب قتله فی الحال۔[2] — مرتد سے نہ توبہ طلب کی جائے اور نہ فی الحال قتل کیا جائے۔

اور سفیان ثوری رحمہ اللہ سے مروی ہے:

انه یستتاب ابداً۔[3] — مرتد سے ہمیشہ توبہ ہی کا مطالبہ کیا جائے

قاضی ابویوسف رحمہ اللہ مرتدین کے احکام بیان کرنے کے بعد کہتے ہیں:

وان ترك الامام النساء والذرية وترك الارض والاموالهم فی سعة ذلك مستقیم جائز۔[4] — اگر امام نے (غلبہ پانے کے بعد) مرتدین کی اولاد کو قید نہ کیا مرتدوں کو چھوڑ دیا اور معاف کردیا، اراضی اور اموال بھی نہ لیا تو اس کی وسعت ہے اور یہ جائز درست ہے۔

---

[1] تاریخ ردہ بنو عامر ص۵۹۔ [2] کتاب المیزان للشعرانی ج۲ باب الردہ ص۱۵۶۔ [3] ایضاً [4] کتاب الخراج للقاضی ابویوسف فصل الحکم فی المرتدین اذا حاربو ومنعوا۔

عبدالوہاب شعرانی فقہاء کے مختلف اقوال نقل کرتے کے بعد کہتے ہیں :

قول الحسن مخفف وقول عطاء فيه تفصيل وقول الثوری فیہ تخفیف من حیث انه یستتاب ابدا ولا یقتل [1]	حسن بصری کے قول میں تخفیف ہے عطاء کے قول میں تفصیل ہے اور ثوری کے قول میں زیادہ تخفیف ہے کہ مرتد سے ہمیشہ توبہ طلب کی جائے اس کو قتل نہ کیا جائے۔

دراصل یہ سختی ونرمی حالات کی رعایت ہے جس میں مرتد اور معاشرہ دونوں کے حالات شامل ہیں، اور یہ اختلاف اس لیے ہے کہ امت کو وسعت ہو جیسا کہ " اختلاف امتی رحمة " کی تفسیر منقول ہے۔

توسعة عليهم وعلى اتباعهم فی وقائع الاحوال المتعلقة بفروع الشريعة [2]	تاکہ ان احوال کے واقعات میں جو شریعت کے فروع سے متعلق ہیں امت اور اتباع کے لیے وسعت ہو۔

اسی طرح ایک عورت جو مسلمانوں کی بُرائی کرتی پھرتی تو ہین آمیز اور اشتعال انگیز گیت گاتی جب اس کو سخت سزا دی گئی، تو ابو بکرؓ نے فرمایا :

" جب اس کے شرک پر صبر کیا جاتا ہے تو اس فعل پر بھی کرنا چاہیئے تھا۔
اتنی سخت سزا دینے کی ضرورت نہ تھی " [3]

قصہ یہ ہوا کہ یمامہ کے حاکم (مہاجرین امیہ) کے پاس دو عورتیں لائی گئیں، ایک رسول اللہ کی شان مبارک میں گستاخانہ کلمات واشعار کہتی اور دوسری مسلمانوں کو بُرا بھلا کہتی تھی، یمامہ کے حاکم نے ان دونوں کے ہاتھ کٹوا دیئے۔ اور دانت نکلوا دیئے جب ابوبکرؓ کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ برہم ہوئے اور کہا کہ تم نے سزا دینے میں جلدی کیوں کی؟ اگر تم میرے پاس لاتے تو میں گستاخی کرنے والی کو قتل کی سزا تجویز کرتا .... اگر مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتی

---

[1] کتاب المیزان ج حوالہ بالا، [2] کتاب المیزان جلد ا فصل فان قلت الخ ص ۲۳، [3] تاریخ الخلفاء للسیوطی ابوبکرؓ کے اقوال فیصلے وغیرہ۔

تو ادب دینے اور شرم دلانے پر اکتفاء کرتا اور اگر وہ ذمیہ ہوتی تو یہ شرک سے زیادہ فعل نہ تھا۔ کہ اس میں ہاتھ پاؤں کاٹے جائیں [1]

بعض مسلمانوں سے قتل وقتال کا حکم دیا

(۱۴) حضرت ابوبکرؓ نے سیاستِ شرعیہ کے تحت مسلمانوں سے قتل وقتال کا حکم دیا۔ جیسا کہ یمن کے مانعین زکوٰۃ سے قتال کا واقعہ اوپر گذر چکا ہے۔

ان لوگوں میں اکثر اجتماعی طور پر مرکز کو زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تھا ویسے وہ مسلمان تھے اور زکوٰۃ کو اسلامی فریضہ مانتے تھے جیسا کہ خود انہوں نے کہا تھا:

واللہ ما کفرنا بعد ایماننا ولکن	واللہ ہم نے ایمان کے بعد کفر نہیں کیا لیکن
شححنا علی اموالنا [2]	اپنے اموال پر حرص کیا۔

حضرت عمرؓ نے ان کے مسلمان ہونے ہی کی وجہ سے ابوبکرؓ کے ارادۂ قتال پر اعتراض کیا تھا کہ:

کیف تقاتل الناس وقد امرت	آپ ان لوگوں سے کیسے قتال کریں گے۔
ان اقاتل الناس حتی یقولوا	جب کہ حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے "لا الٰہ الا
لا الٰہ الا اللہ فمن قال لا الٰہ	اللہ" کہنے تک قتال کریں، جس نے لا الٰہ الا
الا اللہ عصم منی مالہ	اللہ کہہ لیا اس نے اپنی جان ومال کی حفاظت
ونفسہ الا بحقہ وحسابہ	کرلی اس کا حساب اللہ کے ذمہ ہوگیا ہاں
علی اللہ [3]	اگر اسلام کا کوئی حق ہو تو وہ اور بات ہے۔

حارثہ کے درج ذیل اشعار سے ان کے مسلمان ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔

اطعنا رسول اللہ ما کان وسطنا	فیا قوم ما شانی وشان ابی بکر
ہم نے رسول اللہ کی اطاعت کی جب تک آپ ہم میں موجود تھے	اے میری قوم اب ابوبکرؓ سے ہمارا کیا تعلق ہے
ایورثہا بکرا اذا مات بعدہ	فتلک اذا واللہ قاصمۃ الظہر [4]
کیا اپنے بعد خلافت کا وارث اپنے لڑکے کو بنائیں	یہ تو خدا کی قسم ہماری کمر توڑ دینے والی بات ہے

[1] تاریخ الخلفاء للسیوطی ابوبکرؓ کے اقوال فیصلے وغیرہ۔ [2] الاحکام السلطانیہ للماوردی الباب الخامس فی الولایۃ علی حروب المصالح ص ۴۹ ۔ [3] بخاری ومسلم ومشکوٰۃ کتاب زکوٰۃ

اسی بنا پر قاضی ابو یعلیٰ کہتے ہیں:

وان منعوھا بعد اعترافھم بُخلاً قاتلھم الامام کما قاتلھم الصدیق لما منعوا الزکوٰۃ۔[1]

اگر لوگ اقرار کے باوجود بخل کی وجہ سے زکوٰۃ نہ دیں تو امام ان سے قتال کرے جیسا کہ ابو بکر رضؓ نے مانعین زکوٰۃ سے قتال کیا تھا۔

حالات نہایت سنگین دُپرپیچ تھے

دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دفعۃً حالات نہایت سنگین اور پُرپیچ بن گئے تھے، بعض قبیلے حکومت اور مذہب دونوں سے باغی ہو گئے تھے اور بعض صرف حکومت سے تھے اور مذہب سے نہ تھے، ایسی حالت میں ہر نئی حکومت کا سب سے مقدم فرض یہ ہوتا ہے کہ وہ بہر صورت فتنہ و فساد کو ختم کر کے امن وامان برقرار رکھے، اس سے بحث نہیں ہوتی ہے کہ بغاوت کس کی طرف سے ہو رہی ہے، نوعیت کیا ہے اور قیادت کون کر رہا ہے؟ اس بنا پر ابو بکر رضؓ نے باغیانہ سرگرمیوں کے کچلنے میں نہایت چابک دستی دکھلائی اور راہ کی تمام جذباتی چیزوں اور شکایتوں کو نظر انداز کر دیا حتیٰ کہ اگر خالد کی طرف سے بعض ایسے اقدام کی خبر ملی جس کو عام طور سے پسند نہ کیا جاتا تھا۔ تو لوگوں کی تالیفِ قلب و تسکین خاطر کا ایک حد تک ضرور لحاظ کیا، لیکن خالد پر آنچ نہ آنے دی۔ مثلاً مالک بن نویرہ کا واقعہ مورخین کے درمیان کافی بحث کا موضوع بنا ہوا ہے لیکن جو لوگ حکومتی نظم و نسق سے واقف اور امن وامان کی نزاکتوں سے باخبر ہیں، ان کے نزدیک اس واقعہ کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مالک بن نویرہ کو ۱۰ھ میں اپنے قبیلہ کا محصل زکوٰۃ بنا کر روانہ کیا تھا۔ جب اس کو رسول اللہ کے وصال کی خبر ملی تو وصول کیے ہوئے زکوٰۃ کے اونٹ لوگوں کو واپس کر دیے اور اپنی تقریر میں کہا:

" رسول اللہ کا انتقال ہو گیا ہے، اگر قریش میں ان کا کوئی جانشین ہوا

---

[1] تاریخ ردہ صفحہ ۱۵ کی بغاوت صفحہ ۵۰ [1] الاحکام السلطانیہ للقاضی ابی یعلیٰ قتال اہل الردہ صفحہ ۳۰

تو ہم اس کو تسلیم کرلیں گے بشرطیکہ وہ خود ہم سے تسلیم کرانا چاہے۔ اور پچھلی زکوٰۃ نہ طلب کرے۔"

اور یہ اشعار پڑھے:

وقال رجال سدد الیوم مالک
کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ آج مالک نے ٹھیک بات کہی ہے

وقال رجال مالک لم یسدد
لیکن کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اس کی بات ٹھیک نہیں ہے

فقلت دعونی لا ابا لا بیکم
میں نے کہا کہ مجھے چھوڑ دو تمہارے باپ کا باپ رہے

فلم اخط رایا فی الوغیٰ او فی الندد
میری رائے نہ جنگ میں غلط ہوتی ہے اور نہ مجلس میں

وقلت خذوا اموالکم غیر خائف
میں نے کہا کہ بلا خوف وخطر

ولا ناظر فی ما یجئ به غد!
اور انجام سے غافل ہو کر اپنے اموال لیے رہو!

فان قام بالامر المجد دقائم
اگر نئی حکومت کسی نے سنبھال تو ہم اس کی اطاعت کریں گے

اطعنا وقلنا الدین دین محمد
اور دین محمدی کو سب سے بہتر کہیں گے

ساجعل نفسی دون ما تحذ رونه
تمہارے اندیشوں کا اپنی جان سے مقابلہ کروں گا

وارھنکم یوما بما قلته بید
اور ہاتھ رہن دے کر اس وعدہ کی ضمانت کرتا ہوں

فدونکموھا انہا صدقا تکم
اپنی دودھ دیتی اونٹنیوں کو سنبھال لو

مصررۃ اخلافھا لم تجرّد
جن کے تھنوں پر غلاف چڑھے ہوئے ہیں

حضرت ابوبکرؓ اور خالدؓ یہ اشعار سن کر بہت متاثر ہوئے اور خالدؓ نے عہد کیا کہ اگر مالک ہاتھ لگ گیا تو اس کو بُری طرح قتل کروں گا بلکہ اس کے سر کا چولہا بنا کر اس پر ہانڈی چڑھاؤں گا[1] چنانچہ جب مالک اور اس کے گروہ کو پکڑ کر لایا گیا تو مالک کے بارے میں اختلاف ہوا بعض لوگوں نے اس کے اسلام کے بارے میں ثبوت پیش کیا اور بعض نے مسلمان نہ ہونے کو ترجیح دی لیکن چونکہ اس کی بغاوت مشاہدہ میں آچکی تھی، اس بنا پر خالدؓ نے گروہ سمیت اس کو قتل کرا دیا۔

[1] تاریخ ردہ، بنو عامر اور دوسرے قبیلوں کے دوبارہ مسلمان ہونے کا ذکر ص ۶۵

فتنۂ ارتداد کو دبانے میں سیاست شرعیہ سے زیادہ کام لیا گیا ہے

جن لوگوں نے فتنۂ ارتداد کا گہری نظر سے مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ اس موقعہ پر فتنہ کو دبانے اور بغاوت کو کچلنے میں سیاست شرعیہ سے زیادہ کام لیا گیا ہے۔

اگر حضرت ابو بکرؓ "من بدل دینہ فاقتلوہ" (جو شخص دین کو بدل دے اُس کو قتل کردو) کے ظاہر پر عمل کرتے اور شریعت کی روح کو نظر انداز کر دیتے تو نہ کسی مرتد کو آگ میں جلانے کا سوال پیدا ہوتا، نہ کسی باغی کو معاف کر دینے کی گنجائش نکلتی۔ اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کی اجازت ہوتی۔ پھر بعض اقدام کے خلاف جو لوگوں نے شورش برپا کر رکھی تھی اگر اس کو نظر انداز نہ کرتے اور خالد کو سنگسار یا قتل کر دیتے تو سعادت و شقاوت نہایت محدود ہو جاتا اور آج اسلام کی تاریخ دوسری ہوتی، لیکن چونکہ حضرت ابو بکرؓ نے جہاں بانی کے نوک پلک درست کرنے سے پہلے جہاں بینی کے نشیب و فراز سے واقفیت حاصل کی تھی، ا ا ، اور اسلامی ریاست کے حدود کار متعین کرنے سے پہلے چشم دل میں نظر پیدا کی تھی، اس بنا پر ایک طرف تو قرآن و سنت کو نظر انداز نہ ہونے دیا اور دوسری طرف انہیں کی روشنی میں توسیعی پروگرام پر ماموریت کے فرائض کو حسن وخوبی انجام دیا۔

ملت کے افراد میں یہ نظر و واقفیت جب بھی پیدا ہوگی انہیں بزرگوں کو رہنما بنانے اور انہیں کے قدم پر چلنے سے پیدا ہوگی جیسا کہ رسول اللہ نے فرمایا:

فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین[1] — میری سنت اور خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑ لو۔

حضرت ابو بکرؓ نے لوطی کو آگ میں جلانے کا حکم دیا

(۱۵) حضرت ابو بکرؓ نے لوطی کو آگ میں جلانے کا حکم دیا جس کی صورت یہ ہوئی کہ خالدؓ نے ابو بکرؓ کے پاس ایک شخص

[1] تاریخ ردہ بنو عامر اور دوسرے قبیلوں کے دوبارہ مسلمان ہونے کا ذکر ص ۶۵۔

کی یہ شکایت بھیجی:

انه وجد فی بعض نواحی العرب رجل ینکح کما تنکح المرءة ۔ — نواحی عرب میں ایک شخص ہے جس سے عورت جیسا فعل کیا جاتا ہے۔

صحابہ رضؓ سے مشورہ کے بعد انہوں نے یہ جواب دیا:

ان یحرق ۔[۱] — اس کو جلا دیا جائے۔

حالانکہ عذاب نار سے ممانعت کی حدیثیں اوپر گذر چکی ہیں۔

شرابی کی سزا مقرر کی

(۱۶) حضرت ابوبکرؓ نے شرابی کی سزا چالیس درّے مقرر کی۔

فکان ابو بکر یجلدھم اربعین حتی توفی ۔[۲] — ابوبکرؓ شرابیوں کو چالیس درّے مارا کرتے تھے یہاں تک کہ ان کی وفات ہوگئی

حالانکہ اس سلسلہ میں رسول اللہؐ کے مختلف طرز عمل منقول ہیں:

دوسری شادی کے بعد بھی ماں کو بچہ کی پرورش کا حق دار ٹھہرایا

(۱۷) حضرت ابوبکرؓ نے عمرؓ کے واقعہ میں نکاح کے بعد بھی عورت کو بچہ کی پرورش کا مستحق ٹھہرایا حالانکہ رسول اللہؐ نے طلاق و جدائی کے بعد عورت کو بچہ کی پرورش کا حق دار اس وقت تک ٹھہرایا ہے۔

جب تک وہ دوسری شادی نہ کرے جیسا کہ ماں سے رسول اللہؐ نے فرمایا:

انت احق مالم تنکحی ۔[۳] — تو زیادہ حقدار ہے جب تک نکاح نہ کرے

صورت یہ ہوئی کہ حضرت عمرؓ نے اپنی انصاری بیوی کو طلاق دے دی جس کے بطن سے "عاصم" ان کا بچہ تھا۔ طلاق کے بعد ماں نے دوسری شادی کر لی جس کی بنا پر عمرؓ نے اپنے بچہ کو لینا چاہا، جب نانی نے ابوبکرؓ سے آکر شکایت کی تو آپ نے عمرؓ سے فرمایا۔

خل بینھما و بینه ۔[۴] — ماں اور بچہ کے درمیان راستہ چھوڑ دو۔

---

[۱] الطرق الحکمیہ فصل اسلوک الصحابہ لبعض الاحکام، [۲] سنن الکبری کتاب الاشربہ ج ۸ ص ۳۲۱
[۳] ایضاً کتاب النفقات، [۴] سنن الکبری کتاب النفقات ج ،

قطعیہ کا حکم نامہ منسوخ کر دیا

(۱۸) حضرت ابو بکرؓ نے اقرع بن حابس اور عیینہ بن حصن کو تالیفِ قلب کے لیے قطعیہ جاگیر دے کر حکم نامہ لکھ دیا لیکن بعد میں عمرؓ کے انکار کی وجہ سے اس حکم نامہ کو منسوخ کر دیا۔ پھر جب ان دونوں نے اصرار کیا تو آپ نے کہا:

واللہ لا اجدد شیئاً ردہ عمر[۱] — خدا کی قسم میں وہ کام نہ کروں گا جس کو عمرؓ نے رد کر دیا ہے۔

حالانکہ تالیفِ قلب کے لیے قرآن حکیم میں "المؤلفة قلوبهم" کی مستقل مد موجود ہے۔ رسول اللہ سے بکثرت عطایا اور قطائع دینا ثابت ہے۔

(۱۹) ایک مرتبہ ابو بکرؓ نے طلحہؓ کو قطعیہ (جاگیر) دیا اور چند لوگوں کو گواہ بنا کر حکم نامہ ان کے حوالہ کر دیا، جس میں حضرت عمرؓ کا بھی نام تھا، جب طلحہ دستخط کرانے کے لیے عمرؓ کے پاس گئے تو انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا:

اھذا کلہ لک دون الناس۔ — کیا یہ سب آپ ہی کو مل جائے اور دوسری بڑی لوگ محروم رہیں۔

اس کے بعد طلحہؓ غصہ میں بھرے ہوئے ابو بکرؓ کے پاس آئے اور کہا:

واللہ ما ادری انت الخلیفة ام عمر؟ — واللہ میں نہ سمجھ سکا کہ کون خلیفہ ہے آپ ہیں یا عمرؓ ہیں؟

ابو بکرؓ نے جواب دیا:

بل عمرؓ[۲] — بلکہ عمرؓ ہیں۔

رسول اللہ کے وصال پر دف بجانے والی عورتوں کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا

(۲۰) حضرت ابو بکرؓ نے سیاست شرعیہ کے تحت ان عورتوں کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا جنہوں نے رسول اللہ کے وصال پر دف

---

[۱] کتاب الاموال ص ۲۸۳، [۲] کتاب الاموال ص ۲۸۳

بجایا تھا۔

کما امر یقطع ید النساء اللاتی ضربن الدف لموت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاظہار الشماتۃ[1]	جیسا کہ ابو بکرؓ نے ان عورتوں کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا جنہوں نے اظہار خوشی کے لیے رسول اللہ کے وصال پر دف بجایا تھا۔

حالانکہ قرآن وسنت میں ایسے جرم پر قطع ید کا کہیں ذکر نہیں ہے۔

اس قسم کی مثالوں میں بظاہر قرآن وسنت کی مخالفت معلوم ہوتی ہے۔ لیکن حقیقۃً کوئی مخالفت نہیں ہے۔ ان بزرگوں نے جتنے اجتہادات کیے ہیں قرآن وسنت کے اندر کیے ہیں اور مجموعہ کو سامنے رکھ کر ہی احادیث واحکام کے موقع ومحل متعین کیے ہیں اس بناء پر ہمارے لیے صحابہؓ کا طرزِ عمل حجت ہے اور اسی پر ملی مسائل کا حل موقوف ہے، جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ کہتے ہیں:-

انتظام الدین یتوقف علی اتباع سنن النبیؐ وانتظام السیاسۃ الکبری یتوقف علی الانقیاد للخلفاء فیما یامرونھم بالاجتہاد فی باب الارتفاقات واقامۃ الجہاد وامثال ذالک[2]	دین کا انتظام سنت رسول اللہ کی اتباع پر موقوف ہے اور سیاست کبریٰ کا انتظام خلفاء کی اتباع پر موقوف ہے۔ چنانچہ تدابیر ملکی اور اقامت جہاد وغیرہ میں وہ اجتہاد کا حکم دیتے ہیں:

قیاس واجتہاد ابو بکرؓ کی ماموریت کا نہایت اہم فریضہ تھا

حضرت ابو بکرؓ کے مختلف فیصلوں میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قیاس واجتہاد ان کی "ماموریت" کے نہایت اہم فریضے تھے جن کے اصول وضوابط کی طرف عملاً اشارہ کر کے اسلام کو زندۂ جاوید بنا یا اور حالات وزمانہ کی رعایت کر کے شریعت کو جمود وخمود سے محفوظ رکھا۔

یہ صحیح ہے کہ جن معاملات میں صریح وحی نہ موجود ہوتی ان میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ

[1] المبسوط ج باب المرتدین ص۱۱۰، [2] حجۃ اللہ البالغہ ج من ابواب الاعتصام بالکتاب والسنۃ

وسلم رائے اور اجتہاد سے حکم صادر فرماتے تھے لیکن چونکہ آپ مہبط وحی اور حکمت الٰہی کے رازداں تھے پھر خطاء اجتہادی پر قائم رہنے سے آپ کی حفاظت ہوتی تھی، اس بناء پر دوسروں کے اجتہاد و قیاس کے لیے آپؐ کا عمل اس قدر سہولتیں نہیں پیدا کرتا جس قدر ابوبکرؓ کا عمل سہولتیں پیدا کرتا ہے، گویا قیاس و اجتہاد کا کام ایسا کام ہے کہ جس کے لیے خصوصیت سے صحابۂ کرام مامور ہوتے ہیں۔ اسی بناء پر حضرت شاہ ولی اللہؒ محدث دہلوی کہتے ہیں:

> اہم مہمات نزدیک حضرت صدیقؓ آں بود کہ برائے امت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم قاعدہ مرتب فرمائد تا در مسائل اجتہادیہ بکدام راہ سلوک نمائندہ ترتیب ادلۂ شرعیہ بچہ اسلوب عمل آرند الی یومنا ہذا ائمہ مجتہدین برہمیں قاعدہ عمل مے کنندہ و سے رضی اللہ عنہ شیخ و استاد جمیع مجتہدین شد[1]

چونکہ صحابۂ کرام اس اہم کام میں جمیع مجتہدین کے شیخ و استاد ہوتے ہیں اور وہی راستہ کے نوک پلک درست کر کے رہبر و رہنما بنتے ہیں، اس بناء پر ان کی حفاظت ضروری اور ان کے قول و فعل سے حسنِ ظنی لازمی ہے۔ اگر نادانی سے ان کو قرآن و سنت کا نظر انداز کرنے والا ثابت کیا جائے یا دانائی سے اُن کو تحریک کا لیڈر تسلیم کیا جائے اور پھر اسی حیثیت سے اُن کی زندگی اور تاریخ کو مرتب کیا جائے تو یہ دین وملت کے ساتھ دشمنی ہے جو دوستی کے رنگ میں ظاہر ہو رہی ہے۔

حضرت عمرؓ کو توسیع کا زیادہ موقع ملا

حضرت ابوبکرؓ کے بعد حضرت عمرؓ کو توسیع کا زیادہ موقع ملا، یہ اس وقت خلیفہ ہوئے جب کہ بڑی حد تک زمین ہموار اور فضا درست ہو گئی تھی۔

فتنوں اور بغاوتوں کو دبانے میں ابوبکرؓ نے جیسی صلاحیت کا مظاہرہ کیا، حضرت عمرؓ سے بظاہر اس کی توقع نہ تھی، اور "ماموریت" کے فرائض کو جس حد تک عمرؓ نے وسیع کیا ابوبکرؓ کو اس کی ضرورت نہ پیش آئی۔

---

[1] ازالۃ الخفاء مقصد دوم ص ۳۱ مآثر جمیلہ صدیق اکبرؓ۔

حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے طریق انتخاب و حکومت سے وسعت کا ثبوت

(۲۱) دونوں بزرگوں کے طریق انتخاب میں جو طرز عمل اختیار کیا گیا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام نے انتخاب کو کسی ایک طریقہ میں محدود نہیں کیا ہے، اسی طرح حکومتی نظم و نسق چلانے میں ان دونوں نے حالات کی رعایت سے جس فرق کو ملحوظ رکھا، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ روح اور مقصد برقرار رکھتے ہوئے حکومتی کاروبار میں کافی وسعت ہے، کیونکہ

معلوم ان للناس مصالح تتجدد	یہ معلوم ہے کہ ایام کے بدلنے سے نئے
بتجدد الایام فلو وقف	نئے مصالح پیدا ہوتے رہتے ہیں ایسی حالت
الاعتبار علی المنصوص فقط	میں اگر صرف منصوص پر اعتبار کو موقوف رکھا گیا
لوقع الناس فی الحرج الشدید	تو لوگ سخت حرج میں مبتلا ہو جائیں اور رحمت
وھو مناف للرحمۃ۔[۱]	کے منافی بات لازم آئے گی

حضرت عمرؓ کے حکومت کی ترتیب و تنظیم کے سلسلہ میں جتنے اقدامات کیے ہیں، اُن سب کا احاطہ یہاں مقصود نہیں ہے۔ مورخین نے نہایت تفصیل سے ان کو بیان کر دیا ہے: ذیل میں چند وہ صورتیں ذکر کی جاتی ہیں جو انہوں نے احکام شرعیہ میں حالات کی رعایت سے توسیعی پروگرام کے تحت اختیار کی تھیں اور بحیثیت مجموعی نصوص شرعیہ ان کے پیش نظر تھیں، اگرچہ ظاہر نظر میں کسی نص کی مخالفت معلوم ہوتی ہے یا صراحۃً ثبوت نہیں ملتا ہے۔ مثلاً:

حضرت عمرؓ نے کتابیہ عورت سے نکاح کی ممانعت کر دی!

(۱) حضرت عمرؓ نے کتابیہ عورت سے نکاح کرنے کی ممانعت کر دی حالانکہ قرآن حکیم میں اس کی اجازت موجود ہے۔

وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ	اور تمہارے لیے مومنہ اور کتابیہ پاک دامن

---

[۱] تعلیل الاحکام البحث الثالث فی حجیتہا۔

وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَا اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْ اَخْدَانٍ ۔ [۱]

عورتیں حلال کی گئی ہیں، جب کہ تم ان کا مہر ادا کرو اور بیوی بناؤ نہ علانیہ بدکاری کرو اور نہ خفیہ آشنائی کرو۔

اس سلسلہ میں ابوبکر جصاصؒ نے یہ واقعہ نقل کیا ہے:

حضرت حذیفہؓ نے ایک یہودیہ سے نکاح کر لیا، جب اس کی اطلاع حضرت عمرؓ کو ہوئی تو انہوں نے اس سے علیحدگی کا حکم دیا۔ حذیفہؓ نے لکھا کہ کیا وہ حرام ہے؟ اس پر عمرؓ نے جواب دیا کہ میں حرام تو نہیں کہتا ہوں لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ تم لوگ بدکار عورتوں کے جال میں پھنس جاؤ گے۔" [۲]

امام محمدؒ نے مدائن کا یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا:

فانی اخاف ان یقتدی بك المسلمون فیختادوا نساء اهل الذمة لجمالهن وکفی بذلك فتنة النساء المسلمین [۳]

میں ڈرتا ہوں کہ دوسرے مسلمان تمہاری اقتدا کریں گے اور ذمیہ عورتوں کے جمال کی وجہ سے مسلم عورتوں پر ان کو ترجیح دیں گے، یہ بات بڑی آسانی سے فتنہ بن سکتی ہے۔

حضرت عمرؓ نے مسلمانوں کو زمین وجائیداد رکھنے سے منع کر دیا

(۲) حضرت عمرؓ نے مسلمانوں کو زمین وجائیداد رکھنے سے قانوناً منع کر دیا۔ جب کہ اس سے پہلے برابر ان کے پاس زمینیں رہتی رہیں اور "امین" کی حیثیت سے وہ جائیدادوں پر قابض رہے۔

علامہ طنطاوی جوہری کہتے ہیں:

فلما کثرت الاموال فی

حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت میں جب مال

---

[۱] سورۂ مائدہ رکوع ۱، [۲] احکام القرآن للجصاص باب تزوج الکتابیات ج ۲ ص ۳۲۴

[۳] کتاب الآثار باب تزوج الیہودیہ والنصرانیہ،

ایام عمر وضع الدیوان فرض الرواتب للعمال و القضاۃ ومنع ادخار المال وحرم علی المسلمین اقتناع الضیاع والزراعۃ والمزارعۃ لان ارزاقھم وارزاق عیالھم تدفع لھم من بیت المال[1]

زیادہ ہوگیا تو باقاعدہ رجسٹر مرتب کیے گئے لوگوں کے وظیفے مقرر ہوئے عالموں اور قاضیوں کی تنخواہیں مقرر ہوئیں، نیز سرمایہ جمع کرنے زمین رکھنے کاشتکاری کرنے اور دوسروں سے کرانے سے روک دیا گیا یہ سب کچھ اس لیے ہوا کہ لوگوں کے بال بچوں تک کے وظیفہ سرکاری خزانہ سے مقرر کردیے گئے تھے۔

ممانعت کے اس قانون نے یہاں تک ترقی پائی کہ۔

" اگر کوئی غیر مسلم اسلام قبول کرلیتا تو اس کی تمام جائیداد غیر منقولہ ضبط کرکے بستی کے غیر مسلموں میں تقسیم کردی جاتی اور اس نومسلم کا سرکاری خزانہ سے وظیفہ مقرر کردیا جاتا تھا[2]

دراصل اسلام ایک ایسی صالح جماعت تیار کرکے برقرار رکھنا چاہتا ہے جس کا مقصد جان ومال کی قربانی کرکے دوسروں کے لیے رحمت کا ماحول پیدا کرتا ہو یہ اس وقت تک ناممکن ہے جب تک دلوں سے ذاتی منفعت اور عیش وعشرت کے "بت" نہ نکالے جائیں۔

عام طور سے یہ ہوتا ہے کہ با اقتدار جماعت میں جب کوئی فرد داخل ہوتا ہے تو اس کو ہر قسم کی جائز وناجائز رعایتیں دی جاتی ہیں، اس کی زیادتیوں پر پردہ ڈالا جاتا ہے اور اس کو اتنی "چھوٹ" ملتی ہے کہ وہ دوسروں کی حق تلفی کرکے خود عیش کرسکے۔

لیکن اسلامی جماعت میں داخل ہونے والے سے اللہ کے لیے ہر چیز وقف کردینے کا عہد لیا جاتا ہے اور اپنے کو فنا کرکے دوسروں کی بقا کا سامان فراہم کرنے کا مطالبہ ہوتا ہے اس لیے اسلامی حکومت مسلم کی زمین وجائیداد میں اپنے اختیارات بہ نسبت دوسرے لوگوں کے زیادہ استعمال کرتی ہے۔

---

[1] نظام العالم والامم ج ۲ ص ۱۸۳، ۱۸۴، [2] حوالہ بالا۔

حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز نے بھی اس پر عمل کیا

حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز نے بھی اپنے زمانۂ خلافت میں ممانعت کے اس قانون پر عمل کیا تھا جیسا کہ:

وايد هذه القاعدة عمر بن عبد العزيز وكان يتحدى ابن الخطاب بكل خطواته[1]

حضرت عمرؓ کے اس قانون کو عمرؒ بن عبدالعزیز نے نافذ کیا اور وہ حضرت عمرؓ کے ہر نقش قدم پر چلتے تھے۔

غیر مسلموں میں جو شخص اسلام قبول کر لیتا اس کے لیے یہ قانون تھا:

ايما ذمي اسلم فان اسلامه يحرز له نفسه وماله وما كان من ارض فانها من فئ الله على المسلمين[2]

جو ذمی (غیر مسلم) اسلام قبول کرے اس کی جان اور اموال منقولہ محفوظ رہیں گے لیکن اموال غیر منقولہ مسلمانوں کے لیے اللہ کی "فے" ہو جائیں گے۔

ايما قوم صالحوا على جزية يعطونها فمن اسلم منهم كانت داره وارضه لبقيتهم[3]

اور جن لوگوں سے معاہدہ ہو گیا ہے وہ اگر اسلام قبول کر لیں تو اموال غیر منقولہ اسی قوم کے بقیہ لوگوں میں تقسیم کر دیے جائیں گے۔

حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درج ذیل فرمان میں منقولہ و غیر منقولہ کی کوئی تقسیم ہے اور نہ عرب و عجم کی کوئی تخصیص ہے۔

ان القوم اذا اسلموا احرزوا دماءهم واموالهم[4]

جب کوئی قوم اسلام قبول کرے تو وہ اپنی جانوں اور مالوں کو محفوظ کر لیتی ہے۔

قاضی ابو یوسف اسی حدیث کی بنا پر کہتے ہیں:

فان دماءهم حرام وما اسلموا عليه من اموالهم

جس زمین کے باشندے اسلام قبول کر لیں ان کا خون حرام ہے، قبول اسلام کے

---

[1] نظام العالم والامم ج ۲ صفحہ ۱۸۳ و ۱۸۴۔ [2] نظام العالم والامم ج ۲ صفحہ ۱۸۳ و ۱۸۴ [4] بحوالہ ابو داؤد۔

وکذلک ارضهم لهم۔[1] | وقت جو مال ان کے پاس ہوگا وہ انہی کا رہے گا ایسے ہی زمینیں بھی انہی کی رہیں گی۔

حضرت شاہ ولی اللہ نے اسلامی حکومت میں اراضی کی یہ حیثیت بیان کی ہے۔

والارض کلها فی الحقیقۃ بمنزلۃ مسجد او رباط جعل وقفا علی ابناء السبیل وهم شرکاء فیه فیقدم الاسبق فالاسبق۔[2] | حقیقت یہ ہے کہ پوری زمین بمنزلہ مسجد اور سرائے کے ہے جو مسافروں پر وقف ہوتی ہے۔ اور سب لوگ اس میں برابر کے شریک ہوتے ہیں، اس لیے ہر پہلے آنے والے کو پیچھے آنے والوں پر ترجیح دی جاتی ہے۔

اور ملکیت کی یہ حیثیت بیان کی ہے:

وحق الملک فی الآدمی کونه احق بالانتفاع من غیرہ۔[3] | زمین پر آدمی کا حق ملکیت کا صرف یہ مطلب ہے کہ دوسرے کے مقابلہ میں اس کو انتفاع کا زیادہ حق حاصل ہے۔

ایک وقت کی تین طلاقوں کو تین قرار دیا

(۳) حضرت عمرؓ نے بیک وقت تین طلاقوں کو تین قرار دیا جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو ایک قرار دیتے تھے۔ یعنی اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ تجھ کو تین طلاقیں ہیں تو وہ تینوں واقع ہو جائیں گی۔

حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے:

کان الطلاق علی عهد رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم و ابی بکر و سنتین من خلافۃ عمر طلاق الثلاث واحدۃ | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ کے زمانہ میں تین طلاقیں ایک سمجھی جاتی تھیں۔ نیز عمرؓ کے ابتدائی زمانہ خلافت میں دو سال تک اسی پر عمل درآمد رہا، لیکن جب عمرؓ

---

[1] کتاب الخراج لابی یوسف باب فی اسلام قوم من اہل الحرب صفحہ ۶۳۔
[2] حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ من ابواب ابتغاء الرزق [3] حوالہ بالا۔

فقال عمر بن الخطاب ان الناس قد استعجلوا فی امر کانت لهم فیه اناة فلو امضیناه علیهم فامضاه علیهم[1]	نے دیکھا کہ لوگ ایسے کام میں جلدی کر رہے ہیں جس میں انہیں تاخیر کرنا چاہیئے تو انہوں نے تینوں کو بحال رکھا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا:

ایها الناس قد کانت لکم فی الطلاق اناة فانه من تعجل اناة الله فی الطلاق الزمناه ایاه[2]	اے لوگو! تمہارے لیے طلاق میں تاخیر مناسب ہے جس شخص نے طلاق میں اللہ کی تاخیر کو برقرار نہ رکھا تو ہم اس کو لازم کر دیں گے

ایک اور روایت میں ہے:

تتابع الناس فی الطلاق فاجازه علیهم[3]	جب لوگ طلاقیں پے در پے دینے لگے تو حضرت عمرؓ نے ان کو برقرار رکھا۔

اسی بنا پر حضرت عمرؓ کا معمول تھا کہ جب ان کے پاس اس قسم کی طلاق کا مقدمہ آتا تو مرد کو سزا دے کر میاں بیوی میں تفریق کر دیتے تھے[4]

شرابی کی سزا اسّی کوڑے مقرر کی

حضرت عمرؓ نے شرابی کی سزا اسّی کوڑے مقرر کی جب کہ رسول اللہ کے زمانہ میں سزا کی تعیین نہ تھی اور حضرت ابوبکرؓ نے چالیس کوڑے مقرر کیے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت خالدؓ بن ولید نے عمر فاروقؓ کے پاس یہ شکایت لکھ بھیجی:

ان الناس قد انهمکوا فی الشراب و تحاقروا الحد والعقوبة[5]	لوگ شراب میں منہمک ہو گئے۔ اور حد و عقوبت کو حقیر سمجھنے لگے۔

اس پر حضرت عمرؓ نے باہمی مشورہ سے اسّی کوڑے پر اتفاق کیا۔

فسألهم فاجمعوا علی ان یضرب ثمانین[6]	لوگوں نے مشورہ کر کے اسّی پر اتفاق کیا۔

---

[1] مسلم کتاب الطلاق ج ۱ [2] شرح معانی الآثار کتاب الطلاق ج ۲ ص ۳۲ [3] ابوداؤد و مشکوٰۃ باب حد الخمر [4] سنن الکبریٰ کتاب الاشربہ ج ۸ ص ۳۲۰ [5] فقہ عمرؓ مسائل الطلاق [6] مسلم و ابوداؤد کتاب الطلاق

بیہقی میں یہ روایت زیادہ وضاحت کے ساتھ ہے۔

شرابی رسول اللہ کے زمانہ میں ہاتھ، جوتے اور لکڑی سے مارے جاتے تھے حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں جب ان کی تعداد بڑھ گئی تو انہوں نے کہا کہ سزا مقرر کر دینا زیادہ مناسب ہے انہوں نے رسول اللہ کی سزاؤں سے اندازہ کر کے چالیس کوڑے مقرر کیے پھر جب حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ان کی تعداد اور زیادہ ہو گئی تو انہوں نے باہمی مشورہ سے اسّی مقرر کیے [۱]

ایک موقع پر چوری میں مال کی دوگنی قیمت کا حکم دیا!!

(۵) اوپر گذر چکا ہے کہ حضرت عمرؓ نے چوری کی سزا میں ہاتھ کاٹنے کے بجائے ایک موقع پر مال کی دوگنی قیمت وصول کی نیز بھوک و قحط کے عام ابتلاء میں قطع ید سے روک دیا جب کہ قرآن حکیم کی آیت :

والسارق والسارقۃ فاقطعوا ایدیھما۔ (سورۂ مائدہ رکوع) — چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت ان کے ہاتھ کاٹ دو۔

عام ہے جس میں کسی خاص صورت کو مستثنیٰ نہیں کیا گیا۔

تالیف قلب کے لیے زکوٰۃ دینے کی ممانعت کر دی

(۶) تالیف قلب کے لیے زکوٰۃ دینے کا ثبوت قرآن حکیم میں موجود ہے۔

والمؤلفۃ قلوبھم۔ (سورۂ توبہ رکوع) — اور ان کو زکوٰۃ دی جائے جن کی تالیف قلب مقصود ہے

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تالیف قلب کے لیے کمزور ایمان والوں کو بکثرت زکوٰۃ دینا ثابت ہے لیکن حضرت عمرؓ نے زکوٰۃ کے اس مصرف کو یہ کہہ کر ختم کر دیا کہ

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یتالفکما — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم دونوں کی اس وقت تالیف کیا کرتے تھے جب

---

[۱] سنن الکبریٰ کتاب الاشربہ ج ۸ ص ۳۲۰۔

والاسلام یومئذ قلیل وان اللہ قد اغنی الاسلام اذھبا فاجھدا جھدکما۔[1]	اسلام کمزور تھا اور مسلمان تعداد میں کم تھے اب اللہ نے اسلام کو غنی کر دیا ہے تم لوگ جاؤ اور اپنی مالی جدوجہد کرو۔

اسی طرح حضرت عباسؓ کو جب کوئی ضرورت پیش آگئی تو ان سے زکوٰۃ کی وصولی دو سال کے لیے مؤخر کردی گئی تھی جس کی بنا پر فقہ میں ہے:

وللامام ان یؤخر علی وجہ النظر ثم یأخذہ۔[2]	امام (حکومت) کو اختیار ہے کہ مصلحۃً زکوٰۃ مؤخر کر دے پھر وصول کرلے۔

درہم و دینار سے دیت کا تعین کیا

(۷) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ سے دیت (خون بہا) کی مقدار مقرر کی تھی۔ لیکن حضرت عمرؓ نے جب دیکھا کہ سب لوگوں کے پاس اونٹ نہیں ہوتے تو درہم و دینار سے دیت کی قیمت مقرر کی۔ چنانچہ مؤطا امام مالکؒ میں ہے۔

ان عمر بن الخطاب قوم الدیۃ علی اھل القری فجعلھا علی اھل الذھب الفی دینار وعلی اھل الورق اثنی عشر الف درھم[3]	عمرؓ بن خطاب نے بستی والوں کے لیے دیت کی قیمت مقرر کی سونے والوں پر دو ہزار دینار اور چاندی والوں پر بارہ ہزار درہم

(۸) ابوداؤد کی روایت سے دیت کی قیمت میں تفاوت کا بھی ثبوت ملتا ہے:

کانت قیمۃ الدیۃ علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثمان مائۃ دینار او ثمانیۃ آلاف درھم ودیۃ اھل الکتاب یومئذ النصف من دیۃ المسلمین قال وکان ذلک کذلک حتی استخلف	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دیت کی قیمت آٹھ سو دینار یا آٹھ ہزار درہم تھی اور اہل کتاب کی دیت مسلمانوں کے مقابلہ میں نصف تھی، صورت حال اسی طرح برقرار رہی یہاں تک کہ حضرت عمرؓ خلیفہ بنائے گئے تو

---

[1] احکام القرآن للجصاص ج ۲ ص ۲۴ مطلب فی المؤلفۃ القلوب، [2] نیل الاوطار ج ۴ ص ۱۵۹،
[3] ایضاً، [4] مؤطا امام مالک کتاب العقول،

عمر رضی اللہ فقام خطیبا فقال الا ان الابل قد غلت قال ففرضها عمر علی اہل الذہب الفی دینار و علی اہل الورق اثنی عشر الف درہم و علی اہل البقر مائتی بقرۃ و علی اہل الشاۃ الفی شاۃ و علی اہل الحلل مائتی حلۃ [1]

انہوں نے ایک خطبہ میں کہا کہ اونٹ گراں ہو گئے ہیں اس بنا پر سونے والوں پر دو ہزار دینار اور چاندی والوں پر بارہ ہزار درہم اور گائے والوں پر دو سو گائیں اور بکری والوں پر دو ہزار بکریاں اور جوڑے والوں پر دو سو جوڑے دیت میں واجب ہوں گے۔

٭

اہل دفاتر سے دیت وصول کی

(۹) رسول اللہ کے زمانہ میں دیت خاندان و قبیلہ پر ہوتی تھی۔ لیکن حضرت عمرؓ نے جب دفاتر کا نظام قائم کیا تو انہوں نے دیت اہل دفاتر پر مقرر کی:

والعاقلۃ من اہل الدیوان ان کان القاتل من اہل الدیوان۔[2]

اگر قاتل اہل دیوان سے ہے تو عاقلہ اہل دیوان سے ہوں گے۔

اہل دیوان میں ایک دفتر یا محکمہ کے لوگ شامل ہوتے تھے جن کے نام ایک رجسٹر میں درج ہوتے تھے، علامہ سرخسیؒ نے اس تبدیلی کے بارے میں یہ رائے ظاہر کی ہے:

"رسول اللہؐ نے دیت کی ذمہ داری خاندان و قبیلہ پر اس لیے ڈالی تھی کہ اس وقت قوت و مدد انہیں کے ذریعے حاصل ہوتی تھی پھر حضرت عمرؓ نے جب دفاتر کا نظام قائم کیا تو یہ قوت و مدد اہل دفاتر سے وابستہ ہو گئی تھی۔"[3]

اہل کتاب کے ذبح خانہ کو ہٹانے کا حکم دیا

(۱) قرآن حکیم میں اہل کتاب کا ذبیحہ حلال کیا گیا ہے۔[4]

وطعام الذین اوتوا الکتب حل لکم۔

اور اہل کتاب کا ذبیحہ تمہارے لیے حلال ہے۔[5]

---

[1] ابو داؤد و باب الآیۃ کم ہی وقعۃ کر کتاب القصاص والدیات۔ [2] ہدایہ ج باب القسامہ صفحہ ۶۶۱

[3] المبسوط باب القسامہ صفحہ ۱۲۷، [4] سورۂ مائدہ رکوع، [5] المدونہ کتاب الذبائح،

لیکن حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ شہروں سے یہود و نصاریٰ کے ذبیحہ خانے اور صرافے ہٹا دیے جائیں اور وجہ یہ بیان کی:

فان اللہ تبارک وتعالیٰ قد اغنانا بالمسلمین۔[۱] — اللہ نے ہم کو مسلمانوں کی وجہ سے ان سے بے پروا کر دیا ہے۔

یہ لوگ سودی کاروبار کرتے تھے ان کے کاروبار پر اگر خلافت کی جانب سے نکیر نہ کی جاتی تو لوگ اس خیال میں مبتلا ہو جاتے کہ مسلمان اس کاروبار کو جائز سمجھتے ہیں ممکن ہے حضرت عمرؓ کے پیش نظر یہ مصلحت بھی رہی ہو۔[۲]

حج تمتع کی ممانعت کر دی

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج تمتع کو مباح کیا تھا۔ لیکن حضرت عمرؓ نے اس کی ممانعت کر دی۔

فقال الضحاک فان عمر بن الخطاب قد نهی عن ذلک۔[۳] — ضحاک نے کہا کہ حضرت عمرؓ نے اس سے منع کیا ہے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا:

افصلوا بین حجکم و عمرتکم فان ذلک اتم لحج احدکم واتم لعمرۃ ان تعتمر فی غیر اشهر الحج۔[۴] — تم لوگ اپنے حج اور عمرہ کے درمیان فصل کر دو۔ یہ فصل تمہارے حج کو زیادہ کامل کرنے والا ہے اور عمرہ کے لیے کمال یہ ہے کہ حج کے مہینوں کے علاوہ میں کیا جائے۔

علامہ ابن قیمؒ کی رائے ہے کہ حضرت عمرؓ کو حج تمتع کی روایت کی خبر نہ تھی۔[۵]

مفتوحہ اراضی کی تنظیم کو زیادہ وسیع کیا

(۲) رسول اللہ کے زمانہ میں مفتوحہ اراضی کی تنظیم و تقسیم کی دو شکلیں رائج تھیں۔

(۱) خلافت کے زیر انتظام فوجوں میں تقسیم کر دی جاتی تھیں۔

---

[۱] المدونۃ کتاب الذبائح [۲] الاعتصام لشاطبی ج ۲ ص ۱۲۷ [۳] موطا امام مالک باب ما جاء فی التمتع [۴] حوالہ بالا ما جاء فی العمرۃ اور بیہقی ج ۵ باب من اختار الافراد ص ۵ [۵] اعلام الموقعین جلد ۲ ذکر ما خفی علی الصحابۃ ص ۳۵۵

(۲) خلافت کے زیرِ انتظام اصل باشندوں کے پاس رہنے دی جاتی۔ لیکن حضرت عمرؓ نے اس نظام کو مفادِ عامہ کی خاطر زیادہ وسیع قرار دیا۔

چنانچہ عراق و شام فتح ہونے کے بعد زمین دجابیداد کے بارے میں مشورہ ہوا مجلس شوریٰ میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف و حضرت بلالؓ وغیرہ کی رائے تھی کہ یہ زمین فوجیوں میں تقسیم کردی جائے لیکن شوریٰ کے دوسرے ممبران حضرت عمرؓ حضرت علیؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت معاذ ابن جبلؓ، حضرت عثمانؓ وغیرہ کی رائے تھی کہ زمین اصل باشندوں کے پاس رہنے دی جائے۔

اس موقع پر موافق و مخالف جو تقریریں ہوئیں، ان سے نظامِ خلافت اور اس کے اختیارات کی وسعت کو سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔

تنظیم کے وقت حضرت عمرؓ کی تقریر

حضرت عمرؓ کی تقریر:

"یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں اس زمین کو آپ لوگوں میں تقسیم کر دوں اور بعد کے لوگوں کو ایسی حالت میں چھوڑ دوں کہ ان کا اس میں کچھ حصہ نہ رہے کیا آپ لوگوں کا یہ مقصد ہے کہ اس کی آمدنی ایک محدود طبقہ میں سمٹ کر رہ جائے اور نسلاً بعد نسل اسی طبقہ میں منتقل ہوتی رہے۔ اگر میں نے ایسا کر دیا تو سرحدوں کی حفاظت کس مال سے کی جائے گی؟ بیواؤں اور حاجتمندوں کی کفالت کہاں سے ہوگی؟ مجھے اس کا بھی اندیشہ ہے کہ بعض لوگ پانی کے بارے میں فساد کرنے لگیں گے۔"

حضرت علیؓ کی تائیدی تقریر:

"میری رائے ہے کہ کاشت کار اور اراضی کو جوں کا توں رہنے دیجئے تاکہ یہ سب لوگوں کے لیے یکساں معاشی قوت کا ذریعہ ہوں (فوجوں میں زمین تقسیم کر دینے سے انہیں میں سمٹ کر رہ جائے گی۔"

حضرت معاذ کی تائیدی تقریر:

"میری رائے ہے کہ کاشت کار اور اراضی کو جوں کا توں رہنے دیجئے تاکہ یہ سب لوگوں کے لیے یکساں معاشی قوت کا ذریعہ ہوں (فوجوں میں زمین تقسیم کر دینے سے انہیں میں سمٹ کر رہ جائے گی"

حضرت معاذ کی تائیدی تقریر:

"اگر آپ نے زمینیں تقسیم کر دیں تو زرخیز زمینوں کے بڑے بڑے ٹکڑے فوج میں بٹ جائیں گے، پھر ان کے مرنے کے بعد کسی کی وارث کوئی عورت ہوگی اور کسی کا وارث کوئی اکیلا مرد ہوگا، اس کے علاوہ سرحدوں کی حفاظت اور فوجیوں کی کفالت کے لیے حکومت کے پاس کچھ نہ رہ جائے گا۔ اس لیے آپ کو وہ کام کرنا چاہیئے جس میں آج کے لوگوں کے لیے فائدہ و سہولت ہو اور بعد والوں کے لیے بھی ہو"

مخالفین کی تقریریں

مخالفت میں حضرت بلالؓ و حضرت عبدالرحمٰن ابنؓ کی تقریر:

"جو مال اللہ نے ہمیں غلبہ سے عطا فرمایا ہے وہ ہم لوگوں میں تقسیم ہونا چاہیئے۔ جس طرح رسول اللہﷺ نے خیبر تقسیم کر دیا۔ یہ کسی طرح مناسب نہیں ہے کہ جو لوگ اس وقت موجود نہیں ہیں ان کے بیٹوں اور پوتوں کے خیال سے ہماری حق تلفی کی جائے ہم اپنی اولاد کے لیے ہیں اور بعد والے اپنی اولاد کے لیے ہوں گے"

الغرض مہاجرین و انصار کی اس پہلی میٹنگ میں کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ مجبور ہو کر حضرت عمرؓ نے دوبارہ مجلسِ شوریٰ طلب کی، اس میں انصار کے دس معزز آدمیوں کو بھی بلا بھیجا اور سب کو جمع کر کے حضرت عمرؓ نے حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

حضرت عمرؓ کی دوسری تقریر

میں نے آپ حضرات کو اس لیے تکلیف دی ہے کہ جس بارِ امانت کو آپ لوگوں نے میرے سر پر رکھا ہے اس میں میرے شریک بنیں اس وقت مجلس میں میری حیثیت خلیفہ کی نہیں ہے بلکہ آپ میں سے ایک فرد کی ہے۔ ہر شخص کو اپنی رائے پیش کرنے کا پورا اختیار ہے اس معاملہ میں پہلے

مشورہ ہو چکا ہے کچھ لوگوں نے میری مخالفت کی ہے اور کچھ نے موافقت کی ہے۔

"میں یہ ہرگز نہیں چاہتا کہ آپ لوگ میری مرضی کی اتباع کریں اور حق بات کو چھوڑ دیں، میں تو حق بات ہی کی طرف توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں، جس طرح میرے پاس اللہ کی کتاب ہے ویسے ہی آپ کے پاس ہے جو ناطق بالحق ہے اس کو سامنے رکھ کر مجھے جواب دیجیے، جو کچھ اس میں موجود ہے۔ اس پر عمل کرنا ہم سب کا فرض ہے۔"

"کیا آپ حضرات نے ان لوگوں کی باتیں نہیں سنیں جو اس معاملہ میں مجھے شک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں شاید ان کا خیال ہے کہ میں حق تلفی کرنا چاہتا ہوں حالانکہ کسی فرد کی بھی حق تلفی کرنا میرے نزدیک صریح ظلم ہے "معاذ اللہ" خدا شاہد ہے میں نے کبھی کسی معاملہ میں ان پر ظلم کیا ہو یا اب کسی پر ظلم کرنے کا ارادہ ہو، یہ بات ضرور ہے کہ کسریٰ کی زمین عراق و شام فتح ہونے کے بعد اور کون سی زمین رہ گئی ہے کہ جس کی آمدنی سے خلافت کا انتظام سنبھالا جا سکے گا محض اللہ کا فضل و کرم ہے کہ اس نے کسریٰ کے اموال، زمین، جائیداد اور جفاکش کام کرنے والوں پر ہمیں غلبہ فرمایا ہے۔"

"یہ لوگ (مخالفین) خود شاہد ہیں اموالِ منقولہ میں نے فوجیوں میں تقسیم کر دیا، خمس (پانچواں حصہ) بھی اس کے مناسب موقع پر صرف کر دیا ہے۔ اب زمین (جائیداد غیر منقولہ) باقی رہ گئی ہے! اس کے بارے میں میرا خیال ہے کہ آتش پرست مالکوں ہی کے پاس رہنے دوں، زمین پر ٹیکس (خراج) اور مالکوں پر مال و جان کی حفاظت کا معاوضہ جزیہ مقرر کروں تاکہ یہ سب آمدنی اجتماعی مفاد کے کام میں لائی جا سکے اور اس کے ذریعے فوجیوں کی تنخواہوں نیز موجودہ و بعد کے لوگوں کا بندوبست کیا جا سکے۔ آپ حضرات غور کیجیے۔ کیا یہ ملک سرحدوں کی حفاظت کے بغیر بیرونی حملوں سے محفوظ رہ سکیں گے؟ کیا جزیرہ، کوفہ، بصرہ، عراق، شام، مصر وغیرہ کے بڑے بڑے شہروں میں ان کی حفاظت کے لیے فوجی چھاؤنیوں کی ضرورت نہ پڑے گی؟ آخر فوجیوں کی تنخواہیں، ان کے بھتے اور

اور دیگر تمام لوگوں کے وظیفوں کی رقم کہاں سے آئے گی؟

آیات فئے سے استدلال

حضرت عمرؓ نے تقریب کے درمیان آیات "فئے" سے استدلال کیا تھا اور اندازِ استدلال یہ تھا کہ دشمن سے حاصل کیے ہوئے مال میں صرف فوجیوں کا حق نہیں مذکور ہے بلکہ اس میں سب لوگوں کو شریک کیا گیا ہے اس بنا پر اراضی کی تنظیم و تقسیم میں خلافت کے اختیارات وسیع ہیں۔

وہ آیتیں یہ ہیں:

مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ وَ لِذِی الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ كَیْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ وَ مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَ مَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۘ لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ اَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا وَّ يَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۚ وَ الَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَ الْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَ لَا يَجِدُوْنَ فِیْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۟ؕ وَ مَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ

اللہ تعالٰے نے جو فئے بستی والوں سے اپنے رسول کو عطا فرمایا ہے وہ اللہ و رسولؐ کے لیے اور اقربا، یتیم، مسکین اور مسافر کے لیے ہے تاکہ تم میں سے دولت مندوں کے درمیان ہی سمٹ کر نہ رہ جائے اور جو کچھ رسول تمہیں دیں اس کو لے لو اور جس سے وہ منع کریں (نہ دیں) اس کو چھوڑ دو اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے۔ وہ مال ان مفلس مہاجروں کے لیے بھی ہے جو اپنے گھروں اور اموال سے نکالے ہوئے اللہ کا فضل اور اس کی رضامندی ڈھونڈنے کے لیے اور اللہ و رسول (دین) کی مدد کرنے کے لیے تمہارے پاس آئے ہیں وہی لوگ سچے ہیں، اور ان لوگوں کے لیے بھی ہے جو اس گھر (مدینہ) میں ایمان کی حالت میں مہاجرین سے پہلے سے ٹھہرے ہوئے ہیں، وہ لوگ ان مہاجرین سے محبت کرتے ہیں ان کے آنے اور ان کی خاطر تواضع کرنے سے اپنے دلوں میں تنگی نہیں محسوس کرتے ہیں۔

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۚ وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ الرَّحِيْمٌ ۝

(سورۂ حشر، رکوع ۱)

اور اپنی جانوں پر ان کو مقدم رکھتے ہیں۔ اگرچہ ان پر فاقہ ہی کی نوبت آجائے اور ان لوگوں کے لیے بھی ہے جو ان کے بعد یہ کہتے ہوئے آئے کہ اے ہمارے رب ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے جو ہم سے پہلے ایمان لائے اور ہمارے دلوں میں مومنوں کی طرف سے کینہ نہ رکھ۔ اے ہمارے رب آپ ہی نرمی کرنے والے اور مہربان ہیں۔

شوریٰ میں حضرت عمرؓ کی اس بصیرت افروز تقریر اور استدلال کے انداز نے ممبروں پر اثر ڈالا اور ان الفاظ میں تائید کی گئی:

فقالوا جميعاً الرأى رأيك فنعم ما قلت وما رأيت۔

لوگوں نے کہا کہ آپ کی رائے اس معاملہ میں درست ہے جو آپ کہہ رہے ہیں اور دیکھ رہے ہیں وہی ٹھیک ہے۔

قوم بجیلہ کی زمین واپس لے لی

(۱۳) حضرت عمرؓ نے خالصہ زمین کا کچھ حصہ قوم بجیلہ کو دے دیا تھا دو تین سال تک ان لوگوں نے زمین کو اپنے قبضہ میں رکھا لیکن بعد میں اس کو واپس لے لیا۔ حالانکہ رسول اللہ ؐ نے کسی سے کوئی زمین واپس نہیں لی، ابتداء اسلام میں مدینہ کے مسلم باشندوں نے پانی کی دشواری کی وجہ سے خود ہی اپنی زمینیں رسول اللہ ؐ کے حوالے کر دی تھیں، رسول اللہ ؐ نے ان سے کوئی مطالبہ نہیں کیا تھا۔

قیس ؒ بن حازم کہتے ہیں:۔

"جنگ قادسیہ (ایرانیوں سے ہوئی تھی) میں شامل ہونے والے لوگوں میں قوم بجیلہ کے لوگ چوتھائی تھے، حضرت عمرؓ نے سواد کا چوتھائی انہیں دے دیا، دو یا تین سال تک یہ زمین ان کے قبضے میں رہی ایک مرتبہ کسی ضرورت سے اس قبیلہ کے چند افراد عمارؓ بن یاسر اور جریرؓ وغیرہ حضرت عمرؓ کے پاس تشریف لائے تو

تو انہوں نے کہا کہ آپ لوگ اس زمین کو مفادِ خلق کے لیے خلافت کے حوالے کر دیجیے۔ ان لوگوں نے حکم کی تعمیل کی اور زمین خلافت کے حوالہ کر دی، اس کے بعد حضرت عمرؓ نے سرکاری خزانہ سے جریرؓ کو اسی دینار عطا فرمائے۔ جب واپسی کی خبر قوم بجیلہ کی ایک عورت ام کرزؓ کو ہوئی تو اس نے اپنے حصہ کی زمین واپس کرنے میں پس وپیش کیا اور عمرؓ کے پاس آکر عرض کیا:

یا امیر المومنین ان ابی هلك وسهمه ثابت فی السواد وانی لم اسلم، فقال لها یا ام کرز ان قومك قد صنعوا ما قد علمت فقالت ان کانوا قد صنعوا ما صنعوا فانی لست اسلم حتی تحملنی علی ناقة ذلول علیها قطیفة حمراء و تملأ کفی ذهبا قال ففعل عمر ذلك فکانت الدنانیر نحوا من ثمانین دینارا ۔ [1]

اے امیر المومنین! میرے والد فوت ہو گئے ہیں سواد کی زمین میں ان کا بھی حصہ تھا (جو ترکہ میں مجھے ملا ہے) میں اس کو ہرگز نہ واپس کروں گی حضرت عمرؓ نے کہا کہ ام کرز تمہیں معلوم ہے کہ تمہاری قوم نے بلا چون وچرا زمین واپس کر دی ہے، ام کرزؓ نے جواب دیا کہ مجھے اس سے کوئی بحث نہیں ہے میں تو اس وقت تک واپس نہ کروں گی جب تک کہ آپ مجھے ایک فرمانبردار اونٹنی نہ دیں جس پر سرخ رنگ کی گرم چادر پڑی ہو۔ اور زر ومال سے میرا ہاتھ نہ بھریں، حضرت عمرؓ نے ایسا ہی کیا، اور جو نقدی آپ نے ام کرزؓ کو دی وہ تقریباً اسی دینار تھی۔

اس واقعہ سے جس طرح یہ بات واضح ہوتی ہے کہ خلافت مفادِ عامہ کے پیشِ نظر لوگوں کی زمینیں لے سکتی ہے اسی طرح یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ یہ دخل کی صورت میں ذاتی مفاد

---

[1] حوالہ کے لیے ملاحظہ ہو کتاب الاموال ص۵۸-۵۹ و کتاب الخراج لابی یوسف ص۲۵، ۲۶ باب عمل ہی السواد وکتاب الخراج یحییٰ بن آدم قرشی جز ثانی ص۲۲، واحکام القرآن بجصاص ج۳ سورہ حشر ص۴۳۳، وبخاری ج والاموال ص۲۸۳، مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو اسلام کا زرعی نظام بحث اراضی مفتوحہ (عہدِ خلفاء)

کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے۔

جریرؓ اور ام کرزؓ کو بیت المال سے عطیہ دیا

رہی یہ بات کہ حضرت عمرؓ نے جو کچھ جریرؓ اور ام کرزؓ کو دیا تھا اس کی حیثیت معاوضہ کی تھی جس سے یہ استدلال کیا جائے کہ جب مفاد عامہ کے پیش نظر بے دخلی کی صورت پیش آئے تو خلافت کو بلا معاوضہ زمین لینے کا اختیار نہیں ہے۔ اس پر درج ذیل تصریحات روشنی ڈالتی ہیں۔

ابو عبیدہؒ کہتے ہیں:

"جو لوگ مفتوحہ زمین کو اصل باشندوں کے پاس رہنے دینے میں فوجیوں کی رضامندی ضروری سمجھتے ہیں (امام شافعی کا بھی خیال ہے) یہ واقعہ ان کے لیے کیسے دلیل بن سکتا ہے۔ جب کہ اس جیسے واقعہ عراق و شام کی فتح میں اصل باشندوں کے پاس زمین رہنے دیے جانے کے بارے میں حضرت بلالؓ وغیرہ نے جب عمرؓ کی مخالفت کی اور زمین کو فوجیوں میں تقسیم کرنے پر اصرار کیا تو آپ نے ان سب کے متعلق فرمایا اللھم اکفلنیھم (اے اللہ تو ہی ان کے لیے کافی ہے) اس وقت کون سی ان لوگوں کی رضامندی مطلوب تھی جس کی بنا پر کہا جائے کہ یہاں بھی حضرت عمرؓ ام کرزؓ کو راضی کرنا چاہتے تھے اور بغیر رضامندی انہیں بے دخل کرنے کا کوئی حق نہیں تھا۔"[۱] ابو بکر جصاص قوم بجیلہ کا واقعہ ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں:

"اس واقعہ میں ان کی رضامندی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے کیوں کہ حضرت عمرؓ نے یہ بات صاف طور پر کہہ دی تھی کہ زمین کو واپس کیے بغیر چارہ نہیں ہے اور اسی میں لوگوں کی بھلائی ہے۔ باقی رہا ام کرزؓ کا معاملہ تو اس کو حضرت عمرؓ نے سرکاری خزانہ سے (بطور امداد) کچھ رقم دی تھی ویسے بھی خلیفہ کو اختیار تھا کہ عورت کے قبضہ کی زمین واپس لیے بغیر سرکاری خزانہ سے اس کو عطیہ دیتے۔"[۲]

ابو بکر جصاص نے ایک اور توجیہ کی ہے وہ کہتے ہیں کہ:

---

[۱] الاموال ص۶۲-۶۳۔ [۲] احکام القرآن للجصاص ج۳ ص۵۳۱ و ۵۳۲۔

"قوم بجیلہ کے اس واقعہ میں ایسی کوئی دلیل نہیں ہے کہ وہ لوگ زمین کے مالک تھے۔ کیا یہ امکان نہیں ہے کہ زمین بالکل تقسیم نہ ہوئی ہو بلکہ کل زمین اصل باشندوں کے پاس رہنے دی گئی ہو اور خراج کی آمدنی کا چوتھائی حصہ ان کے لیے خاص کر دیا گیا ہو۔ پھر بعد میں حضرت عمرؓ نے مناسب سمجھا ہو کہ اس چوتھائی کے معاملہ کو ختم کر کے ان کو بھی عطایا دینے پر اکتفا کیا جائے تاکہ یہ لوگ سب کے برابر ہو جائیں۔"[1]

لیکن جصاصؒ کا یہ شبہ ایسا نہیں ہے کہ جس سے مسئلہ کا رُخ بدل جائے اس واقعہ کو محققین نے تسلیم کیا ہے اور ابو عبید وغیرہ نے بدلائل ثابت کیا ہے جس کے بعد آمدنی کے چوتھائی حصہ کی بات کمزور ہو جاتی ہے۔

بلال بن حارث سے جاگیر واپس لے لی

(۱۴) رسول اللہ نے بلال بن حارث کو پوری عادی عقیق دے دی تھی، لیکن حضرت عمرؓ نے ان سے یہ کہہ کر واپس لے لی کہ رسول اللہ نے اس لیے نہیں دیا تھا کہ نہ خود آباد کرو اور نہ دوسروں کو آباد کرنے دو، جتنی زمین آباد کر سکتے ہو اپنے پاس رکھو اور بقیہ خلافت کے حوالہ کر دو، یہ سُن کر بلالؓ نے کہا کہ میں رسول اللہ کی دی ہوئی زمین کبھی واپس نہ کروں گا خواہ میں اسے آباد کروں یا نہ کروں۔ حضرت عمرؓ نے واپسی پر اصرار کیا اور بالآخر آباد شدہ حصّہ کو چھوڑ کر بقیہ زمین لے لی[2]

بلال بن حارث رسول اللہ کے قریب ترین صحابی تھے اور زمین کا عطیہ خود رسول اللہ نے دیا تھا، لیکن عمرؓ نے مفادِ عامہ کی خاطر نہ بلالؓ جیسے جلیل القدر صحابی کا خیال کیا اور نہ اس جذبہ کا رسول اللہ کا دیا ہوا عطیہ کیسے واپس لیا جائے؟ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ خلافت میں بنیادی حیثیت خلق اللہ کے عام مفاد کو حاصل ہوتی ہے۔ خلیفہ محض جذباتی امور سے متاثر ہو کر نہ عام مفاد کو نظر انداز کرتا ہے اور نہ اپنے بزرگ ساتھیوں کے ساتھ کسی قسم کا ترجیحی

---

[1] حوالہ بالا، [2] کتاب الاموال ص ۲۹۰ اور کتاب الخراج لیحیٰی بن آدم قرشی جز ثابت ص ۹۳

سلوک روا رکھتا ہے۔

(۱۵) رسول اللہ نے ایک اور شخص کو زمین دی تھی لیکن حضرت عمرؓ نے زمین کے آباد شدہ حصہ کو چھوڑ کر بقیہ زمین واپس لے لی[1]

اراضی کے بارے میں ائمہ کی تصریحات

انہیں واقعات کی بنا پر امام ابو حنیفہؒ کہتے ہیں:

ان نواحی دارالاسلام تحت ید امام المسلمین۔[2] — دارالاسلام کے اطراف خلیفۃ المسلمین کے زیر اقتدار ہوتے ہیں۔

امام مالکؒ کہتے ہیں:

تصیر الارض للسلطان۔[3] — زمین بادشاہ کی ہوتی ہے۔

علامہ عینیؒ کہتے ہیں:

ان حکم الاراضی الی الامام۔[4] — زمین کا معاملہ امام المسلمین کے سپرد ہے۔

اراضی موقوفہ تک کے بارے میں ہے:

اصلھا لبیت المال۔[5] — گاؤں اور زمین دراصل بیت المال کی ہیں۔

جن لوگوں نے اسلام کے نام پر موجودہ دور کی انفرادی ملکیت پر اصرار کیا ہے۔ وہ دراصل اس وقت کے اسلام کی نمائندگی کر رہے ہیں جب کہ مسلمانوں میں ذاتی منفعت و حصول اقتدار خود مقصد بن گیا تھا۔ اس بناء پر ان کی بات زیادہ توجہ کے لائق نہیں ہے۔

تراویح کی باجماعت نماز کا حکم دیا اور عورتوں کے لیے علیحدہ ایک قاری مقرر کیا

(۱۶) رسول اللہ کے زمانہ میں لوگ تراویح کی نماز متفرق طور پر پڑھا کرتے تھے جماعت کا کوئی نظم نہ تھا۔ البتہ ابو داؤد کی ایک ضعیف

---

[1] الخراج لیحیٰی صـ ۷۔ [2] المبسوط ج صـ ۹۳، از اسلام کا زرعی نظام۔ [3] المحلی ج کتاب احیاء الاموات والاقطاع۔ [4] عینی ج باب لاحمی الا اللہ و رسولہ صـ ۲۹۔ [5] در المختار ج کتاب الوقف فروع مہمۃ صـ ۳۹۱۔

روایت سے جماعت کا ثبوت ملتا ہے۔

خرج رسول الله فاذا ناس في رمضان يصلون في ناحية المسجد فقال ما هؤلاء فقيل هولاء ناس ليس معهم قران وابي بن كعب يصلي وهم يصلون بصلوته فقال النبي صلى الله عليه وسلم اصابوا ونعم ما صنعوا قال ابوداؤد ليس هذا الحديث بالقوي مسلم بن خالد ضعيف۔[1]

رسول اللہ حجرہ سے باہر تشریف لائے تو دیکھا کہ کچھ لوگ مسجد کے ایک طرف رمضان میں نماز پڑھ رہے ہیں، آپ نے پوچھا تو لوگوں نے جواب دیا کہ انہیں قرآن یاد نہیں ہے ابی بن کعبؓ ان کو نماز پڑھاتے ہیں اور اپنی نماز پڑھتے ہیں، رسول اللہ نے فرمایا کہ ٹھیک کر رہے ہیں، ابوداؤد کی رائے ہے کہ یہ حدیث قوی نہیں ہے کیونکہ مسلم بن خالد راوی ضعیف ہے۔

لیکن حضرت عمرؓ نے جماعت کا باقاعدہ نظم قائم کیا اور امام کے پیچھے سب کو پڑھنے کی تاکید کی۔

عن عبد الرحمن بن عبد القاری قال خرجت مع عمرؓ بن الخطاب ليلة الى المسجد فاذا الناس اوزاع متفرقون يصلي الرجل لنفسه ويصلي الرجل فيصلي بصلوته الرهط فقال عمر اني لو جمعت هولاء على قاری واحد لكان امثل ثم عزم فجمعهم على ابي بن

عبدالرحمٰن بن عبد القاری سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں حضرت عمرؓ کے ساتھ رات کو مسجد گیا تو دیکھا کہ لوگ متفرق طور پر نماز پڑھ رہے ہیں کوئی تنہا پڑھتا ہے اور کوئی گروہ کے ساتھ پڑھ رہا ہے حضرت عمرؓ نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ اگر ان سب کو ایک قاری کے پیچھے پڑھنے کا حکم دے دوں تو وہ زیادہ مناسب ہوگا، پھر انہوں نے حضرت ابی بن کعبؓ کو امام بنا دیا اور سب کو انہیں کے پیچھے

---

[1] ابوداؤد باب فی قیام رمضان۔

کعب قال ثم خرجت معه لیلة اخری والناس یصلون بصلوٰۃ قارئھم قال عمر نعمت البدعة ھذہ والتی تنامون عنھا افضل من التی تقومون یرید آخر اللیل وکان الناس یقومون اولہ[1]

پڑھنے کی تاکید کی، پھر دوسرے دن انہیں کے ساتھ مسجد میں گیا تو دیکھا کہ لوگ اپنے قاری امام کے پیچھے نماز پڑھ رہے ہیں تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ اچھی بدعت ہے، اور جس نماز سے تم لوگ سو جاتے ہو وہ افضل ہے اس نماز سے جس کو تم پڑھتے ہو، یعنی آخر رات نماز پڑھنا افضل ہے اور لوگ اول رات میں نماز پڑھتے تھے۔

اسی طرح عورتوں کی تراویح کے لیے علیحدہ قاری مقرر کیا:

وجعل بالمدینة قارئین قاریا یصلی بالرجال وقاریا یصلی بالنساء[2]

اور مدینہ میں دو قاری مقرر کیے ایک مردوں کو نماز پڑھاتا اور دوسرا عورتوں کو پڑھاتا تھا

اہل صنعت وحرفت سے ضائع شدہ مال کا تاوان لیا

(۱۷) رسول اللہ کے زمانے میں اگر اہل صنعت وحرفت کے پاس کسی کا مال ضائع ہو جاتا تو اس کا تاوان نہ دینا پڑتا تھا کیوں کہ اس کی حیثیت امانت کی ہوتی ہے اور امانت کا مال امین کی حفاظت میں کوتاہی کے بغیر ضائع ہو جاتے تو شرعاً اس کا تاوان نہیں واجب ہوتا ہے۔ لیکن حضرت عمرؓ نے صباغ پر تاوان کو لازم کیا۔

ان عمرؓ ضمن الصباغ الذین انتصبوا للناس فی اعمالھم ما اھلکوا فی ایدیھم[3]

حضرت عمرؓ نے رنگریز کو ضامن ٹھہرایا جو بطور پیشہ لوگوں کا کام کرتے ہیں اگر ان کے ہاتھ سے لوگوں کا مال ضائع ہو جائے۔

---

[1] بخاری ومشکوٰۃ باب قیام شہر رمضان، [2] تاریخ عمر بن الخطاب لابن جوزی الباب الثلثون ص ۵۸ وطبقات ابن سعد ج ذکر استخلاف عمرؓ ص ۲۸۱، [3] کنز العمال ج کتاب الاجارۃ من قسم الافعال فصل فی احکامھا،

حضرت علیؓ کا بھی اسی پر عمل تھا:

انه كان يضمن الصباغ والصائغ [1] — حضرت علیؓ رنگریز اور زرگر کو ضامن ٹھہراتے تھے۔

ایک ضعیف روایت میں ہے کہ انہوں نے فرمایا:

لا يصلح الناس الا ذالك [2] — لوگوں کی صلاح و فلاح اسی میں ہے۔

ایک اور روایت میں ہے:

ان علی بن ابی طالب ضمن الغسال والصباغ وقال لا يصلح الناس الا ذالك [3] — حضرت علیؓ نے دھوبی اور رنگریز کو ضامن ٹھہرایا اور کہا کہ اسی میں لوگوں کی صلاح و فلاح ہے۔

بیت المال کی چوری اور مالکہ کے آئینہ کی چوری میں قطع ید کا حکم نہیں دیا

(۱۸) ایک شخص نے بیت المال سے چوری کی حضرت عمرؓ نے اس کا ہاتھ نہیں کاٹا۔ اور فرمایا:

ليس عليه قطع [4] — اس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے۔

(۱۹) ایک غلام نے اپنی مالکہ کا آئینہ چرایا جس کی قیمت ساٹھ درہم تھی۔

لیکن حضرت عمرؓ نے یہ کہہ کر قطع ید سے منع کر دیا کہ:

خادمكم سرق متاعكم [5] — تمہارے خادم نے تمہارے مال کی چوری کی۔

(۲۰) حضرت عمرؓ نے ان غلاموں کو بھی قطع ید کی سزا نہیں دی جنہوں نے ایک اونٹ چرایا تھا جب معلوم ہوا کہ غلاموں کا مالک ان کو بھوکا ننگا رکھتا ہے،

چنانچہ قطع ید کا حکم واپس لیتے ہوئے فرمایا:

اراك تجيعهم [6] — دیکھتا ہوں تجھ کو تو ان کو بھوکا رکھتا ہے۔

[1،2] بیہقی ج ۲ ص ۱۲۲، باب ماجاء فی تضمین الا جراء، [3] سنن الکبریٰ باب ماجاء فی تضمین الاجراء،
[4] الخراج لابی یوسف فصل ما یجب فیہ الحدود فی سرقہ ص ۱۰۲، [5] موطاء امام مالک باب مالا قطع فیہ، [6] حوالۂ بالا،

حالانکہ قرآن حکیم میں سرقہ کی آیت ان سب صورتوں کو عام ہے۔

عدت نکاح اور جماع سے حرمت کا حکم دیا

(۲۱) حضرت عمرؓ نے عورت کو اس شخص کے لیے زجراً حرام قرار دیا جس نے اس کے ساتھ عدت میں نکاح کیا اور تعلقات کی ادائگی کرلی، حالانکہ قرآن وسنت میں دائمی حرمت کا ثبوت نہیں ملتا ہے[۱]

اُم ولد (باندی) کے بیع کی ممانعت کردی

(۲۲) حضرت عمرؓ نے ام ولد (وہ باندی جس کے مالک سے اولاد ہوگئی ہو) باندیوں کے بیع کی ممانعت کردی حالانکہ رسول اللہ اور ابوبکرؓ کے زمانۂ خلافت میں ان کی بیع ہوتی تھی۔[۲]

آب پاشی کے لیے مرضی کے بغیر پانی لے جانے کا حکم دیا!

(۲۳) حضرت عمرؓ نے ضحاک بن خلیفہ کو آب پاشی کے لیے محمد بن مسلمہ کی زمین سے ان کی مرضی کے بغیر پانی لے جانے کا حکم دیا اور فرمایا:

لو لم اجد للماء مسیلا الا علی بطنک لاجریتہ[۳]	پانی لے جانے کے لیے اگر تیرے پیٹ کے سوا اور کوئی راستہ نہ ملے گا تو تیرے پیٹ کے اوپر سے پانی لے جاؤں گا۔

حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

لا یحل مال امرئ مسلم الا عن طیب نفس[۴]	کسی مسلمان مرد کا مال اس کی رضامندی کے بغیر حلال نہیں ہے۔

---

[۱] تعلیل الاحکام متنوع البرائع ص۶۳، [۲] الطرق الحکمیہ سلوک الصحابۃ بعض الاحکام ص۱۷، واعلام الموقعین تج الکلام علی السیاستہ ص۲۴۴، [۳] الخراج لیحیٰی ص۱۱۱،
[۴] حوالہ بالا،

حلالہ کرنے اور کرانے والے کو سنگساری کی سزا تجویز کی!

(۲۴) رسول اللہ ؐ نے "حلالہ" کرنے اور کروانے والے کے لیے کوئی سزا نہیں تجویز کی صرف لعنت پر اکتفاء کیا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے:

لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المحلل والمحلل لہ۔[1] — رسول اللہ نے حلالہ کرنے والے اور جس کے لیے حلالہ کیا گیا ہے دونوں پر لعنت کی ہے۔

لیکن حضرت عمرؓ نے رجم (سنگساری) کی سزا تجویز کی اور فرمایا:

لا اوتی بمحلل ولا محلل لہ الا رجمتھما۔[2] — حلالہ کرنے والا اور جس کے لیے حلالہ کیا گیا ہے، جو بھی میرے پاس لایا جائے گا میں اس کو سنگسار کروں گا۔

حضرت عمرؓ نے ایک واقعہ میں واسطہ بننے والی عورت کو سزا دی چنانچہ:

ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاق دے کر جدا کر دیا جب اس کی خبر مطلقہ عورت کی ایک دلالہ سہیلی کو ہوئی تو اس نے ایک مسکین اعرابی (جو مسجد نبوی کے دروازہ کے پاس رہتا تھا) کو بلا کر کہا اگر تم اس شرط پر ایک عورت سے نکاح کرنا چاہو کہ اس کے ساتھ ایک رات گذارنے کے بعد طلاق دے دو تو میں اس کا انتظام کرا سکتی ہوں، اعرابی نکاح کے لیے تیار ہو گیا اور نکاح کے بعد جب شب باشی ہوئی تو منکوحہ عورت نے تاکید کر دی کہ لوگوں کے اصرار کے باوجود تم مجھے طلاق نہ دینا تمہاری کفالت میں خود کروں گی، اور اگر لوگ جبر و زبردستی کریں تو اس معاملہ کو امیر المومنینؓ کے پاس لے جانا، بالآخر معاملہ حضرت عمرؓ کے پاس گیا تو آپ نے اعرابی سے فرمایا کہ تم اپنی بیوی کو ہرگز طلاق نہ دینا اور دلالہ عورت کو بلا کر سزا دی۔[3]

احرام سے پہلے خوشبو لگانے کی ممانعت کر دی

(۲۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوشبو لگا کر حج کو تشریف لے جاتے تھے خود حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں:

کانی انظر الی وبیص الطیب۔ احرام کی حالت میں گویا میں

---

[1] ترمذی کتاب الطلاق، [2] اعلام الموقعین ج ۳ فی تغیر الفتویٰ، [3] فقہ عمرؓ مسائل طلاق ص ۲۰۵،

فی مفارق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو محرم۔ ۱ ؎ — رسول اللہ کی مانگ میں خوشبو کی چمک، دیکھ رہی ہوں۔

لیکن حضرت عمرؓ نے حرام سے پہلے خوشبو لگانے کی ممانعت کر دی، چنانچہ:

"حضرت عمرؓ نے حج کے موقعہ پر مقام ذوالحلیفہ میں خوشبو کی مہک محسوس کی، دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ حضرت معاویہؓ کے بدن سے خوشبو آرہی ہے جب ان سے باز پرس کی تو انہوں نے کہا کہ اب مجھے تنبیہ کرنے میں جلدی نہ کیجئے میں نے از خود نہیں کیا ہے، بلکہ ام حبیبہؓ (معاویہؓ کی بہن ...... اور ام المومنینؓ) نے یہ خوشبو لگا کر قسم دی ہے۔ کہ میں اس کو نہ زائل کروں، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں بھی آپ کو قسم دیتا ہوں آپ ان سے کہیں کہ اس خوشبو کو وہ دھوئیں جب کہ انہوں نے لگائی ہے۔ حضرت معاویہؓ نے حکم کی تعمیل کی"۔ ۲ ؎

ایک اور روایت میں ہے کہ امیر معاویہؓ نے اپنا وہ کپڑا علیحدہ کر دیا جس سے خوشبو آرہی تھی۔ ۳ ؎

شاہ ولی اللہ کی رائے ہے کہ حضرت عمرؓ کو حضرت عائشہؓ کی مذکورہ روایت کی خبر نہ تھی۔ ۴ ؎

مجرم کے لیے شہر بدر کے حکم کو منسوخ کر دیا!

(۲۵) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زانی غیر شادی شدہ کے لیے سو دُرے اور ایک سال کی جلاوطنی کا حکم دیا ہے:

یامر فی من زنی ولم یحصن جلد مائۃ وتغریب عام۔ ۵ ؎ — زانی غیر محصن کے لیے رسول اللہ سو درے اور ایک سال کے لیے شہر بدر کا حکم دیتے تھے

لیکن ربیعہ بن امیہ بن خلف بسبب شراب پینے کے جرم میں ماخوذ ہوئے اور ان کو شہر بدر کیا گیا، تو وہ رومیوں سے جا کر مل گئے، اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا:

لا اغرب بعدھا احدا۔ ۶ ؎ — اس کے بعد کسی کو شہر بدر نہ کروں گا

۱ ؎ بخاری ومسلم از مشکوٰۃ باب الاحرام ۲ ؎ فقہ عمرؓ کتاب الحج صہ ۱۱۶، ۳ ؎ ۴ ؎ فقہ عمرؓ کتاب الحج صہ ۱۱۶، ۵ ؎ بخاری ومشکوٰۃ کتاب الحدود

اس میں زنا کی سزا کو بھی مستثنیٰ نہیں کیا

تعزیری سزا حدود کی حد تک پہنچا دی

(۲۶) تعزیری سزاؤں میں اس بات کا لحاظ کیا جاتا کہ ان کی مقدار حدود کی مقدار تک نہ پہنچے۔ چنانچہ ایک موقع پر رسول اللہؐ نے فرمایا:

لا یجلد فوق عشر جلد ات الا فی حد من حدود اللہ۔[1] — حدود کے علاوہ اور کسی سزا میں دس کوڑے سے زیادہ نہ مارے جائیں۔

لیکن حضرت عمرؓ نے اس شخص کو سو کوڑوں کی سزا دی جس نے بیت المال کی جعلی مہر بنا لی تھی:

ان عمر بن الخطاب ضرب من نقش علی خاتمہ مائۃ۔[2] — حضرت عمرؓ نے اس شخص کو سو کوڑے مارے جس نے ان کی مہر کے مطابق نقش کیا تھا۔

زناء کی حرمت کا علم نہ ہونے کی صورت میں اس کی سزا نہ دینے کا حکم دیا!!

(۲۷) جس شخص کو زناء کی حرمت کا علم نہ ہو حضرت عمرؓ نے اس کو زناء کی مقررہ سزا نہ دینے کا حکم دیا جیسا کہ ان کے کسی گورنر نے ایک ایسے شخص کے بارے میں دریافت کیا جس نے زنا کیا تھا لیکن کہتا تھا کہ مجھے اس کی حرمت کا علم نہیں ہے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا:

ان کان علم ان الزناء حرمہ فحدوہ وان لم یعلم فاعلموہ و ان عاد فحدوہ۔[3] — اگر زنا کی حرمت کا اس کو علم ہے تو اس کو حد لگاؤ اور اگر علم نہیں ہے تو اس کو مطلع کرو پھر اگر وہ دوبارہ کرے تو اس کو حد لگاؤ۔

حالانکہ قرآن حکیم میں ایسے شخص کی تخصیص نہیں ہے۔

خلوت صحیحہ میں پورے مہر کے وجوب کا حکم دیا

(۲۸) نکاح کے بعد اگر کوئی شخص تعلقات کی ادائیگی

---

[1] نووی شرح مسلم ج ۲ باب قدر اسواط التعزیر ص ۷۲۔ [2] کنزل العمال ج ۳ کتاب الحدود من قسم الافعال

کے بغیر طلاق دے دے تو اس پر نصف مہر واجب ہوتا ہے قرآن حکیم میں ہے:

وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ۔ [1]	اگر تم عورتوں کو ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دے دو اور ان کا مہر مقرر کیا ہو۔ تو مقررہ کا نصف دینا ہوگا۔

لیکن حضرت عمرؓ نے یہ وسعت کی کہ نکاح کے بعد اگر شوہر و بیوی کے درمیان خلوت صحیحہ ہو جائے جب بھی پورا مہر واجب ہوگا۔

عن عمر فی اغلاق الباب وارخاء الستر انه یوجب المهر۔ [2]	حضرت عمرؓ دروازہ بند کر دینے اور پردہ گرا دینے میں پورا مہر واجب کرتے تھے۔

گھوڑوں میں صدقہ کا حکم

(۲۹) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑوں کے بارے میں فرمایا:

لیس علی المسلم صدقة فی عبده ولا فی فرسه۔ [3]	مسلمان پر اس کے غلام اور گھوڑے پر صدقہ نہیں ہے۔

ایک اور روایت میں ہے:

قد عفوت عن الخیل والرقیق۔ [4]	میں نے غلام اور گھوڑے سے صدقہ معاف کر دیا ہے۔

لیکن اسلامی مملکت میں جب تجارت اور افزائش نسل کے لیے گھوڑوں کی کثرت ہو گئی تو حضرت عمرؓ نے ان پر صدقہ مقرر کر دیا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے یہ فرمان صادر کیا:

گھوڑے میں دو بکری لی جائیں ورنہ دس یا بیس درہم لیے جائیں [5]

ایک موقع پر مسلمانوں نے از خود غلام اور گھوڑے سے صدقہ لینے کی درخواست کی تھی۔

---

[1] سورۂ بقرہ رکوع ۳۱، [2] مختصر المزنی باب الدخول و اغلاق الباب بر حاشیہ کتاب الام ج ۴ ص ۳۷
[3] بخاری، مسلم و مشکوٰۃ باب ما یجب فیہ الزکوٰۃ [4] ترمذی و ابوداؤد مشکوٰۃ حوالہ بالا، [5] فقہ عمرؓ باب الزکوٰۃ۔

"حج کے موقع پر حضرت عمرؓ کی خدمت میں شام کے کچھ معززین نے حاضر ہو کر کہا کہ اے امیر المومنین! ہمارے پاس بہت سے گھوڑے دوسرے جانور اور غلام وغیرہ ہیں، آپ ان کا صدقہ لے کر ہمیں پاک کر دیجئے آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ اور ابوبکرؓ نے تو گھوڑے اور غلام سے کوئی صدقہ نہیں لیا ہے۔ لیکن میں اہل الرائے سے مشورہ کر کے ابھی جواب دیتا ہوں چنانچہ آپ نے صحابہ سے مشورہ کیا تو سب نے صدقہ وصول کرنے کی رائے دی۔[1]

ایک اور روایت میں ہے:

ان عمر کان یاخذ من الفرس عشرة ومن البردون خمسة۔[2]

حضرت عمرؓ عربی گھوڑے میں دس اور عجمی میں پانچ درہم لیتے تھے۔

سلب سے بھی خمس وصول کیا

(۳۰) میدان جنگ میں رسول اللہ ؐ کا یہ اعلان ہوتا تھا۔

من قتل قتیلا فله سلبه۔[3]

جو شخص کسی کو قتل کر دے تو اس کا سامان و ہتھیار وغیرہ قاتل کو ملے گا۔

لیکن حضرت عمرؓ نے ہر موقع پر اس پر عمل نہیں کیا چنانچہ ایک جنگ میں براء بن مالک صحابی نے ایرانی جنرل کو مار کر اس کی وردی اُتاری جس میں ٹیکے کے قیمتی پتھر اور بازوؤں پر لگے ہوئے دو سونے کے کڑے (تمغہ) تھے۔ حضرت عمرؓ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے سب چیزیں لے کر فروخت کر دیں اور قیمت سے خمس (سرکاری حصہ) نکال کر باقی براءؓ بن مالک کو دے دیا۔[4]

چراگاہ کو بلا معاوضہ سرکاری تحویل میں لے لیا

(۳۱) حضرت عمرؓ نے اہل مدینہ کی چراگاہ کو سرکاری تحویل میں لے کر

---

[1] طحاوی ج باب زکوٰۃ الخیل ص۳۱۱۔ [2] حوالہ بالا۔ [3] احکام القرآن ج سورہ انفال فی سلب القتیل ص۵۹۔ [4] کتاب الاموال ص۳۱۳۔

کر اس کا کوئی معاوضہ نہیں دیا حالانکہ اسلام لانے کے بعد جان و مال کی حفاظت کا قانون پہلے گذر چکا ہے۔ ایک بدوی نے آکر حضرت عمرؓ کی خدمت میں عرض کیا۔

یا امیر المؤمنین بلادنا قاتلنا علیھا فی الجاھلیۃ واسلمنا علیھا فی الاسلام تحمی علینا۔	اے امیر المومنینؓ! ہم نے اس کے لیے جاہلیت میں جنگیں لڑی ہیں اور اسی پر اسلام لائے ہیں آپ آپ ہمارے اوپر اس کی نگرانی کرتے ہیں۔

حضرت عمرؓ یہ سن کر غصہ میں بھر گئے:

فجعل عمر ینفخ ویفتل شاربہ۔ [1]	غصہ میں بھر گئے اور مونچھوں کو مروڑنے لگے۔

دار قطنی کی روایت میں ہے کہ جب وہ بدوی زیادہ اصرار کرنے لگا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا:

المال مال اللہ والعباد عباد اللہ ما انا بفاعل۔ [2]	مال اللہ کا مال ہے اور بندے اللہ کے بندے ہیں میں ایسا نہ کروں گا۔

ابن حجر عسقلانی نے حضرت عمرؓ کے اس اقدام کی یہ وجہ بیان کی ہے:

لانہ کان مواتا فحماہ لنعم الصدقۃ لمصلحۃ المسلمین۔ [3]	وہ بنجر زمین تھی حضرت عمرؓ نے مسلمانوں کی مصلحت کے پیش نظر اس کو صدقہ کے اونٹوں کے لیے خاص کر لیا تھا۔

لیکن محققین کے نزدیک وہ ایسی چراگاہ تھی جس سے اہل مدینہ اور قرب وجوار کے لوگ فائدہ اٹھاتے تھے، اور اس پر اہل مدینہ کی ملکیت مسلّم تھی جیسا کہ حمی "عامل" کو حضرت عمرؓ کی درج ذیل ہدایات سے پتہ چلتا ہے:

(۱) لوگوں کی ایذا دہی سے خود کو روکنا اور مظلوم کی بددعا سے بچنا کہ وہ قبول کی جاتی ہے۔

(۲) اونٹوں کے گلہ اور بکریوں کے ریوڑ کو چرنے سے نہ روکنا خواہ امیر کے ہوں یا غریب کے ہوں۔

---

[1] بخاری ج باب اذا اسلم قوم فی دار الحرب الخ ص ۴۳۲، [2] فتح الباری ج ۶ ص ۱۲۳، باب اذا اسلم فی دار الحرب الخ۔ [3] حوالہ بالا۔

(۳) حضرت عثمانؓ اور عبدالرحمٰن ؓ بن عوف جیسے کسی چھوٹے ریوڑ والوں کو یہ موقع نہ دینا کہ وہ مجھ سے آکر شکایت کریں، اگر مویشی بھوک سے مرنے لگے تو ان کے مالک مویشیوں کو کھیتوں اور باغوں میں ہانک دیں گے جس سے انسانوں کی غذائیں جانوروں کے پیٹ میں چلی جائیں گی۔

(۴) اگر غریبوں کے ریوڑ چراگاہ میں آنے سے روک دیے گئے تو یہ لوگ بال بچوں کے ساتھ میرے سرچڑھیں گے، کیا میں ان کی زبوں حالی دیکھ سکوں گا؟ میرے لیے ان کو چراگاہ سے گھاس اور پانی دینا آسان ہے اس سے کہ بیت المال سے ان کو نقد دوں۔ اگر تم نے معمولی بے اعتنائی برتی تو اہل مدینہ مجھ سے بدگمان ہو جائیں گے اور کہیں گے کہ ان کی چراگاہ کو میں نے سرکاری تحویل میں لے کر ان پر ظلم کیا ہے اور ان کے مویشی بھی وہاں سے ہنکا دیے ہیں۔

میں مانتا ہوں کہ چراگاہ کی یہ زمین مدینہ کے مضافات میں ہے جس کے لیے اہل مدینہ اسلام لانے سے قبل اور بعد دونوں حالتوں میں حملہ آوروں سے لڑتے رہے ہیں۔

خدا شاہد ہے اگر بیت المال کے مویشی اس کثرت سے نہ ہوتے تو ان کی بالشت بھر زمین بھی لینا پسند نہ کرتا۔

لولا المال الذی احمل علیه فی سبیل الله ما حمیت علیهم من بلادهم شبرًا۔[1]	اگر فی سبیل اللہ کا اتنا مال نہ ہوتا تو ان کے شہروں سے ایک بالشت زمین کی بھی ان پر نگرانی نہ کراتا۔

چراگاہ کے بارے میں اسلام کی اصلاحات

اسلام سے پہلے دستور تھا کہ زمیندار اور قبیلہ کے سردار چراگاہ پر بلاشرکت غیرے قبضہ رکھتے تھے اور غریب عوام کو زمین کی قدرتی چیزوں گھاس اور جنگل کی لکڑی وغیرہ سے محروم رکھتے تھے، اسلام نے اس ظالمانہ روش کو ختم کیا اور حکم دیا کہ تمام وہ چیزیں جن کی پیدائش اور کارآمد بنانے میں کسی کی محنت وقابلیت کو دخل نہیں ہے اس میں تمام انسان برابر کے شریک ہیں چنانچہ زمانہ خلافت میں اس قسم کی تمام چیزیں نہ کسی کی ملکیت ہوتی تھیں اور نہ ان کے استعمال میں کسی

---

[1] بخاری ج باب اذا اسلم قوم الخ صفحہ ۴۳۳ وحاشیہ فقہ عمر کتاب الجہاد صفحہ ۱۵۱ ومسوّیٰ شرح مؤطا باب الحمیٰ۔

کو حق اولیت حاصل ہوتا تھا، رسول اللہؐ نے فرمایا ہے:

لا حمیٰ الا اللہ و لرسولہ۔[۱]	حمیٰ صرف اللہ اور اس کے رسول (خلافت) کی ہے۔

"حمیٰ" زمین کے اُن کے قطعات کو کہتے ہیں جو گھاس اور چارہ اُگنے اور جانوروں کے چرنے کے لیے خالی چھوڑ دیے جاتے ہیں اور ان پر کاشت نہیں کی جاتی ہے۔

اس حدیث میں تمام اُن چیزوں سے روکنے کی ممانعت داخل ہے جن میں رسول اللہ نے سب کو شریک ٹھہرایا ہے۔[۲]

علامہ عینیؒ اس حدیث کے ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں:

یدل علی ان حکم الاراضی الی الامام۔[۳]	یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ اراضی کا معاملہ امام (خلافت) کے سپرد ہے۔

اور شاہ ولی اللہ کہتے ہیں:

لا حمیٰ الا لبیت المال[۴]	حمیٰ صرف بیت المال کی ہوتی ہے۔

علامہ عینی آگے چل کر کہتے ہیں:

"کسی کو جائز نہیں ہے کہ حمیٰ اپنے جانوروں کے لیے خاص کر لے اور دوسرے کے جانوروں کو اس میں چرنے کی اجازت نہ دے، وہ صرف اللہ و رسولؐ اور خلیفہ کے لیے ہوتی ہے۔"

یعنی کسی کے لیے مخصوص نہیں ہوتی ہے بلکہ اس میں تمام برابر کے شریک ہوتے ہیں۔[۵]

خلافت جس طرح عام انسانوں کے لیے کاشت و زراعت کا انتظام کرنے کی ذمہ دار ہے اسی طرح جانوروں کے لیے گھاس و چارہ کا انتظام کرنے کی ذمہ دار ہے، یہی وجہ ہے کہ

---

[۱] بخاری ج ۱ باب لا حمیٰ الا للہ ولرسولہ، [۲] کتاب الاموال ص ۲۹۵، [۳] عمدۃ القاری ج ۶ ص ۲۹ باب لا حمیٰ الا للہ ولرسولہ، [۴] مسوی شرح مؤطا ص ۴۰۵، [۵] عینی ج ۶ ص ۲۹ باب مذکور

زمانۂ خلافت میں چراگاہوں کا مسئلہ خاص توجہ کا مرکز بنا رہتا تھا۔ خود رسول اللہؐ نے مدینہ طیبہ میں مقام "نقیع" کو حمے قرار دے کر مہاجرین و انصار کے گھوڑوں کے لیے خاص کر دیا تھا اور آپ کے بعد ابوبکرؓ نے "زبدہ" میں صدقہ کے اونٹوں کے لیے حمیٰ تجویز کی تھی، اسی طرح حضرت عمرؓ نے مقام سرف میں ایک حمیٰ مقرر کیا تھا۔

بخاری میں ہے کہ سرف اور زبدہ کی دونوں حمیٰ حضرت عمرؓ نے بنوائی تھیں۔[1]

حضرت عمرؓ کو جانوروں کا یہاں تک خیال تھا کہ انہوں نے فرمایا:

لو مات کلب علی شاطی الفرات	اگر فرات کے کنارے بھوک کی وجہ سے کتا
جوعا لکان عمر مسئولا عنه	بھی مرجائے تو قیامت کے دن عمرؓ سے باز
یوم القیٰمة۔[2]	پرس ہوگی۔

ایک اور موقع پر فرمایا:

والذی بعث محمدًا بالحق	اس ذات کی قسم جس نے محمدؐ کو حق کے ساتھ
لو ان جملا هلك ضیاعا بشط	بھیجا ہے اگر کوئی اونٹ دریائے فرات کے
الفرات خشیت ان یسأل الله	کنارے ہلاک ہو جائے تو میں ڈرتا ہوں کہ اللہ
عنه آل الخطاب[3]	اس کے بارے میں باز پرس کرے گا۔

خوش حالی و فارغ البالی کے پروگرام کو مزید وسیع کیا

(۳۲) حضرت عمرؓ نے رعایا کی خوش حالی و فارغ البالی کے پروگرام کو مزید وسیع کیا اور ہر ایک کی معاشی کفالت کا اعلان کیا۔

چنانچہ:

ولا یدع فقیرا فی ولا یته	مملکت میں ہر تنگدست کو دیا جائے، ہر
الا اعطاه ولا مدیونا الا قضی	مدیوں کا دین ادا کیا جائے ہر کمزور کی مدد کی

---

[1] بخاری ج۲ باب لا حمی الا اللہ ولرسولہ۔ [2] توفیق الرحمٰن طبع مصر ص۳۴۔ [3] ازالۃ الخفاء مقصد دوم کلمات فاروق اعظمؓ۔

عنك دينه ولا ضعيفا الا اعانه ولا مظلوما الا نصره ولا ظالما الا منعه عن الظلم ولا عاريا الا كساه كسوة۔[1]

(جائے ہر مظلوم کی دستگیری کی جائے ہر ظالم کو ظلم سے روکا جائے، ہر ننگے کو کپڑا پہنایا جائے (غرض کوئی ضرورت مند ایسا نہ رہنے پائے جس کی ضرورت نہ پوری ہو)۔

دوسری جگہ ہے:

لیس لاحد الا له فی هذا المال حق۔[2]

ہر شخص کا سرکاری خزانہ میں حق ہے۔

یہ سب توسیعی پروگرام کے تحت کیا گیا تھا۔ اگرچہ پہلے تفصیل کے ساتھ باضابطہ ثبوت نہیں ملتا ہے۔

غیر مسلموں کو حکومت میں شریک و دخیل بنایا!

(۳۳) حضرت عمرؓ نے غیر مسلموں کو حکومت میں شریک و دخیل بنایا:

کتب عمر بن الخطاب الی اهل الکوفة یبعثون الیه رجلا من اخیرهم واصلحهم والی اهل البصرة کذلك والی اهل الشام کذلك۔[3]

حضرت عمرؓ نے اہل کوفہ، بصرہ اور شام کو لکھا کہ اپنے میں سے بہتر اور صاحب صلاحیت فرد کو منتخب کر کے بھیجیں۔

ادھر اکثر سابق غیر مسلم افسران کو مقامی باشندوں کی مرضی سے بحال رکھا۔

علامہ مقریزیؒ کہتے ہیں کہ حکومت کا مزاج بدلنے کے بعد ان سب نے ظلم و ستم کی راہیں چھوڑ دی تھیں۔

فکانت جبایتهم بالتعدیل۔[4]

ان افسران کی تحصیل محصول عدل و انصاف کے ساتھ ہو گئی تھی۔

اصل چیز حکومت کا مزاج اور اس کی پالیسی ہے، بسا اوقات غیر مسلم سے نظم و انتظام کی

---

[1] شرح شرعۃ الاسلام سید علی زادہ از اسلام کا زرعی نظام ص ۲۸۱، [2] کتاب الاموال ص ۲۳۳،
[3] ایضاً باب فی تعقیل السواد و اختیار الولاۃ ص ۶۴، [4] کتاب الخطط للمقریزی ج ۱ ص ۱۲۰،

توقع مسلمان سے زیادہ ہوتی ہے اس بنا پر حضرت عمرؓ نے پارٹی پالیٹکس کو اس میں داخل ہونے دیا اور نہ مسلم وغیر مسلم میں کوئی تفریق کی ۔ حالانکہ اس سے پہلے نظم و انتظام محدود ہونے کی وجہ سے غیر مسلموں کی زیادہ شرکت نہ تھی ۔

ملکی انتظام کے لیے الگ الگ شعبے اور صیغے قائم کیے

(۴۴) حضرت عمرؓ نے توسیعی پروگرام کے تحت ملک کے صوبوں اور ضلعوں کی تقسیم کو وسیع کیا اور انتظام کے لیے الگ الگ صیغے اور شعبے قائم کیے ۔ نیز عہدیداروں کے تقرر و انتخاب کے لیے ضابطے مقرر کیے اور ان کی تحقیق و تفتیش کے لیے خفیہ پولیس کا علیحدہ محکمہ قائم کیا مثلاً حالات و زمانہ کی رعایت سے اونچے افسران اور گورنروں کے لیے یہ خصوصی قوانین تھے ۔

(۱) ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہوں ۔

(۲) باریک کپڑے نہ پہنیں ۔

(۳) میدہ کی روٹی نہ کھائیں ۔

(۴) لوگوں کی حاجتوں سے اپنے دروازے بند نہ کریں ۔

(۵) بیماروں کی بیمار پرسی کے لیے جایا کریں [1]

اگر کوئی افسران باتوں کی خلاف ورزی کرتا تو اس کو نکال باہر کر دیا جاتا ۔

اذا بلغه ان عامله لا یعود المریض ولا یدخل علیه الضعیف نزعه ۔[2]

جب شکایت پہنچتی کہ آپ کا عامل مریض کی عیادت نہیں کرتا ہے اور کمزور و ضعیف اس کے پاس نہیں آتے ہیں تو عامل کو نکال باہر کر دیتے ۔

یا اس کے خلاف سخت کارروائی کی جاتی چنانچہ ایک شخص نے مصر کے حاکم اعلیٰ عیاضؓ بن غنم کی ان الفاظ میں شکایت کی :

---

[1] کتاب الخراج فی تقبیل السواد و اختیار الولاۃ صـ ۶۶ ۔ [2] ایضاً

"اے عمرؓ! کیا حاکموں سے صرف حلف لے لینے سے آپ کو اللہ کی بازپرس سے نجات مل جائے گی؟ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ عیاضؓ بن غنم باریک کپڑے پہنتا ہے اور دروازے پر دربان مقرر کر رکھا ہے"

یہ سنتے ہی حضرت عمرؓ نے محمد بن مسلمہ (سفیر) کو حکم دیا کہ عیاضؓ بن غنم جس حالت میں ہو مہلت دیے بغیر میرے پاس حاضر کرو۔ محمدؓ بن مسلمہ جب مصر پہنچے تو واقعی عیاضؓ بن غنم باریک کپڑے پہنے ہوتے تھے، حسب الحکم مہلت دیے بغیر وہ اسی حالت میں لے آئے، حضرت عمرؓ نے دیکھنے کے بعد فرمایا:

انزع قمیصك ودعا بمدرعة صوف وبربیضة من غنم وعصا وقال البس هذه المدرعة وخذ هذه العصا وارع هذه الغنم واشرب واسق[1]	اپنی قمیص اتار کر کملی کا جبہ پہن لو اور بکریوں کا گلہ و عصا لے کر جنگل کی طرف جاؤ، وہاں بکریاں چراؤ، اور راستہ سے جو گذرے اس کو پانی پلاؤ۔

حضرت عمرؓ سے ایک شخص نے ایک اور حاکم کی شکایت کی کہ اس نے مجھے سو کوڑے مارے ہیں:

یا امیرالمومنین عاملك ضربنی مائة سوط۔	اے امیرالمومنین، آپ کے عامل نے مجھے سو کوڑے مارے ہیں۔

حضرت عمرؓ نے تحقیق کے بعد فرمایا:

قم فاستقد منه[2]	اٹھ اور اس سے بدلہ لے۔

ایک اور موقع پر آپ نے فرمایا کہ اگر کسی نے رعایا پر ظلم کیا تو ظالم کو زمین پر لٹا کر اس کے جبڑے پر اپنا پاؤں رکھوں گا اور حق کا اقرار کراؤں گا

حتی اضع خده علی الارض واضع قدمی علی الخد الاخر[3]	میں اس کو زمین پر لٹا کر اس کے جبڑے پر اپنا پاؤں رکھوں گا۔

---

[1] کتاب الخراج باب فی تقبیل السواد و اختیار الولاۃ صـ۶۲ ، [2] ایضاً صـ۶۶ ، [3] ایضاً صـ۶۶

افسران کے اموال کی فہرست تیار کرنے کا حکم دیا

(۳۵) حضرت عمرؓ کا دستور تھا کہ جب کوئی افسر اعلیٰ مقرر کرتے تو اس کے پاس جس قدر مال و اسباب ہوتا اس کی مفصل فہرست تیار کرا کے دفتر میں محفوظ رکھتے، اگر معمولی حالت میں غیر معمولی ترقی ہوتی تو اس سے مواخذہ کرتے تھے۔

کان عمر بن الخطاب یکتب اموال عماله اذا ولاهم ثم یقاسهم ما زاد علی ذلك ۱؎	حضرت عمرؓ جب کسی کو حاکم اعلیٰ بناتے تو اس کے اموال کی فہرست تیار کراتے پھر جو اس سے زیادہ ہوتا اس کو لوگوں میں تقسیم کر دیتے۔

بعض اعلیٰ افسران کے محل کو جلانے کا حکم دیا!

(۳۶) حضرت عمرؓ نے سیاست شرعیہ کے تحت بعض افسران اعلیٰ کے محل کو جلانے کا حکم دیا۔ چنانچہ حضرت سعدؓ بن وقاص کی لوگوں نے شکایت کی کردہ حکم کے خلاف اپنے گھر کے اندر عدالت کرتے ہیں۔ باہر نہیں کرتے ہیں، یہ سن کر عمرؓ نے محمدؓ بن مسلمہ کو بلا کر کہا:

اذهب الی سعد بالکوفة وحرق علیه قصرہ ولا تحدثن حدثا حتی تاتینی۔	سعد کے پاس کوفہ جاؤ اور ان کے محل کو جلا دو، ہاں اور کوئی بات نہ کرو یہاں تک کہ میرے پاس آجاؤ۔

محمدؓ بن مسلمہ حکم کی تعمیل میں کوفہ گئے وہاں ایک نبطی سے لکڑی کا گٹھا خریدا اور محل کو آگ لگا دی۔ سعدؓ نے نکل کر پوچھا:

ما هذا؟	یہ کیا حرکت ہے؟

ابن مسلمہؓ نے جواب دیا:

عزمة امیر المومنین۔	امیر المومنین کا حکم ہے۔

یہ سن کر وہ خاموش ہو گئے اور محل جل گیا۔ سعدؓ نے ابن مسلمہؓ کو سفر خرچ دینا چاہا لیکن انہوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ واپسی پر حضرت عمرؓ نے سفر خرچ کے بارے میں پوچھا:

۱؎ فتوح البلدان صـ ۲۱۹۔

هلا قبلت نفقتك۔ ؎۱ — تم نے خرچ کیوں قبول نہیں کیا

جواب دیا:

انك قلت لاتحدثن حدثا حتی یاتینی۔ ؎۲ — آپ نے کہا تھا کہ اور کوئی نئی بات نہ کرنا یہاں تک کہ میرے پاس آجاؤ۔

شراب والی بستی کو جلانے کا حکم دیا!

(۳۷) حضرت عمرؓ نے سیاست شرعیہ کے تحت ایک ایسی بستی کو جلانے کا حکم دیا جس میں شراب بیچی جاتی تھی۔

خرق قریۃ یباع فیھا الخمر۔ ؎۳ — ایک ایسی بستی کو جلایا جس میں شراب بیچی جاتی تھی۔

اسی طرح رویشد ثقفی (شراب بیچنے والا) کی دکان جلانے کا حکم دیا:

وامر ایضًا بتحریق حانوت رویشد الثقفی الذی کان یبیع الخمر وقال له انت فویسق ولست برویشد ؎۴ — رویشد ثقفی کی دکان جلانے کا حکم دیا۔ جو شراب بیچتا تھا اور کہا کہ تو رویشد نہیں بلکہ فویسق ہے۔

بعض مسلمانوں کی کھیتی جلانے کا حکم دیا

(۳۸) حضرت عمرؓ نے سیاست شرعیہ کے تحت بعض مسلمانوں کی کھیتی جلانے کا حکم دیا:

ان المسلمین زرعوا بالشام فبلغ عمر بن الخطاب فامر باحراقه ؎۵ — مسلمانوں نے "شام" میں کھیتی کی جب یہ خبر عمرؓ کو پہنچی تو اس کے جلانے کا حکم دے دیا۔

یہ روایت مرسل ہے، اس میں "اسد" راوی ضعیف ہے ممکن ہے یہ حکم اس وقت دیا ہو جب کہ ہر ایک کا وظیفہ مقرر کر کے مسلمانوں کو کھیتی باڑی کرنے سے روک دیا تھا۔ جیسے کہ اوپر گذر چکا ہے۔

؎۱ الطرق حکمیۃ فصل سلوک الصحابۃ لبعض الاحکام ص ۱۵ ، ؎۲ ایضاً ص ۱۶ ، ؎۳ ایضاً ،
؎۴ تبصرۃ الحکام فی القضاء بالسیاسۃ الشرعیۃ الفصل الاول ؎۵ المحلی ج احکام المزارعۃ والمساقات ص ۲۱۱

جس درخت کے نیچے رسول اللہ سے بیعت ہوئی تھی اس کو کاٹنے کا حکم دیا

(۳۹) حضرت عمرؓ نے اس درخت کے کاٹنے کا حکم دیا جس کے نیچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ میں بیعت لی تھی۔

امر عمر بن الخطاب بقطع الشجرۃ التی بویع تحتھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقطعھا لانھم کانوا یذھبون یصلون تحتھا فخاف علیھم الفتنۃ۔[1]

حضرت عمرؓ کے حکم سے وہ درخت کاٹ دیا گیا جس کے نیچے لوگوں نے رسول اللہ سے بیعت کی تھی۔ کیوں کہ لوگ جا کر اس کے نیچے نماز پڑھتے تھے جس سے فتنہ کا اندیشہ ہو گیا تھا۔

آثار و مظاہر سے محبت طبعی امر ہے جس کی رعایت ضروری ہے اور کبھی اس قدر عقلی بن جاتی ہے کہ ہر ہوشمند اس کے ذریعہ دینی کاز کو تقویت پہنچاتا ہے، لیکن عام حالت میں یہ محبت اگر اس حد تک تجاوز کر جائے کہ شرعی احکام کے مراتب نہ قائم رہ سکیں یا سیاسی بازی گر اس سے کھیلنا شروع کر دیں تو دینی لحاظ سے مستقل فتنہ بن کر ہلاکت و بربادی کا پیغام ثابت ہوتی ہے، چنانچہ عمرؓ کا قول ہے۔

انما ھلک من کان قبلکم بھذا یتبعون اثار انبیائھم فاتخذوھا کنائس وبیعا۔[2]

تم سے پہلے لوگ اس کی وجہ سے ہلاک ہو گئے انبیاء کے آثار کی اتباع کرتے تھے پھر ان کو عبادت خانے بنا لیے۔

فتنۂ ارتداد کا زمانہ ختم ہو چکا تھا جس میں "سندانِ عشق" کی نمود ضروری تھی اور ابو بکرؓ یہ کہنے میں حق بجانب تھے کہ "اگر رسی کی زکوٰۃ بھی رسول اللہؐ کو دیتے تھے اور مجھے نہ دیں گے تو میں جہاد کروں گا"۔ اب "جامِ شریعت" کی حفاظت کا زمانہ تھا جس میں جام

---

[1] الاعتصام للشاطبی ج ۲ فصل قد یکون اصل العمل مشروعاً ص ۹۳۔

[2] الاعتصام للشاطبی ج ۲ فصل قد یکون اصل العمل مشروعاً ص ۹۳۔

وسنداں باختن" کا مظاہرہ ناگزیر تھا اور عمرؓ درخت کو کاٹ دینے میں حق بجانب تھے۔ کہاں معمولی رسی کی زکوٰۃ نہ دینے پر جہاد کا اعلان اور کہاں ذات اقدس سے مشرف درخت کے پیچھے نماز پڑھنے پر ہلاکت وبربادی کا پیغام؟

اس قسم کے واقعات سے جس طرح حالات وزمانہ کی رعایت کا ثبوت ملتا ہے اسی طرح یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ "ہر ہوسنا کے نداند جام وسنداں باختن"۔

حضرت دانیالؑ کی قبر کو چھپانے کا حکم دیا

(۴۰) حضرت عمرؓ نے لوگوں کی اصلاح کی غرض سے حضرت دانیالؑ کی قبر کو چھپانے کا حکم دیا:

وامر عمر باخفاء قبر دانیالؑ۔ [۱]

عمرؓ نے دانیال کی قبر کو چھپانے کا حکم دیا۔

دفاتر قائم کرکے لوگوں کے وظیفے مقرر کیے

(۴۱) حضرت عمرؓ نے توسیعی پروگرام کے تحت دفاتر قائم کیے اور لوگوں کے وظیفے مقرر کیے۔ خالدؓ بن ولید نے تجویز پیش کی۔

قد کنت بالشام فرایت ملوکھا دونوا دیوانا وجندوا جنودًا۔ [۲]

میں نے شام میں بادشاہوں کے دیوان مرتب کرتے اور فوج بھرتی کرتے دیکھا ہے

ابوسفیان نے یہ اعتراض کیا:

ادیوان مثل دیوان بنی الاصفر انك ان فرضت للناس اتكلوا علی الدیوان وترکوا التجارۃ فقال عمر لابد من ھذا فقد کثر فی المسلمین۔ [۳]

کہ کیا آپ رومیوں جیسے دفاتر قائم کریں گے؟ اس کے بعد لوگ اپنے اپنے وظیفوں پر تکیہ کریں گے اور تجارت چھوڑ دیں گے عمرؓ نے کہا کہ اس کے بغیر چارہ نہیں ہے کیوں کہ مسلمانوں کے "فے" کا مال کثیر ہوگیا ہے

---

[۱] اغاثۃ اللہفان لابن القیم ص ۲۶۸، [۲] الاحکام السلطانیہ للقاضی ابی یعلی فصل فی وضع الدیوان ص ۲۲۱، [۳] فتوح البلدان ذکر العطاء فی خلافۃ عمرؓ ص ۶۶۳

یہ بھی واضح رہے کہ "دیوان" فارسی زبان میں شیاطین کا نام ہے۔

والدیوان فی الفارسیۃ اسم للشیاطین [1]

اور بعض نے دیوان کو "دیوانہ" کا مخفف کہا ہے [2]

دفاتر قائم کر کے وظیفہ مقرر کرنے میں دو دشواریاں تھیں (۱) رومیوں سے مشابہت اور (۲) خود کار ذریعۂ معاش سے بے رغبتی۔ لیکن حضرت عمرؓ نے حالت و ضرورت کی رعایت سے اس کو ناگزیر سمجھا اور لوگوں کو دفتری نظام میں جکڑ کر بڑی حد تک ان کی آزادی سلب کر لی۔ جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے کہ ایک عام قانون جاری کر کے مسلمانوں کو کھیتی باڑی سے روک دیا تھا اور شام میں کچھ لوگوں کی کھیتی بھی جلا ڈالی تھی۔

حضرت عمرؓ نے اس نظام کو یہاں تک ترقی دی کہ "العوالی" (مضافات) کے حکام سے وہاں کے لوگوں کی فہرست طلب کی اور ان کے وظیفے مقرر کیے، نیز نومولود شیر خوار بچوں کا وظیفہ دودھ چھڑانے کے بعد سے مقرر کیا لیکن جب دیکھا کہ مائیں وظیفہ کی وجہ سے دودھ چھڑانے میں جلدی کر رہی ہیں تو پیدا ہونے کے بعد ہی سے وظیفہ کا حکم دے دیا [3]

شخصی آزادی اور انفرادی ملکیت دو بڑے "بت" ہیں جن کی مدد سے ایک طبقہ ہاتھ پاؤں ہلائے بغیر عیش کرتا ہے اور دوسرا طبقہ محنت و مشقت کے باوجود نان جویں کا محتاج رہتا ہے۔

بدقسمتی سے ذرائع پیداوار کی تنظیم میں ان دونوں "بتوں" کو مذہب کا سرٹیفکیٹ حاصل ہو گیا ہے۔ جس کی بنا پر سرمایہ داروں کو مزید تقویت حاصل ہو گئی ہے: جب کبھی حالت و ضرورت کی بنا پر اجتماعی کاشت و تنظیم کا ذکر آتا ہے تو فوراً یہ کہہ کر مخالفت شروع کر دی جاتی ہے کہ اس میں لامذہبیت سرایت کی ہوئی ہے جو باہر سے برآمد کی گئی ہے۔ گویا اسلام نے اس سلسلہ میں کوئی راہنمائی نہیں کی اور تنظیم و تقسیم میں حالت و ضرورت کا کوئی

---

[1] الاحکام السلطانیہ للقاضی ابی یعلیٰ وضع الدیوان ص ۲۲۱ ۔ [2] الاحکام السلطانیہ للماوردی وضع الدیوان [3] فتوح البلدان ذکر العطاء،

لحاظ نہیں کیا ہے۔ حالانکہ قاضی ابو یوسف ہارون الرشید سے کہتے ہیں:

وکل ما رایت ان اللہ تعالیٰ	جس "اقدام" میں آپ سمجھیں کہ اس کے ذریعے
یصلح بہ امر الرعیۃ فافعلہ	اللہ تعالےٰ رعایا کے امور کی اصلاح کرے گا
ولا توخرہ فانی ارجوان یکون	اس میں تاخیر نہ کیجیے مجھے امید ہے کہ اس
ذٰلک موسعا علیہ۔ [۱]	میں وسعت ہے۔

پس اس قدر کافی ہے کہ وہ "اقدام" مصلحت پر مبنی اور مقاصد شرع سے ہم آہنگ ہو، نیز کسی اصل و دلیل کے منافی نہ ہو۔

الملاءمۃ لمقاصد الشرع بحیث لاتنافی	مصلحت مقاصد شرع کے مناسب ہو اور
اصلا من اصولہ ولا دلیل من دلائلہ [۲]	کسی اصل و دلیل کے منافی نہ ہو۔

عدل و توازن برقرار رکھنے اور سرحدوں کی حفاظت کے لیے مالداروں پر طرح طرح کے ٹیکس لگانے کی اجازت ہے [۳]۔ غلہ اور پھل وغیرہ سے اتنی مقدار وصول کرنے کی اجازت ہے کہ کوئی محروم اور متوحش نہ ہونے پائے [۴]

کیلا یوٗدی تخصیص الناس الی	تاکہ پھل وغیرہ میں لوگوں کی تخصیص قلوب کے
ایحاش القلوب۔ [۵]	متوحش بنانے تک نہ پہنچائے۔

حالانکہ پہلے لوگوں سے یہ سب صراحتہً منقول نہیں ہے:

وانما لم ینقل مثل ھذا من الاولین	چونکہ پہلے سرکاری خزانہ میں زیادہ مال تھا
لاتساع مال بیت المال فی زمانھم	اس لیے یہ سب اولین سے منقول نہیں
بخلاف زماننا فان القضیۃ فیہ	ہے۔ بخلاف ہمارے زمانہ کے کہ معاملہ
اخریٰ۔ [۶]	اس میں زیادہ وسیع ہے۔

جب شخصی آزادی و ملکیت پر اس قدر تصرفات ثابت ہیں تو اگر موجودہ دور میں اجتماعی کاشت و تنظیم سے لوگوں کی محرومی اور وحشت دور ہوتی ہے تو شریعت میں کیونکر اس

[۱] کتاب الخراج لابی یوسف فصل و سالت من ای وجہ تجری الخ ص۱۱۵، [۲] الاعتصام للشاطبی ج۲ الفرق بین البدع والمصالح ص۳۰۷، [۳] ایضاً ص۲۹۶، [۴] ایضاً، [۵] ایضاً، [۶] ایضاً ص۳۰۷

اس کی اجازت نہ ہوگی؟ اور اجازت میں حدود وقیود کی پابندی کے ساتھ لا مذہبیت کیسے سرایت کر جائے گی؟

دشواری اس لیے پیش آتی ہے کہ قدیم تنظیم کو مذہب سمجھ لیا گیا ہے حالانکہ اصل وہ تعلیمات ہیں جو اس کے اندر حلول کی ہوتی ہیں جس طرح "قدیم" کو ان کے ذریعہ مذہبی بنایا گیا تھا اسی طرح "جدید" کو ہر دور میں ان کے ذریعے مذہبی بنانے کی ضرورت ہے۔

اگر "جدید" کا صراحتہً ذکر نہیں ہے (اور ہونا بھی نہ چاہیئے) تو اس سے اسلام کی جامعیت پر کوئی حرف آتا ہے اور نہ تنگ دل و تنگ نظر بننے کا کوئی موقع نکلتا ہے۔ خود صحابۂ کرامؓ کو ایسے موقعے پر صراحت کی تلاش نہیں ہوئی ہے۔ بلکہ انہوں نے استدلال واستنباط کو رہبر بنا کر توسیعی پروگرام کو جاری رکھا ہے۔

فانا نعلم الصحابة رضی الله	ہم جانتے ہیں کہ ان واقعات وحادثات
عنهم حصروا نظرهم فی الوقائع	میں جن میں صراحتہً "نص نہیں ہے صحابۂ کرامؓ
التی لا نصوص فیها فی الاستنباط	نے اپنی نظر کو استنباط اور اصول ثابتہ
والرد الی ما فهموا من الاصول	سے جو کچھ سمجھا تھا اس کی طرف لوٹانے
الثابتة۔[1]	میں منحصر رکھا۔

جو حضرات اخلاق وعبادات کے ذریعہ مسلمانوں کو اسلام پر قائم رکھنے کی کوشش میں مصروف ہیں وہ اپنے انداز سے ایک کام کر رہے ہیں، لیکن جو لوگ اسلام کو نظام حیات کی شکل دینے اور نشاۃ ثانیہ کی نوک پلک درست کرنے میں سرگرم عمل ہیں" ان کو بہر صورت حالات کی نبض پر انگلی رکھنے اور زمانہ کا نیور پہنچانے بغیر چارہ نہیں ہے۔ اگر ان لوگوں نے مذہب کی رہنمائی میں حالات وزمانہ سے بے اعتنائی برتی اور زکوٰۃ وصدقات کے تفصیلی احکام بیان کر کے اسلام کے معاشی نظام سے فارغ ہو گئے تو ملت کو سخت قسم کی کشمکش سے دو چار ہونا پڑے گا جس کے اصل ذمہ دار یہ لوگ قرار پائیں گے۔

---

[1] الاعتصام للشاطبی ج۲ الفرق بین البدع والمصالح ص۲۴۳ فصل فاذا تقرر ہذا فلنرجع الخ،

خراج کا نظم قائم کیا (۴۲) حضرت عمرؓ نے توسیعی پروگرام کے تحت "خراج" کا نظم قائم کیا حالانکہ اس سے پہلے ثبوت نہیں ملتا ہے۔ خراج کے نظم میں زیادہ استفادہ رومی و ایرانی دنیا سے کیا گیا تھا جیسا کہ علامہ ماوردی رحؒ لکھتے ہیں:

وکان السواد فی اول ایام الفرس	سواد عراق میں ایرانی حکومت کے ابتدائی
جاریا علی المقاسمة الی ان مسحه	زمانہ میں پیداوار کی بٹائی کا طریقہ رائج تھا
و وضع الخراج علیه قباد بن	قباد بن فیروز نے زمین کی پیمائش کرا کے
فیروز۔[1]	اس پر لگان مقرر کیا۔

اسی طرح شام میں ایک قدیم یونانی بادشاہ کا قانون نافذ تھا جس نے پیداوار کے لحاظ سے زمین کے مختلف مدارج قائم کر رکھے تھے اور اسی لحاظ سے مختلف قسم کی شرح لگان مقرر کر رکھی تھی[2]

نیز مصر میں رومیوں کا قانون لگان نافذ تھا اور لگان کے علاوہ غلہ کی ایک کثیر مقدار پایۂ تخت کے لیے وصول کی جاتی تھی[3]

حضرت عمرؓ نے خراج کو باقی رکھا اور ظلم و ستم کے طریقوں اور کاشتکاروں کے ساتھ زیادتی مبنی قوانین و ضوابط کو ختم کر دیا۔[4]

غور کرنے کی بات یہ ہے کہ اگر مذہب اسلام تنظیم کا نام ہوتا تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ٹیکسوں کے بارے میں ایک بات طے فرما دیتے اور خراج کا نظم قائم کرنے میں رومیوں اور ایرانیوں سے استفادہ کی ضرورت نہ ہوتی۔

نہ صرف خراج کو باقی رکھا بلکہ سہولت کار اور باشندوں کی رعایت سے دفاتر کی زبان میں بھی کوئی تبدیلی نہیں کی۔

ولم یزل دیوان الشام بالرومیة	شام کا دفتر ہمیشہ رومی زبان میں رہا یہاں

---

[1] الاحکام السلطانیہ للماوردی صفحہ ۱۲۴۔ [2] الفاروق ج۲ شام۔ [3] کتاب الخطط المقریزی صفحہ ۱۲۰۔ [4] تفصیل کے لیے راقم کی کتاب اسلام کا زرعی نظام ملاحظہ ہو۔

حتیٰ ولی عبد الملک۔ [1]	تک عبد الملک خلیفہ ہوا۔
لم یزل دیوان خراج السواد وسائر العراق بالفارسیۃ فلما ولی الحجاج۔ [2]	سواد اور پورے عراق کے خراج کا دفتر فارسی زبان میں حجاج کے زمانہ تک رہا۔

اور سابق افسران کو بھی بڑی حد تک بحال رکھا۔ [3]

ایک کے قتل میں جماعت کے قتل کا حکم دیا

(۴۳) حضرت عمرؓ نے سیاست شرعیہ کے تحت شخص واحد کے قتل میں شریک جماعت کو قتل کرنے کا حکم دیا حالانکہ یہ نص سے ثابت نہیں ہے۔

علامہ شاطبیؒ کہتے ہیں:

یجوز قتل الجماعۃ بالواحد و المستند فیہ المصلحۃ المرسلۃ اذ لا نص علی عین المسئلۃ فکنہ منقول عن عمر بن الخطاب۔ [4]	ایک کے بدلے جماعت کا قتل کرنا جائز ہے اور مستند، اس میں مصلحت مرسلہ ہے کیونکہ اس مسئلہ میں کوئی نص نہیں ہے۔ لیکن حضرت عمرؓ سے یہ منقول ہے۔

عدلیہ کو انتظامیہ سے الگ کیا

(۴۴) حضرت عمرؓ نے توسیعی پروگرام کے تحت عدلیہ کو انتظامیہ سے علیحدہ کیا، حالانکہ پہلے اس کی ضرورت نہ تھی۔ علیحدگی کے بعد قواعد عدالت مقرر کیے، قاضیوں کے انتخاب کے طریقے وضع کیے اور ان کو خاص خاص ہدایتیں دیں۔

ابوموسیٰ اشعری گورنر کے فرمان میں صیغۂ عدالت کے یہ اصول درج ہیں:

قال القضاء فریضۃ محکمۃ وسنۃ متبعۃ فافہم اذا ادلی الیک فانہ لا ینفع تکلم بحق	قضا ایک محکم فریضہ اور سنت متبعہ ہے اس معاملہ کو خوب سمجھو جس کے لیے تمہاری طرف رجوع کیا جائے کسی ایسے حق کا تکلم نفع

---

[1] و [2] فتوح البلدان نقل دیوان الرومیہ صـ۲۰۱ ونقل دیوان الفارسیہ صـ۳۰۵ [3] الخطط للمقریزی ج۱ صـ۱۲۳، [4] الاعتصام للشاطبی ج۲ الفرق بین البدع والمصالح صـ۳۰۳

لا نفاذ له سا و بين الناس فی مجلسك و فی وجهك و فی قضائك حتی لا يطمع شريف فی حيفك ولا ييأس ضعيف من عدلك البينة علی المدعی واليمين علی من انكر والصلح جايز بين المسلمين الا صلحا احل حراما او حرم حلالا ومن ادعی حقا غائبا او بينة فاضرب له امدا ينتهی اليه فان بينه اعطيته بحقه و ان اعجزه ذلك استحللت عليه القضية فان ذلك هو ابلغ فی العذر واجلی للعماء ولا يمنعك قضاء قضيت فيه اليوم فراجعت فيه رايك فهديت فيه لرشدك ان تراجع فيه الحق فان الحق قديم لا يبطله شیء ومراجعة الحق خير من التمادی فی الباطل والمسلمون عدول بعضهم علی بعض الا مجربا عليه شهادة الزور او مجلودا فی حد او ظنينا فی

نہیں دیتا جس کا نفاذ نہ ہو اپنی مجلس اپنے حضور اور اپنے فیصلہ میں لوگوں کو برابر رکھو تاکہ طاقتور تم سے بے انصافی کی توقع نہ رکھے اور کمزور تمہارے انصاف سے مایوس نہ ہو۔ مدعی پر بار ثبوت ہے اور منکر پر قسم ہے۔ صلح بین المسلمین جائز ہے، بشرطیکہ وہ کسی حلال کو حرام اور حرام کو حلال نہ کرے۔ جو شخص کسی غائب حق کا دعویٰ کرے یا غائب گواہ کا نام لے تو اس کو مہلت دو تاکہ اس تک پہنچ سکے۔ اگر موجود کر دے تو اس کے حق میں فیصلہ کر دو اور اگر عاجز رہے تو اس کے خلاف ڈگری دے دو۔ یہ بات عذر داری میں زیادہ بلیغ اور تاریکی کو زیادہ دور کرنے والی ہے۔ اگر تم نے آج کوئی فیصلہ کیا پھر حق واضح ہو گیا تو اس میں اپنی رائے سے رجوع کرنے اور نظر ثانی کرنے کا تمہیں اختیار ہے۔ کیونکہ حق قدیم ہے جس کو کوئی شے باطل نہیں کر سکتی ہے اور باطل میں پھنسنے سے حق بات کی طرف رجوع کرنا زیادہ بہتر ہے۔ مسلمان ثقہ ہیں ان میں بعض کی شہادت بعض کے لیے مقبول ہے۔ البتہ جن پر حد لگی ہو یا جھوٹی شہادت کے مجرم ہوں یا ولاء و وراثت میں متہم ہوں وہ مستثنیٰ ہیں۔

ولا اوقرابة فان الله تعالى
تولى من العباد السرائر وستر
عليهم الحدود الا بالبينات و
الايمان ثم الفهم الفهم فيما
ادلى اليك مما ورد عليك مما
ليس فى قرآن ولا سنة ثم قائس
الامور عند ذلك واعرف
الامثال ثم اعمد فى ما ترى
الى احبها الى الله واشبهها بالحق
واياك والغضب والقلق
والضجر والتاذى بالناس
والتنكر عند الخصومة او
الخصوم فان القضاء فى مواطن
الحق مما يوجب الله به الاجر
ويحسن به الذكر فمن خلصت
نيته فى الحق ولو على نفسه كفاه
الله ما بينه وبين الناس و
من تزين بما ليس فى نفسه
شانه الله فان الله تعالى لا يقبل
من العباد الا ما كان خالصا
فما ظنك بثواب عند الله
فى عاجل رزقه وخزائن
رحمته والسلام عليك

اللہ تعالیٰ نے خفیہ باتوں سے اعراض
کیا ہے اور حدود سے پردہ پوشی کی ہے،
اگر گواہ قائم ہوں تو علیحدہ بات ہے تمہیں
تاکید کرتا ہوں کہ معاملات میں انتہائی سمجھ
بوجھ سے کام لو بالخصوص وہ معاملات جن
کی قرآن وسنت میں صراحت نہیں ہے ایسی
صورتوں میں امثال ونظائر کو تلاش کرو اور
غور وفکر کے بعد ان پر قیاس کرو پھر تمہاری
رائے میں جو بات اللہ کو زیادہ محبوب اور
حق کے زیادہ مشابہ ہو اس پر اعتماد کرو غصہ
ڈانٹ ڈپٹ اضطراب لوگوں کی ایذا رسانی اور
عدالت کے وقت لعنت ملامت سے
پرہیز کرو۔ حق کے مواقع پر ٹھیک فیصلے سے
اللہ کے نزدیک اجر اور ذکر خیر کے مستحق ہو
گے۔ حق کے معاملہ میں جس کی نیت خالص
ہوگی اگر اس کے خلاف کوئی بات پیش آئی
تو اللہ اس کی مدد کرتا ہے اور جو شخص کسی
ایسی بات سے اپنے کو مزین کرتا ہے جو
اس کے اندر نہیں ہے تو اللہ اس کو عیب
دار کر دیتا ہے۔ اللہ اپنے بندوں سے
خلوص ہی قبول کرتا ہے۔ خلوص پر دنیوی
اور آخروی زندگی میں اللہ کے پاس جو اجر
ورحمت کے خزانے ہیں اس کے

ورحمۃ اللہ۔[1] کیا کہتے؟

حضرت عمرؓ نے قاضی شریح سے فرمایا:

ان اقض بما استبان لك من قضاء رسول الله صلی الله علیه وسلم فان لم تعلم کل اقضیة رسول الله فاقض بما استبان لك من ائمة المهتدین فان لم تعلم کل ما قضیت به ائمة المهتدین فاجتهد رایک واستشر اهل العلم	جو بات رسول اللہؐ کے فیصلہ سے ظاہر ہو اس کے مطابق فیصلہ کرو اگر رسول اللہؐ کے تمام فیصلوں کا علم نہ ہو تو ائمہ مہتدین کے مطابق فیصلہ کرو اور ان کے بھی تمام فیصلوں کا علم نہ ہو تو اپنی رائے سے اجتہاد کرو اور اہل علم وصلاح سے مشورہ کرو۔

ایک اور موقع پر قاضی شریح کو لکھا:

اذ حضرك امر لا بد منه فانظر ما فی کتاب الله فاقض به فان لم یکن ففیما قضی به رسول الله صلی الله علیه وسلم فان لم یکن فانت بالخیار فان شئت ان تجتهد رایك وان شئت ان تؤامرنی ولا اری مؤامرتك ایای الا خیرا والسلام۔[2]	جب کوئی ناگزیر معاملہ درپیش ہو تو کتاب اللہ میں دیکھو اور اس کے مطابق فیصلہ کرو، اگر اس میں نہ ملے تو رسول اللہؐ کے فیصلوں کو دیکھو اگر اس میں بھی نہ ملے تو تمہیں اختیار ہے۔ اگر چاہو تو اپنی رائے سے اجتہاد کرو اور اگر چاہو تو مجھ سے مشورہ کرو اور مشورہ کرنے میں خیر ہی خیر ہے۔

حضرت عمرؓ نے اپنے خطوط و ہدایات میں صحت فہم و حسن نیت پر کافی زور دیا ہے۔ گویا یہ دو بنیادی ستون ہیں جن پر عدلیہ کی عمارت تعمیر ہوتی ہے۔

علامہ ابن قیمؒ کہتے ہیں:

صحة الفهم نور یقذفه الله فی قلب العبد یمیز به بین	صحت فہم ایک نور ہے جس کو اللہ تعالیٰ بندہ کے دل میں ڈالتا ہے اور جس کے

[1] اعلام الموقعین ج رسالۃ عمر الی موسیٰ ص۹۹، [2] اعلام الموقعین ج من الرای المحمود الخ ص۹۱ ایضاً

[illegible]

والھدی والضلال والغی والرشاد ۱؎ — ضلالت اور رشد و گمراہی میں تمیز ہوتی ہے

حسن نیت کے سلسلہ میں یہ واقعہ عبرت وبصیرت کے لیے کافی ہے:

"بنی اسرائیل کے ایک مشہور قاضی عادل نے وصیت کی کہ دفن کرنے کے ایک عرصہ بعد لاش قبر سے نکال کر دیکھی جائے کہ اس میں کچھ تغیر ہوا ہے یا نہیں کیونکہ میں نے کسی فیصلہ میں ظلم وزیادتی کی ہے اور نہ کسی کی حق تلفی کی ہے سوائے اس کے کہ ایک مقدمہ میں میرا دوست فریق بن کر آیا تو اس کی بات سننے میں اپنے کان کو زیادہ متوجہ کیا ہے۔ حسب وصیت ایک عرصہ کے بعد جب لاش دیکھی گئی تو صرف کان کو مٹی نے کھا لیا تھا۔ اور پورا جسم صحیح وسالم تھا۔" ۲؎

صحابۂ کرام کے فیصلوں میں یہی دونوں باتیں نمایاں ہیں جن کی بنا پر ان کی عدالت ضرب المثل ہے

توسیعی پروگرام کے لیے مستقل مجلس قائم کی

(۵) حضرت عمرؓ نے توسیعی پروگرام چلانے کے لیے مستقل مجلس قائم کر رکھی تھی جس کے ارکان میں حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت معاذؓ بن جبل، حضرت ابی بن کعبؓ حضرت زید بن ثابت وغیرہ اکابر شامل تھے ۳؎

اس کے علاوہ ایک اور مجلس تھی جو اکابر مہاجرین پر مشتمل تھی اور اس میں روزانہ انتظامات و ضروری معاملات پر گفتگو ہوتی تھی۔

کان للمھاجرین مجلس فی المسجد فکان عمر یجلس معھم ویحدثھم عما ینتھی الیہ من الامر الافاق ۴؎

مسجد میں مہاجرین کی ایک مجلس تھی حضرت عمرؓ ان کے ساتھ بیٹھتے اور مملکت کی خبروں سے مطلع کر کے ان سے گفتگو کرتے تھے۔

۱؎ اعلام الموقعین ج۱ فصل النوع الرابع من الرای المحمود ص۱۰۱، ۲؎ حوالہ بالا، ۳؎ کنز العمال ج۳ کتاب الخلافۃ مع الامارۃ من قسم الافعال ص۱۳۴،

۴؎ فتوح البلدان۔

نو پیدا شدہ مسائل جن میں مشورہ اور اجتہاد کی ضرورت ہوتی ان کا نام "صوافی الامر" رکھا تھا۔[1]

(۴۶) حضرت عمرؓ نے حالات کی رعایت سے قاضیوں کی زیادہ تنخواہیں مقرر کیں تاکہ باہر کی آمدنی کی ضرورت نہ رہے اور حالات ہی کی رعایت سے یہ قانون مقرر کیا "قاضی دولت مند اور معزز شخص ہی کو بنایا جا سکتا ہے کیونکہ دولت مند سے رشوت نہ لینے کی زیادہ توقع تھی اور معزز سے مرعوب نہ ہونے کی زیادہ امید تھی۔"[2]

معلموں اماموں اور موذنوں کی تنخواہیں مقرر کیں

(۴۷) حضرت عمرؓ نے تعلیمی پروگرام کے تحت معلموں، اماموں اور موذنوں کی تنخواہیں مقرر کیں حالانکہ اس سے پہلے ثبوت نہیں ملتا ہے۔

ان عمر بن الخطاب وعثمان بن عفان کانا یرزقان المؤذنین والائمۃ والعلمین والقضاۃ۔[3]

حضرت عمرؓ و عثمانؓ دونوں اماموں موذنوں اور قاضیوں کو تنخواہیں دیتے تھے۔

قرآن کی تعلیم پر وظیفہ مقرر کیا

(۴۸) قرآن حکیم کی تعلیم پر لوگوں کے وظیفے مقرر کیے اور امرائے لشکر کو لکھ بھیجا کہ :

ان ارفعوا الی کل من حمل القرآن حتی الحقھم فی الشرف من العطاء وارسلھم فی الآفاق یعلمون الناس۔[4]

جن کو قرآن یاد ہو ان کو میرے پاس بھیجو تاکہ وظیفہ پانے والے معززین میں ان کو شامل کروں اور تعلیم قرآن کے لیے اطراف میں ان کو بھیجوں

جبری تعلیم کا حکم دیا

بدوؤں کے لیے جبری تعلیم کا حکم دیا۔ چنانچہ ابوسفیان نامی ایک شخص کو متعین کیا کہ قبائل میں پھر کر لوگوں کو تعلیم پر مجبور کرے اور جس کو قرآن حکیم کا کوئی حصہ یاد نہ ہو اس کو سزا دے۔

"آغانی" میں ہے :

---

[1] اعلام الموقعین ج ۱ من الرای المحمود ص ۱۷ [2] اخبار القضاۃ لمحمد بن خلف، از الفاروق [3] تاریخ عمرؓ للعلامہ ابن الجوزی الباب التاسع والثلاثون ص ۱۲۶ ، [4] کنز العمال فی فضائل القرآن ،

بعث عمر بن الخطاب رضی رجلاً من قریش یقال له ابو سفیان یستقرئ اهل البادیة فمن لم یقرأ شیئاً من القرآن عاقبه۔[۱]

حضرت عمرؓ نے قریش کے ایک آدمی ابو سفیان نامی کو اہل بادیہ کی طرف روانہ کیا کہ وہ ان سے قرآن پڑھنے کا مطالبہ کرے جس نے قرآن بالکل نہ پڑھا ہو اس کو سزا دے۔

سن ہجری مقرر کیا

(۵۰) حضرت عمرؓ نے سن ہجری مقرر کی حالانکہ اس سے پہلے مہینوں سے تاریخ لکھنے کا رواج تھا سن سے نہ تھا۔

استشار عمرؓ فی التاریخ فاجمعوا علی الهجرة۔[۲]

حضرت عمرؓ نے تاریخ کے بارے میں مشورہ کیا لوگوں نے ہجرت پر اتفاق کیا۔

وارد وصادر کے لیے مال گودام بنایا

(۵۱) حضرت عمرؓ نے وارد و صادر کے انتظام کے لیے مال گدام بنایا جس میں ضرورت کی مختلف چیزوں کا اہتمام تھا:

نجعل فیها الدقیق والسویق والتمر والزبیب وما یحتاج الیه یعین به المنقطع به والضیف۔[۳]

مال گودام میں آٹا، ستو، کھجور، کشمش اور دوسری ضرورت کی چیزیں تھیں جن کے ذریعے مسافروں اور مہمانوں کی مدد کی جاتی تھی۔

غلامی کے رواج کو ختم کرنے کی کوشش کی

(۵۲) حضرت عمرؓ نے نصوص شرعیہ کی روشنی میں غلامی کے رواج کو ختم کرنے کی کوشش کی اور اس کے لیے مختلف راہیں نکالیں مثلاً یہ اعلان کیا۔

(ا) لا یسترق عربی۔[۴] کوئی عربی غلام نہیں بنایا جا سکتا۔

(ب) ابو موسیٰ اشعری گورنر کو یہ حکم بھیجا کہ:

---

[۱] کتاب الاغانی ج اخبار زید الخیل ونسبه ص۵۸، [۲] تاریخ عمر بن الخطاب لابن الجوزی الباب الثلاثون ص۵۷، [۳] تاریخ عمر بن الجوزی الباب الثلاثون ص۲۸۳، [۴] کنز العمال ج۲ کتاب الجہاد من قسم الافعال الاساری ص۳۱۲،

خلوا کل اکار وزراع [1] | کوئی کاشتکار وہل چلانے والا غلام نہ رکھا جائے۔

(ج) امہات اولاد (جس لونڈی سے اولاد ہو جائے) کی خرید و فروخت سے روک دیا حالانکہ اس سے پہلے ممانعت نہ تھی [2] جس کا مطلب یہ تھا کہ اولاد ہونے کے بعد لونڈی جیسے احکام نہیں رہتے۔

(د) جو غلام رقم دے کر آزاد ہونا چاہے، مالک کے ذمہ اس کی آزادی کو ضروری قرار دیا جیسا کہ اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے۔

حضرت انسؓ کے غلام سیرینؒ نے مکاتبت کی درخواست کی، لیکن انسؓ نے انکار کر دیا۔ جب اس کی شکایت حضرت عمرؓ کو پہنچی تو انسؓ کو بلا کر کہا:

کاتبه فابی فضربه بالدرة۔ [3] | اس کو مکاتب کر دو، اس پر انسؓ نے انکار کیا اور حضرت عمرؓ نے درہ مارا۔

(ہ) غلاموں کو اپنے عزیز قریب سے جدا نہ کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ:

لا یفرق بین اخوین اذا بیعا | بیچتے وقت دو بھائیوں میں تفریق نہ کی جائے
ولا تفرقوا بین الام وولدها | ماں اور بچے کے درمیان جدائی نہ کی جائے
ولا یفرق بین السبایا واولادهن [4] | اور قیدیوں میں ماں کو بچہ سے جدا نہ کیا جائے

اگر مذہب قدیم تنظیم کا نام ہوتا تو حضرت عمرؓ غلامی کے رواج کو ختم کرنے کی راہیں نہ نکالتے زیادہ سے زیادہ یہ کرتے کہ ہر طرح کے حقوق دے کر معاشرہ میں ان کا مقام اونچا کر دیتے دراصل اسلام کی روح ہی یہ تھی کہ معاشرہ سے غلامی کے رواج کو ختم کیا جائے جیسا کہ اس کی تائید حضرت عمرؓ کے درج ذیل قول سے ہوتی ہے۔

متی استعبدتم الناس وقد ولدتهم امهاتهم احرارا۔ [5] | تم نے ان لوگوں کو کب سے غلام بنا رکھا ہے حالانکہ ان کی ماں نے ان کو آزاد جنا ہے

---

[1] حوالہ بالا، [2] ابوداؤد از مشکوٰۃ کتاب العتق، [3] بخاری کتاب العتق باب المکاتبت
[4] تاریخ عمر لابن الجوزی الباب الثامن والثلثون، ص۱۰۰،

لیکن ایک دم سے ختم کرنے میں سماجی زندگی کے مختل ہونے کا اندیشہ تھا، اس بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتدریج ختم کرنے کی کوشش کی، پھر حضرت عمرؓ نے اس کوشش کو اور آگے بڑھایا جس کے لیے مختلف طریقے وضع کیے۔

یہ تو قانون کے درجہ کی بات ہے ورنہ جہاں تک حقوق و مراعات اور سلوک و برتاؤ کا تعلق ہے اسلام نے ابتدا ہی سے غلامی کو ختم کر دیا تھا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

هم اخوانكم جعلهم الله تحت ايديكم فمن جعل الله اخاه تحت يده فليطعمه مما ياكل وليلبسه مما يلبس ولا يكلفه من العمل ما يغلبه فان كلفه ما يغلبه فليعنه عليه۔[1]	وہ تمہارے بھائی ہیں اللہ نے ان کو تمہارے ماتحت کر دیا ہے جس کے ماتحت اللہ نے اس کے بھائی کو کیا ہے تو جو خود کھائے وہی اپنے بھائی کو کھلائے جو خود پہنے وہی اپنے بھائی کو پہنائے اور جو کام اس کو مغلوب کر دے اس کی تکلیف نہ دے اور اگر تکلیف دیے بغیر چارہ نہ ہو تو خود اس کی مدد کرے۔

شوہروں کو چار ماہ سے زاید باہر رہنے سے روک دیا

(۵۴) حضرت عمرؓ نے فوجیوں کو چار ماہ سے زیادہ باہر رہنے سے روک دیا حالانکہ اس سے پہلے ایسا کوئی قانون نہ تھا۔

صورت یہ ہوئی کہ حسب دستور رات کو گشت کر رہے تھے ایک گھر سے عورت کے ایسے اشعار پڑھنے کی آواز آئی جن میں شہوانی جذبات کا اظہار تھا۔ عورتوں سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ دو ماہ تک شوہر کی جدائی برداشت ہو سکتی ہے تیسرے ماہ قوت برداشت میں کمی آ جاتی ہے اور چوتھے ماہ جذبات کی ہیجان انگیزی شباب پر ہوتی ہے۔ اس تحقیق کے بعد افسران کو لکھ بھیجا کہ کسی شخص کو چار ماہ سے زیادہ باہر نہ روکا جائے۔[2]

---

[1] بخاری کتاب العتق باب قول النبی العبید اخوانکم، [2] ازالۃ الخفاء مقصد دوم گشت حضرت عمرؓ۔

دراصل حضرت عمرؓ اس قسم کے احکام میں قرآن وسنت کی روح اور مصلحت کو دیکھتے تھے۔ ظاہری الفاظ پر اکتفانہ کرتے تھے۔

فکان عمر یجتهد فی تعرف الحکمة التی نزلت فیها الآیة ویحاول معرفة المصلحة التی جاء من اجلها الحدیث ویاخذ بالروح لا بالحرف۔[1]	حضرت عمرؓ اس حکمت کی تلاش میں سرگرداں رہتے جس میں آیت نازل ہوئی ہے اور اس مصلحت کی معرفت حاصل کرنے کی کوشش کرتے جس کی وجہ سے حدیث وارد ہوئی ہے اور روح ومغز کو لیتے ظاہری الفاظ پر اکتفانہ کرتے۔

اس بنا پر ایسے بہت سے احکام وضع کیے جن کا ذکر ظاہر الفاظ میں نہیں ہے۔ لیکن روح اور مصلحت میں موجود ہے۔

خوبصورتی کم کرنے کے لیے ایک شخص کا سر منڈوا دیا

(۵۴) حضرت عمرؓ نے سیاست شرعیہ کے تحت نصر بن حجاج کا سر منڈا دیا اور کچھ رقم دے کر مدینہ سے جلاوطن کر دیا۔

وحلق عمرؓ راس نصر بن حجاج ونفاه من المدینة۔[2]	عمرؓ نے نصر بن حجاج کا سر منڈایا اور مدینہ سے جلاوطن کر دیا۔

رات کو گشت کے وقت ایک عورت کو یہ شعر پڑھتے سنا۔

الاسبیل الی خمر فاشربه امر لاسبیل الی نصر بن حجاج

دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ نصر بن حجاج نہایت خوبصورت آدمی ہے۔ جس کو عورتیں حسرت وآرزو کی نگاہ سے دیکھتی ہیں، آپ نے بلا کر اس کے سر کے بال منڈا دیے تاکہ خوبصورتی کچھ کم ہو جائے لیکن اس کے بعد وہ ظالم اور زیادہ خوبصورت نظر آنے لگا بالآخر اس کو جلاوطن کر دیا۔[3] نصر بن حجاج سے جرم کا ارتکاب بعد میں ہوا ہے جس سے حضرت عمرؓ کی فراست ظاہر

---

[1] القضاء فی الاسلام قضاء عمر ص۱۰۱، [2] الطرق الحکمیہ فصل ومسلک اصحابہ ص۱۶، [3] ازالۃ الخفاء مقصد دوم گشت حضرت عمرؓ والطرق الحکمیہ حوالہ بالا۔

ہوتی ہے[1] لیکن شخصی حقوق میں مداخلت پہلے ہی کردی اور کسی کو لب کشائی کی ضرورت نہ محسوس ہوئی۔

ولی کی مرضی کے خلاف غیر کفو میں نکاح کا حکم دیا

(۵۵) حضرت عمرؓ نے "ولی" کی مرضی کے خلاف غیر کفو میں نکاح کا حکم دیا جس کی صورت یہ ہوئی کہ "موالی" (آزاد شدہ غلاموں) میں سے ایک مالدار شخص نے قریشی کی بہن سے پیغام بھیجا۔ قریشی نے یہ کہہ کر انکار کردیا کہ۔

ان لنا حسبًا وانه لیس لها بکفو۔ — ہم حسب ونسب والے ہیں وہ لڑکی کا کفو نہیں

جب اس کی اطلاع حضرت عمرؓ کو پہنچی تو آپ نے قریشی کو بلاکر کہا کہ وہ مالدار بھی ہے اور پرہیزگار بھی اگر بہن راضی ہے تو نکاح کردو۔

زوج الرجل ان کانت المرأة راضیة۔ — اگر لڑکی راضی ہے تو اس سے نکاح کردو۔

چنانچہ بھائی نے جاکر پوچھا تو وہ راضی ہوگئی اور نکاح کردیا گیا۔

فراجعها اخوها فرضیت فزوجها منه۔[2] — بھائی نے جب اس سے مراجعت کی تو وہ راضی ہوگئی اور اس سے نکاح کردیا۔

یہ کوئی معاشقہ کا معاملہ نہ تھا کہ حضرت عمرؓ نے مجبور ہوکر فیصلہ کیا ہو بلکہ حسب ونسب کے "بت" کو توڑنا مقصود تھا جس کے آہنی پنجہ میں اب مسلم معاشرہ گرفتار ہوگیا ہے۔

فقہائے کرام نے "کفو" پر اتنی طویل بحث محض ازدواجی زندگی کو خوشگوار بنانے کے لیے کی تھی، اگر کسی زمانہ میں یہ بحث ازدواجی زندگی کو ختم کرنے کا باعث ہوجائے تو غیر شرعی بن جائے گی جس کو فقہ کے ابواب سے خارج کرنا ضروری ہے، اور حالات وزمانہ کی رعایت سے کفو کی نئی حد بندی لازمی ہے جس سے ازدواجی زندگی میں سہولت وخوشگواری پیدا ہوسکے۔

حسب ونسب اور معیار زندگی کے "بتوں" نے بہت سی مسلم بچیوں کو زندہ درگور بنادیا ہے، جن لڑکیوں میں مذہب وروایات کا پاس نہیں ہے۔ وہ اپنی مرضی سے

---

[1] ازالۃ الخفاء مقصد دوم گشت حضرت عمرؓ، [2] ازالۃ الخفاء مقصد دوم سیاست فاروق اعظم،

راستہ تلاش کرنے میں آزاد ہیں لیکن جن میں حمیت وغیرت باقی ہے وہ سسک سسک کر پوری زندگی گذارنے پر مجبور ہیں۔

مسئلہ کا حل اونچی تعلیم میں تلاش کیا گیا تھا لیکن اب یہ مروانی تعلیم شادی کے قائم مقام بن رہی ہے۔ پہلے زیادہ تعلیم یافتہ لڑکی پسند کی جاتی تھی اب یہ رجحان ہی بدل رہا ہے۔

وقت کے اس نازک مسئلہ پر کس کو توجہ دلائی جائے؟ جن حضرات سے کچھ جدوجہد کی توقع ہے۔ وہ تو شعوری یا غیر شعوری طور پر ان "بتوں" کے پجاری بنے ہوئے ہیں اور جو قیادت و سیادت کے دعویدار ہیں وہ اس قابل نہیں کہ ایسے سنجیدہ کام اپنے ہاتھ میں لیں کاش کوئی مرد مومن" غیب سے نمودار ہوتا اور تمام ان "بتوں" کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیتا۔ جن کی وجہ سے مسلم معاشرہ کرب والم میں مبتلا ہے اور اپنے اقدار تک کو ختم کر دینے پر آمادہ ہے جب تک خود عمل نہ ہو اسلامی تعلیمات پر وعظ کہہ دینے سے کچھ کام چلتا ہے اور نہ ذمہ داری سے سبکدوشی ہوتی ہے۔ حضرت عمرؓ امیر المومنین نے ایک دودھ فروش کی بیوہ لڑکی سے اپنے بیٹے" عاصم" کا نکاح کیا تھا جس کا واقعہ مشہور ہے۔[1]

امیر المومنین نے نہ لڑکی کا حسب ونسب دیکھا اور نہ معیار زندگی پر نظر کی بس ان کو یہ ادا پسند آئی کہ جب لڑکی کی ماں نے دودھ میں پانی ملانے کو کہا تو اس نے جواب دیا کہ "ظاہر و باطن ہر حال میں امیر المومنین کے حکم کی اطاعت کرنی چاہیئے یہ نہیں ہو سکتا ہے کہ دن کی روشنی میں تو اطاعت ہو اور رات کی تاریکی میں خیانت ہو"

ادھر صاحبزادہ نے نہ جہیز کی خواہش کی نہ ہیوگی پر نظر کی اور نہ دل میں یہ خیال آیا کہ اس کی شادی دودھ بیچنے والی لڑکی سے کیوں ہو؟

دراصل ان دونوں کی نظر زندگی کے اصل معیار پر تھی اور وہ "تقویٰ" ہے جس کا ثبوت لڑکی کے جواب میں مل چکا تھا بلکہ اسی کو بنیاد بنا کر" صاحبزادہ" نے بطیب خاطر آمادگی ظاہر کی تھی اور شادی کا پیغام بھیجا گیا تھا۔

---

[1] ازالۃ الخفاء مقصد دوم گشت حضرت عمرؓ۔

اب عقاید و عبادات میں نہیں بلکہ معاملات و معاشرت میں تجدید و اجتہاد کی ضرورت ہے "دور" کی تبدیلی سے ہی زیادہ مجروح ہو کر "رعایت" کا مطالبہ کرتے ہیں۔

لیکن چونکہ مذہب کے نام پر قدیم تنظیم سے وابستگی معاشرہ میں جڑ پکڑ لیتی ہے اور طویل عمر کے بعد یہ مطالبہ سامنے آتا ہے، اس بنا پر لوگوں کے ذہن قبول کرنے کے لیے تیار ہوتے ہیں اور نہ ان سے کسی صلہ کی توقع ہوتی ہے ایسی حالت میں تجدید و اجتہاد کے فرائض وہی شخص انجام دے سکتا ہے جس کو نہ کسی سے طمع ہو اور نہ کسی کا خوف ہو بس اپنے مالک حقیقی کے سامنے جواب دہ ہو اور اسی کو مقصود بنا کر کام کرے۔

شعائر کی تعظیم میں غلو سے روکا

(۵۶) حضرت عمرؓ نے شعائر کی تعظیم میں غلو سے روکا اور حجر اسود کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا:

انی لا علم انك حجر لا تنفع ولا تضر۔ ؎	میں جانتا ہوں کہ تو پتھر ہے نہ نفع پہنچا سکتا ہے اور نہ نقصان۔

اور "رمل" کے بارے میں فرمایا:

مالنا وللرمل انما کنا رأینا به المشرکین وقد اھلکھم اللہ۔ ؎	رمل سے ہمارا کیا تعلق ہے اس کے ذریعہ ہم نے مشرکین کو مرعوب کیا تھا اب ان کو اللہ نے ہلاک کر دیا۔

لیکن چونکہ ان کا تعلق روایت و یادگار سے تھا اور خود رسول اللہ کا عمل موجود تھا اس بنا پر خود ترک کیا اور نہ ترک کرنے کا حکم دیا۔

تقدیر پر غلط اعتقاد سے روکا

(۵۷) حضرت عمرؓ نے تقدیر کی اصل حقیقت واضح کی اور اس پر غلط اعتقاد سے روکا، چنانچہ ایک مرتبہ ملک شام جا رہے تھے راستہ میں معلوم ہوا کہ وہاں طاعون کی وبا شدت سے پھیلی ہوئی ہے، واپسی کا ارادہ کیا جس پر حضرت ابوعبیدہؓ نے اعتراض کیا:

؎ بخاری و مسلم و مشکوٰۃ باب دخول مکۃ والطواف، ؎ بخاری باب الرمل،

افرارًا من قدر اللہ۔ | کیا آپ تقدیر الٰہی سے بھاگ رہے ہیں؟

جواب میں فرمایا:

نحن نفر من قدر اللہ الی قدر اللہ [1] | ہاں ہم اللہ کی تقدیر سے اللہ کی تقدیر کی طرف بھاگ رہے ہیں۔

"تقدیر" اللہ کے علم و اندازہ کا نام ہے۔ وہ کوئی آہنی زرہ نہیں ہے جو لوگوں کو پہنا دی گئی ہو کہ لوگ بھیجے جائیں اور وہ قبضہ کرتی جائے۔ جس طرح وہاں جانا تقدیر سے ہے۔ اسی طرح نہ جانا تقدیر سے ہے۔ چنانچہ آگے فرمایا:

ارایت لو کان ابل فھبطت وادیا لہ عدوتان احدھما خصبۃ والاخرٰی جلدیۃ الیس ان رعیت الخصبۃ رعیتھا بقدر اللہ و ان رعیت الجدبۃ رعیتھا بقدر اللہ [2] | اگر تمہارے اونٹ ہوں اور کسی وادی میں اترو جس کے ایک طرف سرسبزی ہو اور دوسری طرف خشکی۔ اگر تم سرسبز حصہ میں چراؤ تو یہ بھی تقدیر سے ہے اور خشک حصہ میں چراؤ تو یہ بھی تقدیر سے ہے۔

حالات کی رعایت سے حکومت کی شان وشوکت کو برقرار رکھا!

(۵۸) حضرت عمرؓ نے حالات کی رعایت سے معاویہؓ کی شان وشوکت اور کروفر کو برقرار رکھا جب اُنہوں نے کہا کہ "ہمارے یہاں جاسوس بہت ہیں اس کے بغیر ہم دشمن کو مرعوب نہیں کر سکتے ہیں۔" [1]

حالانکہ اس وقت تک اسلام میں اس قسم کی ظاہرداریوں کو سخت ناپسند کیا جاتا تھا۔ چنانچہ خود حضرت عمرؓ نے شام میں معاویہؓ کو دیکھ کر فرمایا تھا کہ "یہ عرب کا کسریٰ ہے" [2]

نصرانی کو پرائیویٹ سیکریٹری مقرر کرنے پر ناگواری ظاہر کی

(۵۹) حضرت عمرؓ نے حالات کی رعایت سے ابوموسیٰ اشعری کو نصرانی کاتب مقرر کرنے پر سخت ناگواری ظاہر کی حالانکہ اس سے پہلے حکومت میں دوسرے مذاہب

---

[1] مسلم باب الطاعون، [2] تاریخ عمر لابن الجوزی الباب الثالث والثلاثون ص۱۵۰، [3]، [4]

والوں کی شرکت گذر چکی ہے۔ صورت یہ ہوئی کہ ابو موسیٰ اشعریؓ گورنر نے ایک نصرانی کو اپنا کاتب بنا لیا (اس وقت یہ عہدہ نہایت ذمہ داری اور حکومت کی پالیسی سے متعلق تھا) جب عمرؓ کو اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے الگ کر دینے کا حکم دیا، جواب میں ابو موسیٰ نے اس کی کارگذاریاں لکھ بھیجیں، پھر بھی عمرؓ نے اجازت نہ دی اور کہا کہ جس کو اللہ نے خائن بنایا ہے ہمیں اس کو امین نہ بنانا چاہیئے؟ ابو موسیٰؓ نے پھر لکھا کہ اس کے بغیر شہری انتظام درست نہیں ہو سکتا جواب میں عمرؓ نے لکھا:

مات النصرانی — اگر نصرانی مرگیا تو

اسی طرح ایک مرتبہ حضرت عمرؓ سے کہا گیا کہ مقام "انبار" کا ایک نصرانی دفتری کام میں نہایت ماہر ہے اگر آپ اس کو اپنا کاتب بنالیں تو بہت بہتر ہے، جواب دیا کہ:

لقد اتخذت اذاً بطانۃ من دون المومنین۔[1] — میں اس وقت غیر مومن کو دوست بنانے والا ہوں گا۔

اجتماعی طعام کی ایک تجویز کا خیال ظاہر کیا!!

(۶۰) حضرت عمرؓ نے قحط کے زمانہ میں جب کہ لوگوں کے حقوق پامال ہو رہے تھے اجتماعی طعام کی ایک تجویز کا خیال ظاہر کیا، چنانچہ فرمایا:

فواللہ لو ان اللہ ما یفرجھا ما ترکت باھل بیت من المسلمین لھم سعۃ الا ادخلت معھم اعدادھم من الفقراء، فلم یکن اثنان یھلکان علی ما یقیم واحد۔[2]

خدا کی قسم اگر اللہ اس صورت حال سے نجات نہ دے گا تو میں ہر مسلمان کے گھر میں جس میں کچھ وسعت ہے اس کے افراد کے برابر غریب مفلسوں کو داخل کر دوں گا کیونکہ نصف پیٹ کھانے سے کوئی ہلاک نہ ہوگا

یہ کوئی ترغیب کا معاملہ نہ تھا بلکہ قانون وفرض کی شکل تھی جیسا کہ "فواللہ" اور "ادخلت"

[1] ازالۃ الخفا مقصد دوم فی تثقیف الفاروق رعیتہ، [2] ازالۃ الخفا مقصد دوم کلمات فاروق اعظمؓ [3] تاریخ عمرؓ لابن الجوزی الباب الثالث والثلثون ص۔ وازالۃ الخفا کلمات فاروق اعظمؓ

سے ظاہر ہے، اسی طرح وسعت "تونگری کی حد تک نہ تھی بلکہ صرف شکم سیری تھی ورنہ ایک کی قوت حیات سے دو کے ہلاک نہ ہونے کی بات بے معنی ہو جاتی ہے۔

(۶۱) حضرت عمرؓ نے توسیعی پروگرام کے تحت معیار زندگی پر پابندی لگائی اور روزانہ گوشت کھانے سے روک دیا چنانچہ ذبح خانے خود تشریف لے جاتے اور جس کو دو دن گوشت خریدتے دیکھتے درّے سے سزا دیتے۔

فاذا رای رجلا اشتری لحما یومین متتابعین ضربه بالدرة۔[1]	جب کسی شخص کو دیکھتے کہ وہ دو دن مسلسل گوشت خرید رہا ہے تو اس کو درے سے مارتے۔

اور یہ فرماتے تھے:

الا طویت بطنك لجارك و ابن عمك۔[2]	تو نے اپنے پڑوسی اور چچیرے بھائی کے لیے کیوں کفایت نہیں کی۔

یہ قحط کے زمانہ کی بات نہ تھی کیونکہ اس وقت تو نان جویں سے بھی شکم سیر ہونے کی حیثیت نہ تھی، بلکہ حضرت عمرؓ معیار زندگی پر پابندی لگا کر اور لوگوں کو معاشی لحاظ سے خود کفیل بنا کر زندگی کے دوسرے سامان سے آراستہ کرنا چاہتے تھے۔ صرف زندہ رہنا اپنے اندر کوئی جاذبیت نہیں رکھتا جب تک دور کے لحاظ سے جلب منفعت و دفع مضرت کا انتظام نہ ہو جیسا کہ اس وقت دور کے لحاظ سے یہ سب انتظام ہوا تھا اور قرآن حکیم میں ہے۔

واعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخیل۔[3]	جہاں تک ہو سکے قوت و طاقت کے سامان اور گھوڑے رکھ کر تیار رہو۔

آیت میں "من قوۃ" کو عام اس لیے رکھا گیا ہے کہ ہر دور میں قوۃ و طاقت کے سامان بدلتے رہتے ہیں۔ اور جلب منفعت و دفع مضرت کی نئی نئی راہیں پیدا ہوتی رہتی ہیں اگر سامان کی فراہمی اور راہوں کے تعین میں تبدیلی کا لحاظ نہ کیا گیا اور قدیم تنظیم سے وابستگی بدستور قائم رہی تو آیت کی خلاف ورزی ہوگی اور قیام و بقا کی ضمانت منبط ہو جائے گی۔

[1] تاریخ عمرؓ لابن الجوزی الباب الثالث والثلثون ص۔ [2] ایضاً، [3] الانفال رکوع ۷،

دین و دنیا کی تقسیم مذہب کے غلط تصور کا نتیجہ ہے

مسلمانوں میں دین و مذہب کا جب تک صحیح تصور قائم رہا وہ برابر مذہبی فریضہ سمجھ کر تنظیمی تبدیلیوں کا ساتھ دیتے رہے اور جب ان میں یہ تصور باقی نہ رہا تو دین و دنیا کی تقسیم ہو گئی۔

ہر قدیم شے دین بن گئی اور ہر جدید شے دنیا کے نام سے موسوم ہو گئی۔ منطق و قدیم فلسفہ دین رہتے اور سائنس و جدید فلسفہ "دنیا" ہے۔ تیر اندازی و نبوٹ دین ہے اور این۔ سی۔ سی و فوجی تربیت دنیا ہے۔ انفرادی ملکیت کا تصور دین ہے اور اجتماعی تنظیم کا تخیل دنیا ہے۔ مکتب و مدرسہ کی ملازمت دین ہے اور کالج و یونیورسٹی کی ملازمت دنیا ہے۔ عبادت و اخلاق کی تبلیغ و دین ہے اور ریسرچ و تحقیق کی تلقین دنیا ہے۔ حکومت الٰہیہ کی دعوت دین ہے اور حالات و زمانہ کی رعایت دنیا ہے۔ غرض جس پر قدامت کی چھاپ ہو وہ سب دین ہے اور جس کو جدت کی ہوا لگی ہو وہ سب دنیا ہے۔

نہایت دکھ کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ مذہب کا یہ تصور مسلمانوں کو زندہ رہنے کے قابل کبھی نہیں بنا سکتا۔ لامحالہ اس تصور کی وجہ سے مذہب کو مسجد و مدرسہ کی چہار دیواری میں محدود رہنا پڑے گا۔ اور صرف سکون حاصل کرنے کے لیے مذہب کے "آستانہ" پر حاضری ہوتی رہے گی۔

سائنس و ٹیکنالوجی کے دور سے کوئی صرف نظر نہیں کر سکتا!!

یہ سائنس و ٹیکنالوجی" کا دور ہے، دنیا کی کوئی قوم اس سے صرف نظر نہیں کر سکتی، اور جو اخلاقی تنظیم کے ساتھ اس کی صلاحیت پیدا کرے گی وہی موجودہ دنیا کی قیادت و سیادت کی مستحق ہو گی۔

اسلام (اپنی ہدایات و تعلیمات کے نتیجہ میں) قیادت و سیادت ہی کے لیے آیا ہے ورنہ دوسرے بہت سے مذاہب موجود تھے جن سے لوگوں کو سکون حاصل ہو جاتا تھا اگرچہ وہ موت کا سکون تھا زندگی کا نہ تھا۔

مسلمانوں میں سرمایہ داروں کی کمی نہیں ہے دینے والے ہاتھ موجود ہیں۔ کمی صرف درد و احساس اور مذہب کے صحیح تصور کی ہے۔

یہ کیا مذہب ہے۔ کہ عید میلاد کے جلسے جلوس اور مسجد و مدرسہ کی تعمیر کا تعلق تو مذہب سے ہے لیکن مسلم بچوں کی ٹیکنیکل تعلیم اور معاشی خبرگیری کا تعلق مذہب سے نہیں ہے۔

اور یہ کیسا دین ہے؟ کہ نفلی حج و مذہبی جماعتوں کی امداد پر تو ہزاروں روپیہ خرچ کر دیا جاتا ہے لیکن محلہ و شہر میں بیوائیں آہیں بھرتی اور نوجوان بچیاں سسکیاں لیتی ہیں ان کی طرف کوئی توجہ نہیں ہوتی۔

دو باتوں میں سے ایک کو طے کیے بغیر چارہ نہیں ہے؛

(۱) یا تو یہ طے کیجیے کہ اسلام بھی دوسرے مذاہب کی طرح چند مراسم و عبادات کا نام ہے۔ اس کو زندگی کے حالات و معاملات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

(۲) اور یا یہ کہ اسلام ایک نظام حیات ہے جس میں ہر حال و ہر دور کی رہنمائی موجود ہے۔ اگر پہلی بات ہے تو نہ کسی کو کچھ کہنے کا حق ہے اور نہ یہ رحمۃ للعلمین ؐ کا لایا ہوا دین ہے اور اگر دوسری بات ہے تو حالات و زمانہ کی رعایت سے احکام کے موقع و محل کی تعیین لازمی ہے اور قیام و بقا کے لیے زندگی کی نئی راہوں سے واقفیت ناگزیر ہے۔

جس طرح مسجد و مدرسہ پر خرچ کرنا مذہبی فریضہ ہے اسی طرح بلکہ بعض وقت اس سے زیادہ جدید تعلیم پر خرچ کرنا مذہبی فریضہ ہے۔ اگر قیامت کے دن حج بدل نہ کرانے پر باز پرس ہوگی۔ تو اس سے زیادہ غریبوں کی خبرگیری نہ کرنے اور ان کو سنبھالا نہ دینے پہ باز پرس ہو گی۔

معاملہ چند افراد کا نہیں بلکہ پوری قوم کا ہے۔ ..... کسی ایک ..... حلقہ کو نہیں بلکہ پوری ملت کو ہے، حملہ کسی تحریک کے لیڈر پر نہیں بلکہ رسول اللہ کی ذات اقدس پر ہے کہ جس کے جاہ و جلال کی حفاظت میں مسلمان اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لیے تیار ہے۔

قیامت کے دن کی جواب دہی ہم قیامت کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا جواب دیں گے جب آپؐ ہم سے سوال کریں گے کہ تم میں سرمایہ دار و زردار تھے سنت کے محافظ و مذہب کے قائد تھے جماعت کے امیر و نقاء کے رئیس تھے ان سب کی موجودگی میں میرے نام لینے والے کیڑے

کوڑے کی طرح زندگی گذار رہے تھے تم نے ان کا کیا انتظام کیا تھا؟ ان کے بچے تعلیم سے محروم اور فکر معاش سے مجبور تھے ان کے لیے کتنے تشکیل ادارے قائم کیے تھے اور انہیں برسر کار لگایا تھا؟ ان کی بچیاں شادی کے بغیر دکھ درد کی چلتی پھرتی تصویر تھیں ان کے لیے کفو اور معیار زندگی کے بندھن کس حد تک توڑے تھے اور جہیز اور رسم و رواج کی لعنت کو کس قدر ختم کیا تھا؟

غرض جس طرح مروجہ دینی علوم و فنون اور اخلاق و عبادات سے غفلت مسلمانوں کے ملی وجود کو ختم کردے گی اسی طرح مروجہ دنیاوی علوم و فنون اور تنظیمی تبدیلیوں سے روگردانی مسلمانوں کو "عجوبہ" بنا کر رکھ دے گی جو "کشتہ بار دزبیر دھوا" کے مصداق ہوگا اور یہ وقت آسمانی مائدہ کے انتظار میں رہے گا۔

اب وقت آگیا ہے کہ یہ ساری کوششیں دین و مذہب کے نام سے کی جائیں اور مذہبی نمائندے مذکورہ کاموں میں مسجد و مدرسہ کی تعمیر کی طرح پیش پیش رہیں۔

اب تک اس سلسلہ میں جتنی کوششیں ہوئیں وہ دنیا کے نام سے کی گئیں یا سمجھ لی گئیں ہیں جس کا حشر نظروں کے سامنے ہے کہ مسجد و مدرسہ کے باہر کوئی مذہب کی آواز سننے کے لیے تیار نہیں ہے۔

دنیا اپنی تنظیمات میں رجعت قہقری نہ اختیار کرے گی، اور زمانہ ہماری خاطر قدیم شکلوں کو نہ قبول کرے گا۔ اگر زندہ رہنا ہے تو لامحالہ احکام کے موقع و محل کی تعیین کرکے اسلام کی روح اور تعلیمات کو جدید تنظیمات میں بھرنا ہوگا۔

نئی تنظیمات کے پیدا شدہ مسائل حل کیے بغیر چارہ نہیں ہے

مسلم معاشرہ کی خبرگیری اور نئی تنظیمات کو قبول کرنے میں بہت سے نئے مسائل پیدا ہوں گے جن کی طرف خود حضرت عمرؓ نے اشارہ فرمایا ہے۔

ان اللہ عزوجل یحدث للناس اقضیتہم بحسب زمانہم

بے شک اور بزرگ و برتر حالات و زمانہ کی روایت سے لوگوں کے لیے نئے

واحوالہھم۔ [1] — نئے مسائل پیدا کرتا ہے۔

ان مسائل کو عطاءؒ مجاہدؒ اور امام مالکؒ وغیرہ نے یہ کہہ کر نہیں حل کیا ہے:۔

فعلماء ذٰلک الزمان — اس زمانہ کے علماء ان کے بارے میں فتویٰ
یفتونھم۔ [2] — دیں گے۔

قرآن وسنت کی روشنی میں ان کو حل کرنا ویسا ہی مذہبی فریضہ ہے جیسے اقامت دین کی جدوجہد اور اصولوں کی دعوت مذہبی فریضہ ہے۔

ان مسائل کو حل کرنے میں لازمی طور سے غور و فکر کو دخل دینا پڑے گا جس طرح فقہائے کرام نے اپنے زمانہ کے مسائل حل کرنے میں دخل دیا تھا۔ اور اسی طرح طنز و تشنیع کو گوارا کرنا پڑے گا جس طرح فقہائے کرام نے کیا تھا۔ یہ سب مذہب کے نام سے ہوگا۔ مذہب کے لیے ہوگا، مذہبی لوگوں کی طرف سے ہوگا اور مذہب ہی کی خاطر برداشت کرنا پڑے گا۔

معترضین کو امام ابوحنیفہؒ کا جواب

امام ابوحنیفہؒ نے قیاس پر اعتراض کرنے والے حضرت جعفر صادقؒ اور مقاتل بن حیان وغیرہ جیسے جلیل القدر حضرات کو جو جواب دیا تھا۔ اس میں بڑی عبرت و بصیرت ہے۔ ان لوگوں نے اعتراض کرتے ہوئے کہا۔

قد بلغنا انک تکثیر القیاس فی دین اللہ تعالیٰ واول من قاس ابلیس فلا تقس۔ [3] — ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ آپ اللہ کے دین میں بہت قیاس کرنے لگے ہیں حالانکہ سب سے پہلے ابلیس نے قیاس کیا تھا آپ ایسا نہ کیجئے۔

امام ابوحنیفہؒ نے جواب دیا:

---

[1] و [2] کتاب المیزان ج فصل لا یذم عن تقلید کال،

[3] کتاب المیزان عبدالوہاب شعرانی ج فصل فان قلت فمن یقول الخ ص ۱۱

ما اقوله لیس بقیاس وانما ذلك	جو کچھ میں کہتا ہوں حقیقۃً وہ قیاس نہیں
من القران قال الله تعالیٰ	ہے وہ تو قرآن کی بات ہے اللہ تعالےٰ
ما فرطنا فی الکتٰب من شیٔ	نے فرمایا ہے کہ ہم نے کتاب میں کوئی چیز
فلیس ما قلناه بقیاس فی نفس	نہیں چھوڑی ہے۔ میری کہی ہوئی باتیں ان
الامر وانما هو قیاس عند من لم	لوگوں کے نزدیک قیاس ہیں جن کو اللہ نے
یعطه الله الفهم فی القران .[1]	قرآن میں فہم نہیں دیا ہے۔

اصل مغالطہ "رائے" کو دین میں دخیل بنانے اور علماء کے اختیارات میں ہوتا ہے حالانکہ ہر رائے "بری" نہیں ہے بلکہ بری وہ ہے جو کسی اصل سے مشابہ نہ ہو۔

ان الرای المذموم هو کل ما	رائے مذموم وہ ہے جو کسی اصل کے
لا یکون مشبها باصل .[2]	مشابہ نہ ہو۔

"رائے" کو دخیل بنانے کی جس قدر مذمت وارد ہوئی ہے سب کا تعلق اسی سے ہے۔

وعلی هٰذا یحمل کل ما جاء فی	اور اسی پر ان سب کو محمول کیا جائے گا جو
ذم الرای .[3]	رائے کی مذمت میں وارد ہوئی ہیں۔

علماء کو "امناء الشارع" کہا گیا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امین ہیں۔ اور بطور وراثت ان کو اجتہاد کے ذریعہ وضع احکام کا حق پہنچتا ہے۔

قال المحققون ان للعلماء وضع	محققین نے کہا ہے کہ علماء کو اجتہاد کے
الاحکام حیث شاء وبالاجتهاد	ذریعہ احکام وضع کرنے کا حق ہے یہ بطور
بحکم الارث لرسول الله صلی الله	وراثت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
علیه وسلم .[4]	سے ان کو پہنچا ہے۔

ظاہر ہے جو احکام موجود نہیں ہیں ان کے لیے اجتہاد کی ضرورت ہے۔ لیکن جو

---

[1][2] سنن الکبری باب القضاء، [3] کتاب المیزان [4] فصل قال المحققون ص[illegible]،

موجودہ ہیں حالات و زمانہ کی رعایت سے ان کے موقع و محل متعین کرنے کے لیے بھی اجتہاد کی ضرورت ہے۔ اگرچہ یہ اجتہاد پہلے کے مقابلہ میں کمتر درجہ کا ہے، اجتہاد کا حق کس قسم کے علماء کو پہنچتا ہے، اس کے لیے کیسی صلاحیت درکار ہے اور کن مسائل میں اجتہاد ناگزیر ہے۔ ان سب پر بحث راقم کی کتاب "مسئلہ اجتہاد پر تحقیقی نظر" میں ملے گی۔

حقوق کی پائمال کے خیال سے زیادہ عبادت کرنے سے منع کیا!

(۶۲) حضرت عمرؓ نے بیوی کے حقوق کی پائمال کی وجہ سے زیادہ عبادت کرنے سے منع کر دیا جس کی صورت یہ ہوئی۔

کہ کعبؓ بن سعد حضرت عمرؓ کے پاس تشریف فرما تھے کہ ایک عورت نے آکر کہا:

ما رایت قط رجلا افضل من زوجی انه لیبیت لیله ویظل نهاره صائما فی الیوم الحار ما یفطر۔	میں نے کوئی مرد اپنے شوہر سے زیادہ افضل کبھی نہیں دیکھا وہ قائم اللیل اور صائم النہار ہے گرمی کے دنوں میں کبھی افطار نہیں کرتا ہے۔

شوہر کی تعریف بیوی کی زبان سے سن کر حضرت عمرؓ خوش ہوئے اور کہا:

مثلك اثنی بالخیر۔	تیری ہی جیسی عورت سے یہ توقع ہو سکتی ہے

وہ غریب" حیا کی وجہ سے زیادہ نہ کہہ سکی اور اٹھ کر جانے لگی۔ کعبؓ بن سعد نے امیر المومنینؓ سے کہا کہ یہ عورت آپ سے مدد کے لیے آئی تھی، آپ نے اس کی کوئی مدد نہ کی۔ اس پر امیر المومنین نے اس کو بلا کر صورت حال کی وضاحت چاہی اور کہا کعب کا خیال ہے کہ تو اپنے شوہر کی شکایت کر رہی ہے "۔

اس نے جواب دیا:

اجل انی امراة شابة وانی ابتغی ما یبتغی النساء۔	جی ہاں! میں ایک جوان عورت ہوں اور وہی چاہتی ہوں جو دوسری عورتیں چاہتی ہیں

حضرت عمرؓ نے اس کے شوہر کو بلا کر یہ مقدمہ کعبؓ کے حوالہ کر دیا اور انہوں نے یہ فیصلہ دیا۔

فانی اریٰ لھا یومًا من اربعۃ ایام	اس عورت کے لیے ہر چوتھا دن مخصوص
کان لزوجھا اربع نسوۃ فاذالم	ہوگا۔ گویا چار عورتیں ہیں اور چوتھے دن اس
یکن غیرھا فانی اقضی لہ بثلثۃ	کی باری آتی ہے اب جبکہ چار نہیں ہیں
ایام ولیالیھا یتعبد فیھن ولھا یوم	تو تین دن رات اس کی عبادت کے لیے
ولیلۃ۔ لہ	ہیں اور ایک دن رات عورت کے لیے ہے

کعبؓ نے اس فیصلہ میں قرآن حکیم کی اس آیت سے استدلال کیا تھا جس میں چار تک سے شادی کرنے کی اجازت ہے۔ حضرت عمرؓ اس فیصلہ سے بہت خوش ہوئے اور کعبؓ کو بصرہ کا قاضی مقرر کردیا۔

یہ گویا عہدہ قضاء کے لیے "انٹرویو" کے ایک شکل تھی جس میں صرف ڈگری کافی تھی۔ اور نہ کسی ایران و روم جیسے متمدن ملک سے قانون کی سند درکار تھی بلکہ اصل نظر کردار پہ تھی اور علم کی رسائی کا اندازہ عملی شکلوں سے ہوتا تھا۔

مقصد کے لیے لحاظ سے غالباً سب سے زیادہ محروم و مظلوم "علم" ہے اصل علم برائے زندگی ہوتا ہے، لیکن اب برائے شہرت، برائے ملازمت، برائے امتحان اور برائے وقت گذاری رہ گیا ہے۔

علم نہایت غیور و خوددار ہے وہ "ظرف" کو دیکھ کر اپنا مقام بناتا ہے اگر "ظرف" اس قابل نہیں ہے تو اس کے "بحر" کی موجیں کچھ "جھاگ" ڈال دیتی ہیں اور لوگ اپنی اپنی بساط کے مطابق اس سے ڈگریاں حاصل کرتے اور مقصد بدلتے رہتے ہیں۔ اس بنا پہ یہ ڈگریاں معلومات کی سند، ترقی کی سند، عہدہ و ملازمت کی سند اور اعزاز و امتحان کی سند تو بن سکتی ہیں لیکن علم کی سند نہیں ہو سکتیں۔

چنگی کا محکمہ قائم کیا

(۶۳) حضرت عمرؓ نے توسیعی پروگرام کے تحت "عشور" (چنگی) کا نظم قائم کیا۔ زیاد بن جدید اسدی پہلے شخص ہیں جن کو عراق و شام پر مامور کیا گیا۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں:

ان اول من بعث عمر بن الخطاب	میں پہلا شخص ہوں جس کو عمرؓ نے اس

علی العشور ھٰھُنا اناسٌ[1]

جگہ عشور پر مقرر کیا۔

چونکہ مسلمان غیر ملکوں میں تجارت کے لیے جاتے تو ان سے دس فی صدی تجارتی ٹیکس لیا جاتا تھا۔ اس بناء پر عمرؓ نے بھی یہ تجارتی ٹیکس مقرر کر دیا۔ لیکن مقدار میں حسبِ حال تفاوت کو ملحوظ رکھا۔ مثلاً حربیوں سے دس فی صد، ذمیوں سے پانچ فی صد اور مسلمانوں سے ڈھائی فی صد وصول کیا۔ نیز کسی قسم کی ظلم و زیادتی اور اسباب کی تلاشی سے سختی سے ساتھ منع کیا چنانچہ زیادؓ بن حدیر کو یہ حکم بھی تھا۔

ان لا افتش احدًا وما مرعلی من شیٔ اخذت من حسابہٖ[2]

میں کسی کی تلاشی نہ لوں جو کچھ میرے سامنے سے گزرے اس میں سے حساب کے مطابق لے لوں۔

دریا کی پیداوار پر ٹیکس لگایا

(۶۴) حضرت عمرؓ نے دریا کی پیداوار عنبر وغیرہ پر ٹیکس لگایا اور یعلیٰؓ ابن امیہ کو محصل مقرر کیا۔

استعمل یعلی بن امیہ علی البحر[3]

یعلیٰ ابن امیہ کو دریا پر عامل مقرر کیا۔

اور فرمایا:-

فیھا وفیما اخرج اللہ من البحر الخمس[4]

عنبر اور جو اللہ نے دریا سے نکالا ہے سب میں خمس ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کہتے ہیں:-

حالات و زمانہ کی رعایت سے دریائی پیداوار کے ٹیکس کی مقدار میں وسعت ہے۔[4]

تشبیب ہجویہ اشعار اور مخلوط اجتماعات سے روکا

(۶۵) حضرت عمرؓ نے ہجویہ اشعار سے منع کیا اور بطور سزا حطیئہ شاعر کو زبرقان کی ہجو پر تہ خانہ میں ڈال دیا[5]

(۶۶) حضرت عمرؓ نے عورتوں اور مردوں کے اجتماع

---

[1] ازالۃ الخفاء مقصد دوم سیاست فاروق اعظم ص۲ ، [3] ایضاً ص۶۹ ، [4] ایضاً ، [5] ایضاً ص۷۳ ،

پہ پابندی لگائی اور اجتماع کی وجہ سے سزا دی چنانچہ :

ضرب عمر بن الخطاب رجالاً ونساءً ازدحموا علی الحوض۔[1]	حضرت عمرؓ نے ان مردوں اور عورتوں کو مارا جو حوض پر جمع ہو گئے تھے۔

(۶۷) حضرت عمرؓ نے عشقیہ اشعار اور تشبیب (ابتدا میں عورتوں کے ذکر) سے روک دیا، اور اس پر کوڑوں کی سزا مقرر کی چنانچہ شعراء کو یہ حکم دیا۔

ان لا یتشبب احد بامرأة الا جلدتہ۔[2]	کوئی شاعر کسی عورت کے ساتھ تشبیب نہ کرے ورنہ میں کوڑوں کی سزا دوں گا۔

گداگری پہ پابندی لگائی

(۶۸) حضرت عمرؓ نے گداگری پر پابندی لگائی چنانچہ ایک سائل آپ کے سامنے سے گذرا جس کی جھولی غلہ سے بھری ہوئی تھی آپ نے اس کو اونٹوں کے آگے بکھیر دیا اور فرمایا :

الآن سل ما بدا لک۔[3]	اب سوال کر جو تجھے میسر آ جائے۔

عول کا مسئلہ ایجاد کیا

(۶۹) حضرت عمرؓ نے فرائض میں عول کا مسئلہ ایجاد کیا :

اول من حکم بالعول عمر۔[4]	عمرؓ پہلے شخص ہیں جنہوں نے عول کا حکم دیا۔

ایک ایسی صورت پیش آئی جس میں حصوں کا مخرج ناکافی ہوا۔ حضرت عمرؓ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا تو حضرت عباسؓ نے عول کی رائے دی۔

حکومت کے افراد اور رعایا کے ساتھ ترجیحی سلوک روا نہیں رکھا !!!

(۷۰) حضرت عمرؓ نے حکومت کے ذمہ رعایا کی کفالت کو لازم جانا اور کسی قسم کا ترجیحی سلوک روا نہ رکھا چنانچہ ایک موقع پر فرمایا :

---

[1] ازالۃ الخفاء مقصد دوم سیاست فاروقِ اعظم ص۷۳۔ [2] اسد الغابہ تذکرہ حمید بن ثور،
[3] تاریخ عمر لابن الجوزی الباب الثامن والثلثون ص۹۸ [4] شریفیہ باب العول ص۶۵

انما مثلنا کمثل قوم سافروا فدفعوا نفقاتھم الی رجل منھم فقالوا لہ انفق علینا فھل لہ ان یستاثر علیھم بشیء قال لا۔[1]

ہماری مثال اور قوم کی مثال ایسی ہے جیسے لوگوں نے سفر کیا اور اپنے "نفقات" اپنے میں سے کسی آدمی کے حوالہ کر دیے اور کہا کہ ہمارے اوپر خرچ کرو کیا ایسی صورت میں ان کے ساتھ کسی قسم کا ترجیحی سلوک روا ہو سکتا ہے۔ لوگوں نے جواب دیا نہیں۔

دوسرے الفاظ یہ ہیں:

قال عمر ما مثلی و مثل ھؤلاء الا کقوم سافروا فدفعوا نفقاتھم الی رجل منھم فقالوا لہ انفق علینا فھل لہ ان یستاثر منھا بشیء قالوا لا یا امیر المؤمنین۔[2]

عمرؓ نے کہا کہ میری مثال اور لوگوں کی مثال ایسی ہے جیسے قوم نے سفر کیا اور اپنے نفقات اپنے ہی میں سے کسی آدمی کے یہ کہہ کر حوالہ کر دیا کہ ہمارے اوپر خرچ کرتے رہو، کیا ایسی صورت میں کسی کے ساتھ ترجیح درست ہے۔ لوگوں نے کہا نہیں اے امیر المومنین!۔

اسی کا نتیجہ تھا کہ حضرت عمرؓ نے حکومت کے افراد اور پبلک کے ساتھ ترجیحی سلوک جائز نہیں رکھا۔ چنانچہ آپ نے نہایت صفائی کے ساتھ حکومت کی حیثیت واضح کی:

فان اللہ جعلنی خازنا وقاسما۔[3]

مجھ کو اللہ نے خازن اور تقسیم کرنے والا بنایا ہے۔

لوگوں کے افلاس و احتیاج کے اندیشہ سے مفتوحہ اراضی کی تنظیم و تقسیم میں یہ کہہ کر بنیادی تبدیلی کی۔

لولا انی اترک الناس ببانا لا شیء

اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ لوگ محتاج رہ جائیں

---

[1] و [2] تاریخ عمر لابن الجوزی الباب التاسع والثلثون ص۱۰۴ [3] تاریخ عمر لابن الجوزی الباب التاسع والثلثون ص۱۰۱

علیھم ما فتحت قریۃ الا قسمتھا	گے تو میں ہر مفتوحہ بستی کو تقسیم کر دیتا جیسا کہ
کما قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر۔[1]	رسول اللہؐ نے خیبر کو تقسیم کیا تھا۔

ہر قسم کے امتیازات ختم کر کے چرواہے کو بھی اسی طرح مستحق ٹھہرایا جس طرح دوسرے ہوتے ہیں۔

واللہ لئن بقیت لھم لیاتین الراعی	خدا کی قسم اگر میں زندہ رہا تو ایسی حالت
بجبل صنعاء حظہ من ھذا المال۔	کروں گا کہ ایک چرواہا صفا پہاڑ پر بکریاں
وھو یرعی مکانہ۔[2]	چرا رہا ہوگا اور اس کا حصہ اس مال میں ہوگا

عورت اس وقت کے معاشرہ میں کس قدر پست تھی، پھر کاشتکار کی بیوہ عورت اس کے لیے حضرت عمرؓ نے فرمایا:

لئن بقیت لادامل اھل العراق	اگر میں زندہ رہا تو عراق کی بیواؤں کو ایسا
لادعھن لا یحتجن الی احد	بنا دوں گا کہ وہ میرے بعد کسی کی محتاج نہ
بعدی۔[3]	رہیں گی۔

حضرت عمرؓ کا عام اعلان یہ تھا:

لیس لاحد الا لہ فی ھذا المال	کوئی ایسا نہیں ہے جس کا اس مال میں
حق۔[4]	حق نہ ہو۔

ایک اور موقع پر فرمایا:

انا واللہ ما وجدنا لھذا	خدا کی قسم ہم کو اس مال میں کوئی راستہ
المال سبیلا الا ان یوخذ	نہیں نظر آرہا ہے سوائے اس کے کہ
من حق فیوضع فی حق ولا	حق کی بنیاد پر لیا جائے اور حقدار کو دیا جائے
یمنع من حق۔[5]	اور کسی کا حق نہ روکا جائے۔

---

[1] ایضاً الباب السابع والثلثون ص۹۳، [2] ایضاً الباب التاسع والثلثون ص۱۰۱، [3] الخراج ص۲۳، وتاریخ عمر لابن الجوزی الباب الحادی والاربعون ص۱۰۶، [4] کتاب الاموال ص۲۳۳۔

جس طرح حکومت رعایا کی ذمہ دار تھی اسی طرح رعایا کو ایک دوسرے کی کفالت کا حکم تھا۔ چنانچہ:۔

ایک پیاسے شخص کو کسی نے پانی نہیں دیا اور وہ پیاس کی وجہ سے مرگیا تو حضرت عمرؓ نے خون کی قیمت لازم کی۔

فاغرمهم عمر بن الخطاب دیتہ[1] — حضرت عمرؓ نے ان پر دیت لازم کی۔

اسی طرح مکہ میں ایک دعوت کے موقع پر خدام کھانے میں شریک نہ ہوئے تو آپ نے پوچھا:

مالی اری خدامکم لا یاکلون معکم اترغبون عنهم۔ — کیا بات ہے کہ ہم خدام کو کھانے میں شریک نہیں دیکھ رہے ہیں کیا تم لوگ ان سے اعراض کرتے ہو۔

☆

صاحب خانہ نے جواب دیا:

ولکنا نستاثر علیهم — ہم اپنے کو ان پر ترجیح دیتے ہیں۔

اس پر حضرت عمرؓ سخت ناراض ہوئے اور فرمایا:

مالقوم یستاثرون علی خدامهم۔ — اس قوم کا کیا حال ہوگا جس نے اپنے کو خدام پر ترجیح دی۔

پھر خادموں کو کھانے کا حکم دیا اور خود نہیں کھایا۔

ثم قال للخدام اجلسوا فکلوا فقعد الخدام یاکلون ولم یاکل امیر المومنین۔[2] — پھر خادموں سے کہا کہ بیٹھو اور کھاؤ خادم کھانے لگے اور امیر المومنین نے نہیں کھایا

ان واقعات میں کس قدر عبرت و بصیرت ہے ہم لوگ اسلامی نظام حیات اور اسلامی حکومت کے داعی ہیں لیکن معاشرتی امتیازات اور احتیاج کو دور کرنے کے لیے عملاً کوئی جدید نہیں کر رہے ہیں۔ جب تک خود کی زندگی سے یہ امتیازات ختم نہ ہوں دوسروں

---

[1] ایضاً الباب الثامن والثلثون ص ۹۹ واخراج لیبیجی ص ۱۱۱

[2] تاریخ عمر لابن الجوزی الباب الثامن الثلثون ص ۳ ایضاً الباب التاسع والثلثون ص ۱۰۳

کو نصیحت کرنے اور وعظ کہہ دینے سے کام نہیں چلتا۔

حکومتی طبقہ کے لیے متوسط درجہ کی زندگی کا معیار پیش کیا

(۱۷) حضرت عمرؓ نے عام حالات میں حکومتی طبقہ کے لیے متوسط درجہ کی زندگی کا معیار پیش کیا:

توتی وقوت اھلی کقوت رجل	میری اور میرے اہل کی روزی اس قدر ہے
من قریش لیس باغناھم ولا	جتنی کہ قریش کے متوسط درجہ شخص کی ہوتی
بافقرھم۔ ؎	ہے جو نہ زیادہ مالدار ہو اور نہ زیادہ مفلس ہو

اور خاص حالات میں جب تک دوسروں کے لیے ضروریات زندگی کی فراہمی نہ ہو جائے اس معیار کو بھی گوارا نہیں کیا۔ چنانچہ قحط کے زمانہ میں گھی اور دودھ وغیرہ کا استعمال ترک کر دیا اور وہی غذا استعمال کرنے لگے جو عام لوگوں کو ملتی تھی، عیاض رضؓ بن خلیفہ کہتے ہیں۔

رأیت عمر عام الرمادۃ وھو اسود	میں نے عمرؓ کو قحط کے سال سیاہ رنگ
اللون ولقد کان ابیضا کان	کا دیکھا حالانکہ اس کا رنگ سفید تھا وہ عربی
رجلاً عربیا یاکل	النسل گھی اور دودھ کھانے والے مرد تھے
السمن واللبن فلما	لیکن جب لوگ قحط سے دوچار ہوئے تو
امحل الناس حرمھما	ان دونوں کو حرام کر لیا، اور زیتون کا تیل کھانے
فاکل الزیت حتی غیر	لگے۔ یہاں تک کہ ان کا رنگ متغیر ہو گیا اور
لونه وجاء فاکثر۔ ؎	بہت بھوکے رہنے لگے۔

یزید رضؓ بن اسلم اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں:

کما نقول لو لم یرفع اللّٰہ	ہم لوگ کہا کرتے تھے کہ اگر قحط سال دور
عام الرمادۃ لظننا ان عمر	نہ ہوئی تو قوی اندیشہ ہے کہ مسلمانوں کے
یموت ھمًّا بامر المسلمین ؎	غم میں عمرؓ مر جائیں گے۔

؎ ایضاً الباب التاسع والثلثون ۔۔۔

دراصل اللہ سے تعلق اور اس کے سامنے جواب دہی کا تصور گوشۂ تنہائی میں بھی خلیفۃ المسلمین رضؓ کو چوٹ کے سوکھے ٹکڑے کھانے سے روکے رکھتا تھا کہ قیامت کے دن کہیں اس کے متعلق باز پرس نہ ہو جائے۔ یہی تعلق و تصور اسلامی نظام حیات کی اصل بنیاد ہے کہ جس کے بغیر قانون اور وضع قانون میں کوئی جاذبیت پیدا ہوتی ہے اور نہ حالات و زمانہ کی رعایت نتیجہ خیز بنتی ہے۔

بد قسمتی سے جن ممالک میں تبدیلیاں کی جا رہی ہیں ان میں یہ تصور و تعلق مغلوب ہے جس کی وجہ سے اسلامی کا ذکر زیادہ تقویت نہیں حاصل ہو رہی بلکہ بسا اوقات الٹا نقصان پہنچ رہا ہے۔ اور جن ممالک میں جمود و قنوط طاری ہے اور تبدیلیوں کی طرف کوئی توجہ نہیں ہے وہ بس اتنے ہی حصہ پر عمل کر رہے ہیں جتنے پر عمل کرنے کے لیے حالات و زمانہ اجازت دیتے ہیں۔

ہمارے پیش نظر اس تصور و تعلق کے ساتھ حالات و زمانہ کی رعایت ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو بعض مسلم ممالک کی تبدیلیوں کو ہم کافی سمجھتے اور ستائے انداز سے اس کی طرف دعوت دینے کی ضرورت نہ سمجھتے۔

دعوت سے مقصود حفاظت دین و اقامت دین ہے اور مطلوب شرعی احکام ہیں۔ اگر جواب دہی کا تصور اور تعلق باللہ کا جذبہ سرد پڑ گیا تو یہ مقصود و مطلوب دونوں فوت ہو جائیں گے۔ خوب سمجھ لینا چاہیئے۔ دو صورتیں ہیں (۱) احکام شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت اور (۲) حالات و زمانہ کی رعایت میں شرعی احکام پہلی صورت میں فطرت کی جہاں بینی ہے اور دوسری میں کسی "جمشید" کا ساغر بنتا ہے۔

پہلی میں اصل شرعی احکام ہیں اور دوسری میں اصل حالات و زمانہ کی رعایت ہے

اہل و عیال کے ساتھ خصوصی رعایت گوارا نہیں کی!!

(۷۲) حضرت عمر رضؓ نے اپنے اہل و عیال کے لیے بھی خصوصی رعایت گوارا نہ کی۔ چنانچہ ایک مرتبہ بیوی نے (غالباً قحط کے زمانہ میں) گھی خریدا تو پوچھا یہ کیسے خریدا ہے جواب دیا آپ کی تنخواہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں

ہے میں نے اپنی ذاتی رقم سے خریدا ہے۔ فرمایا:

لیس انا بن ائقه حتی یحیی الناس۔[1] | میں اس کو اس وقت تک نہ چکھوں گا جب تک لوگوں کو زندگی نہ حاصل ہو۔

آپ نے گھی اور چکنائی والی چیزوں کو اس وقت تک نہیں استعمال کیا جب تک دوسرے لوگ نہیں کھاتے لگے۔

احدب الناس علی عھد عمر فما اکل سمنا ولا سمینا حتی اکل الناس۔[2] | عمرؓ کے زمانہ میں قحط پڑا تو انہوں نے گھی اور گھی کی بنی ہوئی چیزیں چھوڑ دیں۔ یہاں تک کہ لوگ کھانے لگے۔

اسی زمانہ میں ایک مرتبہ اپنے بچے کے ہاتھ میں "تربوز" دیکھا تو کہا:

بخ بخ یا بن امیرالمومنین تاکل الفاکھة وامة محمد ھزلی۔ | تم امیرالمومنین کے صاحبزادہ ہو کر پھل کھا رہے ہو اور محمدؐ کی امت لاغر و نحیف ہو رہی ہے۔

بچہ روتا ہوا بھاگا۔ لوگوں نے کہا کہ اس نے پیسہ سے نہیں خریدا ہے بلکہ:

اشتراھا بکف من نوی۔[3] | کھجور کی گٹھلیاں دے کر خریدا ہے۔

اسی طرح مدینہ کی گلی میں ایک چھوٹی بچی کو گرتی دیکھ کر فرمایا:

یا ویحھا یا بؤسھا | ہائے افسوس ہائے فاقہ کی تکلیف

پوچھا اس کو کوئی پہچانتا ہے؟ صاحبزادہ نے جواب دیا آپ اس کو نہیں جانتے ہیں؟ یہ تو آپ کی پوتی ہے۔ میری کون سی پوتی؟ عبداللہ نے کہا یہ میری بیٹی ہے جس کا فلاں نام ہے۔ پھر پوچھا اس کا یہ حال کیوں ہو رہا ہے؟ جواب دیا جب آپ کچھ دیتے ہی نہیں ہیں تو یہ حال کیوں نہ ہو؟ فرمایا میں تو کچھ نہیں دیتا ہوں لیکن تم دوسروں کی طرح محنت و مشقت نہیں کرتے ہو؟ پھر قسم کھا کر فرمایا:

---

[1] و [2] تاریخ عمرؓ لابن الجوزی الباب الثالث والثلثون ص۷۰ [3] ایضاً ص۹۶

انه واللّٰه مالك عندی غیر سهمك فی المسلمین و اوعجز عنك هذا کتاب اللّٰه بینی و بینکم۔

خدا کی قسم میرے پاس تمہارا اتنا ہی حصہ ہے جتنا دوسرے مسلمانوں کا ہے۔ اس میں تمہیں وسعت ہو، یا تنگی ہو میرے اور تمہارے درمیان اللہ کا یہی فیصلہ ہے۔

صاحبزادوں بلکہ معمولی ملازمین کے لڑکوں کو قانونی وغیر قانونی کس قدر آزادی و چھوٹ ملتی ہے؟ لیکن خلیفۃ المسلمین کے گھر کے بچے فاقہ سے چور ہو رہے ہیں اور خلیفہ جواب دیتا ہے کہ "اللہ کا یہی فیصلہ ہے"۔

عملاً معاشرتی امتیازات کو ختم کیا

(۳۷) حضرت عمرؓ نے میل جول و ملاقات میں معاشرتی امتیازات کو ختم کیا اور صورت بے اختیار کی کر رؤساء کو ثانوی حیثیت دی اور جن کو وہ کمتر سمجھتے تھے ان کو درجہ اول پر رکھا۔

حضرت حسنؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کے پاس سہیل بن عمرو، حارث بن ہشام ابوسفیان بن حرب اور قریش کے دوسرے رؤسا حاضر ہوئے۔ صہیبؓ۔ بلالؓ اور دوسرے آزاد شدہ غلام بھی آئے لیکن حضرت حضرت عمرؓ نے ثانی الذکر کو اجازت دی اور اول الذکر کو چھوڑ دیا۔ اس پر ابوسفیانؓ نے کہا:

لم ار کالیوم قط یاذن لهولاء العبید و یترکنا علی بابه لا یلتفت الینا۔

ایسا میں نے کبھی نہیں دیکھا ان غلاموں کو اجازت ملتی ہے اور ہم دروازہ پر کھڑے سوکھتے ہیں ہماری طرف کوئی توجہ نہیں ہوتی

سہیلؓ زیادہ سمجھدار تھے انہوں نے جواب دیا۔

ایها القوم انی واللّٰه لقد اری الذی فی وجوهکم ان کنتم غضابا فاغضبوا علی انفسکم دعی القوم و دعیتم فاسرعوا وابطأتم فکیف بکم

اے لوگو! میں تمہارے چہروں کی ناگواری دیکھ رہا ہوں اگر تم غصہ کرتے ہو تو اپنے اوپر غصہ کرو۔ قوم کو دعوت دی گئی۔ اور تمہیں بھی دی گئی لیکن قوم نے قبول کرنے میں جلدی کی اور تم لوگوں نے دیر کی۔ اس وقت تمہارا

اذا دعوا یوم القیامۃ و ترکتمو۔ لہ — کیا حال ہوگا جب کہ قیامت کے دن قوم بلائی جائے گی اور تم چھوڑ دیے جاؤ گے۔

معاشرتی اونچ نیچ، ذات پات، حسب نسب اور معیار زندگی کے بتوں کو توڑنے کے لیے ایک صورت تو یہ ہے کہ قانون بنا دیا جائے اور وقتاً فوقتاً جمہوریت و مساوات پر عام مجمع کو خطاب کر دیا جایا کرے اس کا جتنا اثر ظاہر ہو رہا ہے وہ دنیا کے سامنے ہے لیکن دوسری صورت یہ ہے کہ قانون کے ساتھ میل جول و ملاقات وغیرہ میں عملاً ان امتیازات کو ختم کیا جائے اور گھریلو و بیرونی زندگی میں ایسی تدابیر اختیار کی جائیں جن کے ذریعہ پست و بالا دونوں محسوس کرنے لگیں کہ اس نظام میں خود ساختہ بلندیوں اور پستیوں کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اس کا جتنا اثر پہلے اور اب ظاہر ہو رہا ہے۔ وہ بھی دنیا کے سامنے ہے۔

معاشرہ میں جب معمولی فساد ہو تو اصلاح کی معمولی تدبیروں سے کام چل جاتا ہے لیکن جب یہ فساد قوم کے زعماء اور ملت کے رہنما تک میں سرایت کر گیا ہو تو اس کی اصلاح کے لیے انقلابی قوانین کی ضرورت ہے اور مساوات و اعتدال پیدا کرنے کے لیے پست کو بلند اور بلند کو پست بنائے بغیر چارہ نہیں ہے۔

دنیوی جاہ و حشمت اور عہدہ و ملازمت کے آگے جھکنا زندگی کا لازمہ بن گیا ہے جو لوگ دنیا دار کے نام سے مشہور ہیں ان کا جھکنا زیادہ تعجب کی بات نہیں ہے۔ لیکن جن کو مذہب کی بدولت اقتدار و اعزاز حاصل ہوا ہے۔ ان کے لیے حد درجہ شرم کی بات ہے کہ میل جول و ملاقات وغیرہ میں امتیازی روش اختیار کریں۔

جن تاویل و توجیہہ کے ذریعہ "امتیاز" کو فروغ دیا جا رہا ہے وہ احکم الحاکمین کی نظروں سے تو کیا پوشیدہ ہوتیں دنیا کی نظروں سے بھی پوشیدہ نہیں ہیں، اور انہیں کے لحاظ سے ہمارا مقام و منصب متعین ہے۔

لہ تاریخ عمرؓ لابن جوزی الباب الثالث والثلاثون صفحہ ۸۰۔

بلاوجہ حج میں تاخیر کرنے والوں کا اسلام غیر معتبر قرار دیا

(۴۷) حضرت عمرؓ نے حج میں بلاوجہ تاخیر کرنے والوں کے اسلام کو غیر معتبر قرار دیا اور غیر مسلموں کی طرح جزیہ مقرر کرنے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ:-

ان عمر بن الخطاب لقد همت ان ابعث الى الانصار فلا يوجد رجل قد بلغ سنا وله سعة لم يحج الاضربت عليه الجزية والله ما اولئك بمسلمين والله ما اولئك بمسلمين[1]

حضرت عمرؓ نے کہا میرا ارادہ ہے۔ کہ کسی کو انصار کے پاس بھیجوں اور ہر اس شخص پر جزیہ مقرر کروں جو سن اور وسعت کے باوجود حج نہ کرتا ہو، خدا کی قسم یہ لوگ مسلمان نہیں ہیں خدا کی قسم یہ لوگ مسلمان نہیں ہیں۔

حج ایک مقدس فریضہ ہے جس کے ذریعہ اسلام (قطع نظر اور فوائد) انسان کی نفسی و ذہنی زندگی میں خاص قسم کی تبدیلی کرنا چاہتا ہے۔ انتہائی مجبوری و ناگزیر حالت میں حج بدل کی اجازت دی گئی ہے۔ اگر تبدیلی کی صورت نہیں بنتی ہے تو کم سے کم فرض ہی ذمہ سے ساقط ہو جائے اور دوسرا شخص اس کے ذریعہ اپنے اندر وہ تبدیلی پیدا کر لے۔ لیکن اب حج بدل فیشن و پیشہ بنتا جا رہا ہے۔ سرمایہ دار محض عیش کی خاطر حج سے گھبراتا ہے اور کثیر رقم اس کام کے لیے علیحدہ کر لیتا ہے پھر جب کوئی معتبر پیشہ ور مل جاتا ہے۔ تو رقم حوالہ کر کے اس کو حج کے لیے بھیج دیتا ہے جس کی ایک مقدار سفر حج خرچ ہوتی ہے۔ اور بقیہ رقم اپنے تصرف میں آجاتی ہے اسی طرح اسلام نے غربا و فقراء کی امداد میں جو "حج" رکھا ہے اس کی جگہ حج نفلی کا رواج ہو رہا ہے جس کا موجودہ افلاس کی حالت میں شرعاً کوئی جواز نہیں ہے مذہبی لوگوں کے ہاتھ سے مذہب کے نام پر مذہب کے کام میں جو زیادتیاں ہو رہی ہیں اگر ان کے سدباب کی کوشش نہ کی گئی تو مذہب اپنی جاذبیت و کشش کھو دے گا

---

[1] "تاریخ عمر" ابن الجوزی الباب الثالث والثلثون صـ ۸۰۔

پھر جو توقعات مذہب سے وابستہ ہیں وہ ختم ہو کر رہ جائیں گی۔

ناجائز بچہ کی پرورش کا بندوبست کیا

(۵ ۷) حضرت عمرؓ نے سرکاری خزانہ سے ناجائز بچہ کی پرورش کا انتظام کیا۔

فدفع الصبی الی امرأۃ وقال لھا قومی بشانہ وخذی منا نفقتہ[1]

بچہ کو ایک عورت کے سپرد کیا اور کہا کہ اس کا انتظام کرو اور خرچ ہم سے لو۔

صورت یہ ہوئی کہ ایک دن حضرت عمرؓ کو راستہ میں پڑی نوجوان لاش کی اطلاع ملی قاتل کا پتہ لگانے کے باوجود نہ چل سکا۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد اسی جگہ بچہ پڑا ہوا ملا۔ بچہ کو ایک عورت کے سپرد کر دیا اور کہا کہ جو عورت اس کو پیار کرے اپنے سینہ سے لگائے فوراً مجھے خبر کرنا جب بچہ کچھ بڑا تو عورت سے ایک لونڈی نے آکر کہا کہ میری مالکہ بچہ کو دیکھنے کے لیے منگا رہی ہے۔ ابھی واپس کر دے گی۔ عورت نے کہا کہ بچہ کو لے جاؤ لیکن میں بھی ساتھ چلوں گی۔ چنانچہ بچہ کو مالکہ کے پاس لے گئی تو اس نے دیکھتے ہی پیار کرنا اور سینہ سے لگانا شروع کر دیا وہ مالکہ رسول اللہ کے صحابی انصاری کی لڑکی تھی۔ حضرت عمرؓ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو فوراً تلوار لے کر اس کے گھر پہنچے اور دروازہ پر بیٹھے ہوئے بوڑھے باپ سے پوچھا:

ما فعلت ابنتک فلانۃ — تمہاری فلاں بیٹی کیسی ہے۔

باپ نے جواب دیا:

یا امیر المومنین جزاھا اللہ خیرا ھی من اعرف الناس بحق اللہ تعالیٰ وحق ابیھا و صلوتھا وقیامھا وحسن

اے امیر المومنین اور اس کو جزائے خیر دے وہ اللہ کے حقوق کو خوب پہچانتی ہے، اپنے باپ کا حق ادا کرتی ہے نماز کی پابندی ہے اور رات کو اس کی نماز

---

[1] تاریخ عمر لابن الجوزی الباب الثالث والثلثون صـ۸۷۔

صلوتها باللیل۔ کا حسن دیکھنے کے قابل ہوتا ہے۔

حضرت عمرؓ نے کہا کہ میں اس سے ملنا چاہتا ہوں، باپ نے جواب دیا آپ ذرا ٹھہریے میں اجازت لے لوں، اجازت کے بعد وہ اندر داخل ہوئے اور سب کو گھر سے باہر کر دیا صرف لڑکی رہ گئی، حضرت عمرؓ نے تلوار سونت کر کہا کہ جو میں پوچھوں اس کا ٹھیک ٹھیک جواب دینا، لڑکی نے کہا:

على رسلك يا امير المومنين فوالله لا صدقن۔ امیر المومنین آپ مطمئن رہیں خدا کی قسم میں سچ ہی کہوں گی۔

پھر بچہ اور اس سے پیار کے متعلق پوچھا تو لڑکی نے جواب دیا:

قصہ یہ ہوا کہ ایک بوڑھی عورت میرے پاس آتی جاتی تھی میں نے اس کو ماں بنالیا اور ماں ہی کی طرح وہ گھر کا کام کاج دیکھتی رہی۔ کچھ دنوں کے بعد اس نے کہا کہ میں باہر جانا چاہتی ہوں، میری ایک نوجوان لڑکی ہے جس کا کوئی نگران نہیں ہے میری واپسی تک آپ اس کو اپنے گھر رکھ لیجیے، میں نے منظوری دے دی اور وہ اپنی لڑکی لے آئی، لیکن دراصل وہ نوجوان لڑکا تھا جو لڑکی کی حالت و صورت بنائے ہوئے تھا، جیسا کہ بعد میں پتہ چلا۔

فعمدت الى ابن لها شاب امرد فهيأته كهيئة الجارية به لا شك انه جارية فكان يرى منى ما ترى الجارية من الجارية۔

وہ بڑھیا اپنے بیٹے کو لے آئی جو نوجوان تھا، اس کی حالت بالکل لڑکی جیسی تھی جس میں خنک کی گنجائش نہ تھی، وہ گھر میں بے پردگی کے ساتھ اسی طرح رہتا تھا جس طرح کوئی لڑکی رہتی ہے۔

ایک دن ایسا ہوا کہ میں سو رہی تھی وہ بغلگیر ہو گیا، میں نیند میں سمجھ نہ سکی اور فوراً میرے اوپر آگیا۔ . . . . اس وقت میں اور کچھ نہ کر سکی تو پاس ہی چھری رکھی تھی میں نے اس کو قتل کر دیا اور اس کی لاش راستہ میں پھنکوا دی، یہ وہی لاش تھی جس کے قاتل کا آپ کو اب تک پتہ نہیں چل سکا ہے اور یہ اس کا بچہ ہے جس سے

میں پیار کر رہی تھی۔ میں نے جس جگہ باپ کی لاش پھنکوائی تھی، اسی جگہ اس کے بچہ کو پھنکوا دیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے پورا قصہ سن کر لڑکی سے فرمایا:

صدقت بارك الله فيك۔	تو نے سچ کہا اللہ تیری حالت میں برکت دے۔

اور باپ سے کہا:

بارك الله في ابنتك فنعم الابنة ابنتك۔	اللہ آپ کی بیٹی میں برکت عطا فرمائے آپ کی بیٹی بہترین بیٹی ہے۔

باپ نے جواب میں کہا:

وصلك الله يا امير المومنين وجزاك الله خيرا عن رعيتك [1]	اے امیر المومنین اللہ سے آپ کو وصل نصیب ہو اور رعایا کے بارے میں آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

اس واقعہ سے جس طرح حضرت عمرؓ نے حسن انتظام و رعیت کی نگرانی کا ثبوت ملتا ہے۔ اسی طرح ان کی خداداد فراست و دور بینی کا ثبوت ملتا ہے۔

جانور پر زیادہ بوجھ لادنے والے کو سزا دی

(۷۶) حضرت عمرؓ کو حقوق کا یہاں تک خیال تھا کہ جانور تک کی حق تلفی کرنے والے اور زیادہ بوجھ لادنے والے کو سزا دیتے تھے، مسیبؓ بن دارم کہتے ہیں:۔

رايت عمر بن الخطاب يضرب جمالا وهو يقول حملت جملك ما لا يطيق۔ [2]	میں نے عمرؓ کو دیکھا کہ وہ اونٹ والے کو مار رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ تو نے اپنے اونٹ پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ لادا ہے۔

---

[1] تاریخ عمر لابن الجوزی الباب الثالث والثلثون ص۔۔۔۷،

[2] تاریخ عمرؓ لابن الجوزی الباب الثامن والثلثون ص۹۸،

لوگوں سے فرمایا کرتے تھے:

الا تتقون اللہ فی دوابکم ھذہ الا علمتم ان لھا علیکم حقا الا قطیتم عنھا فاکلت من نبت الارض۔[1]	اپنی ان سواریوں کے بارے میں تم لوگ اللہ سے کیوں نہیں ڈرتے ہو کیوں نہیں جانتے ہو کہ ان کا تمہارے اوپر حق ہے کیوں ان کو نہیں چھوڑتے ہو کہ زمین کی سرسبزی سے فائدہ اٹھایئں۔

حضرت عمرؓ نے عہدہ و ملازمت میں اپنے گھر والوں کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کی

(۷۷) حضرت عمرؓ نے عہدہ و ملازمت میں اپنے خاندان و گھر والوں کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کی بلکہ دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ احتیاط سے کام لیا۔

کوفہ والوں کی حالت سے حضرت عمرؓ اکثر پریشان رہتے تھے، اگر ان پر کوئی حاکم بنایا جاتا تو اس کو کوئی اہمیت نہ دیتے اور سخت آدمی کو متعین کیا جاتا تو اس کی شکایت کرتے چنانچہ ایک مرتبہ تنگ آکر کہا:

ولوددت انی وجدت رجلا قویا امینا مسلما استعملہ علیہ۔	کاش مجھے کوئی قوی امانت دار اور مسلمان میسر ہو تو میں اس کو کوفہ والوں پر حاکم بناتا۔

ایک شخص نے عرض کیا:

انا واللہ ذلک علی الرجل القوی الامین المسلم واثنی علیہ۔	خدا کی قسم میں آپ کو ایک ایسا ہی آدمی بتاتا ہوں جو قوی، امین مسلمان سب کچھ ہے۔ اور بڑی خوبیوں کا مالک ہے۔

پوچھا وہ کون ہے؟ جواب دیا عبداللہ (آپ کے صاحبزادے ہیں)

یہ سن کر فرمایا:

---

[1] ایضاً الباب الاربعون ص۱۱۳، [2] تاریخ عمرؓ لابن الجوزی الباب الاربعون ص۱۲۱۔

ثَقَلَکَ اللّٰہُ ۔ اللہ تجھے محروم کرے۔

قوت وثقاہت دونوں کا اجتماع بڑی مشکل سے ہوتا ہے

قدرت کا کچھ عجیب وغریب انتظام ہے۔ قوت وثقاہت دونوں کا اجتماع بڑی مشکل سے ہوتا ہے اسی بناپر نظم وانتظام قابل اطمینان نہیں ہو پاتا اور انتخاب میں حالات کی رعایت ناگزیر ہوتی ہے، قدرت کے اس انتظام کو سمجھنے سے حضرت عمرؓ بھی قاصر تھے اور کہا کرتے تھے۔

اشکوا الی اللہ یجلد — خائن کے قوی ہونے اور ثقہ کے کمزور ہونے کی میں اللہ سے شکایت کرتا ہوں

مسلم قوم ایک عرصہ کے بعد آزاد ہورہی ہے اس میں جذب وانجذاب کی وہ کیفیت پیدا ہونے میں کچھ دیر لگے گی جس کے ذریعہ بہ وجوہ مذہبی حیثیت سے اپنے پاؤں پر کھڑی ہوسکے۔ ابھی اس کو کئی مراحل سے گذرنا اور بہت سے "بتوں" کو توڑنا ہے۔ خود مذہب اور مذہبی نمائندوں میں دورزوال کی کافی خصوصیتیں موجود ہیں جن کی وجہ سے مسلم معاشرہ کرب والم میں مبتلا ہے۔

ایسی حالت میں بہت سوچ سمجھ کر کام کی ترتیب ملحوظ رکھنے کی ضرورت ہے۔ بسا اوقات فاسق قیادت اپنی مدافعانہ قوتوں کی بدولت اس قیادت سے زیادہ مفید ثابت ہوتی ہے اگرچہ کمزور ہو۔ اگرچہ اس سے مذہبی امیدیں زیادہ وابستہ ہوں۔

جب ذہنی سطح ہموار اور شعور بیدار ہو تو سربراہ بھی اچھے میسر آجاتے ہیں اور کام میں بھی سہولت ہوتی ہے لیکن جب ذہنی افراتفری ہو اور بیداری میں اضطراب ہو تو خوش آئندہ مستقبل کی توقع نہیں ہوسکتی ہے، حال کی جلد بازی سے کوئی نتیجہ نہیں برآمد ہوسکتا۔ اس بناء پر سربراہ کے انتخاب میں بھی معاشرہ وحالت کی رعایت کیے بغیر چارہ نہیں ہے۔

لہ ایضاً ص ۱۲۳ ، ج ۲

مذہبی راہنماؤں کو بالخصوص خودکفیل بننے کا حکم دیا

(۸۷) حضرت عمرؓ نے ہر شخص کو خود کفیل بننے کا حکم دیا اور خاص طور سے مذہبی راہنماؤں کو دوسرے کے لیے بار بننے سے منع کیا۔

چنانچہ فرمایا:۔

یا معشر القراء ارفعوا رؤسکم فقد وضح الطریق واستبقوا الخیرات ولا تکونوا عیالا علی المسلمین۔[1]

اے قراء (علماء) کی جماعت اپنے سروں کو اونچا رکھو، راستہ کھلا ہوا ہے مال کمانے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جاؤ اور مسلمانوں پر بوجھ نہ بنو۔

ملت کی تاریخ میں علماء وصوفیاء کا کردار!

ملت کی تاریخ میں علماء وصوفیاء کے کارنامے نہایت شاندار اور آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں، انہوں نے ہمیشہ بادسموم کی لپٹ کا مقابلہ کر کے اسلام کی نشرواشاعت اور معاشرتی صلاح وفلاح کا تسلسل قائم رکھا ہے، اگر صوفیاء نہ ہوتے تو اسلام اتنا زیادہ وسیع نہ ہوتا اور نہ لوگ اسلام پر قائم رہتے اور اگر علماء نہ ہوتے تو اسلام کی صحیح تعلیم اجاگر ہوتی اور نہ اسلامی معاشرہ کے خدوخال نمایاں ہوتے۔ اس بنا پر مسلم قوم فطرتاً ان سے عقیدت ومحبت رکھنے پر مجبور ہے۔ نہ حکومت کی طاقت اس کو روک سکتی ہے، اور نہ کسی طبقہ کا حسد اس کو باز رکھ سکتا ہے۔

یہ صحیح ہے کہ ان کے جانشینوں نے ابھی حالات کی نبض پر انگلی نہیں رکھی، زمانے کے تیور نہیں پہچانے۔ اس سے بھی انکار نہیں کہ حالات وزمانہ کی رعایت سے نصاب میں تبدیلی نہیں کی، طریق تعلیم نہیں بدلا۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ انہوں نے حکومت قائم کرنے کے لیے تحریک نہیں چلائی اقامت دین کا پروپیگنڈہ نہیں کیا۔ کی طاقت اس کو روک سکتی ہے اور نہ کسی طبقہ کا حسد اس کو باز رکھ سکتا ہے۔

لیکن قیامت کے دن جب حفاظت دین کے متعلق بازپرس ہوگی اور اس سلسلہ

[1] تاریخ عمرؓ لابن الجوزی الباب السنون صـ ۱۹۱،

میں ایثار و قربانی اور کارگذاری سننے سنانے کا وقت آئے گا تو یہی "بوریا نشین" سامنے آکر کہیں گے کہ "بارالٰہا! جب اپنوں نے غیروں سے آشنائی کی تھی اور روح وجسم دونوں مرہون ہو گئے تھے، جب غیروں نے مکین و مکان پر منظم حملہ کیا تھا اور دل و دماغ دونوں مجروح ہو چکے تھے، جب بادسموم کے تیز و تند جھونکے نبوت کی شمع کا فوری کو گل کر رہے تھے اور شمع بجھ بجھ کر جل رہی تھی، تو ایسے نازک وقت میں اگر ہم سے کچھ نہ ہو سکا تو غیروں کی دشمنی مول لے کر "ملبہ" کی رکھوالی کی، اپنوں کے طعن سن کر شمع کا فوری کی حفاظت کی، دوسروں کی پیش کش کو ٹھکرا کر اجڑے آشیانہ کی یاد تازہ رکھی، حتیٰ کہ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ ہر طاقت سلب ہو گئی اور ہر حرکت بند ہو گئی صرف آنکھ کی چمک کو دیکھ کر اپنی تسلی کی اور سامنے سے کسی کو "ساغر و مینا" اٹھانے نہ دیا۔

اُن کی زندگی کی یہ "آن" اور حفاظت دین کی یہ "شان" ایسی ہے کہ جس پر ملت کی تاریخ ہمیشہ فخر کرے گی اور دنیا و آخرت دونوں جگہ ان کے سر کو بلند رکھے گی۔

آن اور شان کے بغیر چارہ نہیں ہے

دنیا میں حسن کی کمی نہیں "آن" کی کمی ہے۔ صرف ادا کافی نہیں "شان" کی ضرورت ہے علماء و صوفیاء میں جب تک یہ دونوں موجود رہیں گی ان کی دلکشی و جاذبیت میں فرق نہ آئے گا اور جب یہ دونوں رخصت ہو جائیں گی تو گھاس پھوس سے زیادہ وقعت نہ رہے گی۔

بات اس پر ختم ہو جاتی ہے کہ موجودہ علماء و صوفیاء میں کتنے ہیں جنھوں نے اپنی آن و شان کو برقرار رکھا ہے؟ اور کتنے ہیں جو نیچے اتر کر حسن و ادا پر قانع بن گئے ہیں پھر عیالاً علی المسلمین کے طعنہ سے ناراضگی دیکھے جینی کیوں ہے؟

کام کرنے کا وقت ابھی نہیں گیا ہے بلکہ ایک کا وقت پورا ہو گیا اور دوسرے کام کا وقت کچھ دن سے آیا ہوا ہے۔

مسلم معاشرہ ایک مرحلہ سے گذر کر دوسرے مرحلہ میں قدم رکھ چکا ہے۔ اور آشیانہ بنانے کے لیے "تنکوں" کی تلاش میں سرگرداں ہیں، یہ سرگردانی اس لیے

لیے ہے کہ دوسروں کے آشیانے "اس طائر لاہوتی" کے جسم و روح پر "فٹ" نہیں آرہے ہیں اور اس کا اپنا "آشیانہ" جس دور میں بنا تھا وہ دور ختم ہو چکا ہے۔ اس میں جس دنیا کے تنکے تھے وہ دنیا لٹ چکی ہے۔

قانون فطرت کے مطابق کوئی دور اس طرح ختم نہیں ہوتا ہے کہ وہ دوبارہ اپنی شکل میں واپس آئے اور کوئی دنیا اس لیے نہیں لٹتی ہے کہ وہ اپنی سابقہ حالت پر پھر آباد کی جائے۔ یہ عالم کون و فساد ہے، یہاں پر بگاڑ کے ساتھ بناؤ اور ہر تخریب کے ساتھ تعمیر ہے۔ خود فطرت ہر گوشہ میں کانٹ چھانٹ کرتی اور خوب سے خوب تر شئے کو "فٹ" کرتی ہے، جب کوئی شئے ایک جگہ فٹ ہو گئی تو کمتر شئے کے لیے وہ جگہ نہ چھوڑے گی بلکہ قبضہ کے لیے اس سے بلند تر و برتر شئے کا ہونا ضروری ہے۔

نئے آشیانہ کی تشکیل میں علماء صوفیاء کے کارگزاری کی نوعیت

بہرحال اب مسلم معاشرہ کو "آشیانہ" بنانا ہے اور اس کے لیے چند باتوں کی رعایت لازمی ہے۔

(۱) آشیانہ اس کے فطری اور تاریخی مزاج کے مطابق ہو ورنہ جسم و روح پر "فٹ" نہ آئے گا۔

(۲) آشیانہ بلند و بالا مقام پر ہو ورنہ اس کی پرواز میں کوتاہی ہو گی۔

(۳) تنکے موجودہ دنیا اور دور کے ہوں ورنہ سکونت کے قابل نہ ہو سکے گا۔

(۴) تنکوں کی ترتیب و تنقیح میں صوفیاء کی روح سرایت ہو ورنہ جذب و کشش ختم ہو جائے گی۔

(۵) آشیانہ کی دیوار و در میں علماء کی "کارگزاری" شامل ہو ورنہ پائداری کی ضمانت نہ ہو گی۔

(۶) تعمیر ان کے سپرد ہو جن کی مختلف آشیانوں پر نظر ہو۔

(۷) اور نقش و نگار ان کے حوالہ ہو جو رنگ و روغن میں آمیزشوں کی نزاکتوں سے واقف ہو۔

ظاہر ہے کہ کام کتنا اہم اور ذمہ داری کتنی نازک ہے اگر علماء وصوفیاء کا گروہ کام سے بے خبر اور ذمہ داری سے غافل رہا تو "نشأۃ ثانیہ" کا مورخ لکھنے پر مجبور ہوگا کہ مسلم قوم جب آشیانہ کے لیے تنکوں کی تلاش میں مصروف تھی تو مہر دوفا کا یہ کارواں راستہ سے ہٹ گیا تھا اپنی تاریخ بھول گیا تھا اور نہ معلوم کیسی بہکی بہکی باتیں کرنے لگا تھا۔

نیز جب قیامت کے دن "رحمۃ للعالمین" امت کی نشأۃ ثانیہ کا جائزہ لیں گے اور ہر ایک کی تفصیلی رپورٹ پیش ہوگی تو حالت کی رعایت سے مہر دوفا کی کون سی کارگزاری دکھائی جائے گی، اور کس قسم کے کاموں کی بدولت سرخروئی و سرفرازی حاصل ہو سکے گی۔

سرفہرست یقیناً نام ہوگا لیکن کام کے کتنے "خانے" خالی ہوں گے، اور کتنے میں دور درد زمانہ کے لحاظ سے کارکردگی درج ہوگی:

علماء وصوفیاء کسی جمشید کے ساغر نہیں ہوتے ہیں

علماء اور صوفیاء نے کبھی حکومت وقت کی پروا کی اور نہ کبھی کسی "جمشید" کے ساغر بنے، جہاں بینی ہمیشہ ان کی فطرت رہی لیکن جہاں بانی میں اگر چشم و آبرو ان کے نہ رہ سکے تو بہ نظر حقارت ٹھکرا دیا۔ انہوں نے ملازمت کی اور عہدے بھی قبول کیے لیکن اصل ملازمت اللہ کی تھی اور عہدے ان کے مرہون منت رہے ان کے علم و ہنر کا امتحان کم ہوا لیکن کردار کا امتحان ہر وقت ہوتا رہا اور ناکامی سے نہیں بلکہ کامیابی کی بنا پر ان کے "نشیمن" جلتے رہے، اس کے باوجود خودداری کی "آن" اور دلبری کی "شان" میں فرق نہ آنے دیا۔

ملت اپنی "نشأۃ ثانیہ" میں ایسے ہی علماء وصوفیاء کے لیے چشم براہ ہے جو واعظانہ مصلحت سے نہیں بلکہ مجتہدانہ بصیرت سے۔۔۔ زاہدانہ ہمت سے نہیں بلکہ قائدانہ جرأت سے اس کی راہبری و راہنمائی کے فرائض انجام دیں۔

مذہبی رہنمائی کے لیے معیار مقرر کیا

(۹) حضرت عمرؓ نے مذہبی رہنمائی کے لیے معیار مقرر کیا اور درس و افتاء جیسے

مقدس فریضہ کی ہر شخص کو اجازت نہ دی جیسا کہ شاہ ولی اللہؒ ان فتنوں کے ذکر میں کہتے ہیں جو خلافت خاصہ کے بعد ظاہر ہوئے ہیں۔

"سابق وعظ وفتویٰ موقوف بود بر رائے خلیفہ بدون امر خلیفہ وعظ نمی گفتند وفتویٰ نمی دادند وآخراً بغیر توقف بر رائے خلیفہ وعظ مے گفتند وفتویٰ می دادند"[1]

حسب صلاحیت مذہبی ذمہ داری سپرد کی

(۸۰) حضرت عمرؓ نے حسب حیثیت وصلاحیت مذہبی امور کی ذمہ داری سپرد کی اور اس کا باقاعدہ اعلان کیا تاکہ کوئی شخص عام کا رو غلط کار رہنماؤں کا شکار نہ ہونے پائے۔ چنانچہ فرمایا:

من اراد القرآن فلیات ابیا ومن اراد ان یسأل الفرائض فلیات زیدا ومن اراد ان یسائل عن الفقه فلیات معاذا۔[2]

جو شخص قرآن حاصل کرنا چاہے وہ ابیؓ بن کعب سے حاصل کرے جو فرائض کے معلومات حاصل کرنا چاہے وہ زیدؓ کے پاس جائے اور جو فقہ سیکھنا چاہے وہ معاذؓ سے سیکھے۔

مذہب کی رہنمائی اور وعظ وافتاء کی جو وبا پھیل گئی ہے غالباً اس کی نظیر پچھلی تاریخ میں نہ مل سکے گی یہی پیشہ ایک ایسا پیشہ رہ گیا ہے۔ جس کے لیے کسی حیثیت وصلاحیت کی ضرورت ہے اور نہ کردار و کارکردگی درکار ہے۔

ہر بازاری وحلوہ فروش مذہب کی دکان لگائے بیٹھا ہے اور نہایت آزادی کے ساتھ سودا بازی کر رہا ہے۔

نیز جس کے پاس کچھ ڈگریاں ہیں یا جو قانون کے کسی بیرونی مدرسہ سے تھرڈ ڈویژن پاس ہے تو وہ رائے دیتے ہیں ابوحنیفہ وقت بنا ہوا ہے۔

---

[1] ازالۃ الخفاء مقصد اول در تقریر فتنے ص ۱۳۰، [2] ایضاً۔

اور ادھر حکومت خود مستقل مذہب ہے جس کے وعظ و افتاء کی مستقل مسند ہے جو عوام کے مذہب سے مختلف اور مسند سے جداگانہ ہے۔

ایسی حالت میں عمرؓ جیسے صاحب عزیمت و حکومت کے بغیر کیا توقع ہے کہ مذہب ہوس رانیوں سے محفوظ رہ سکے گا؟

ملت کی نشاۃ ثانیہ" میں مذہبی رہنمائی کا معیار" مقرر کرنا ضروری اور مذہبی امور سپرد کرنے کا نظم قائم کرنا لازمی ہے۔ کچھ ادارے حکومت کی سرکردگی میں ہوں تو کچھ آزاد ہوں۔ اسی طرح بعض امور حکومتی سطح پر انجام پائیں تو بعض کا پرائیویٹ انتظامیہ ہوتا کہ حکومت کے دماغ سے مذہب کا دل مجروح نہ ہونے پائے۔

اوراد و وظائف کا زیادہ سلسلہ نہ جاری ہونے دیا

(۸۱) حضرت عمرؓ نے اوراد و وظائف کا زیادہ سلسلہ نہیں ہونے دیا۔ اور امور زندگی میں عدل و اعتدال کو بہرصورت برقرار رکھا، جیسا کہ شاہ ولی اللہ فتنوں کے ذکر میں کہتے ہیں:۔

"اختراع اوراد و احزاب بہ نیت تقرب الی اللہ عزوجل زیادہ بر سنت ماثورہ و التزام مستحبات مانند التزام واجبات ظہور دواعی نفس در دعوت مردماں بآں"[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ حیات میں اوراد و وظائف کی ضرورت اس لیے پیش نہیں آئی کہ آپ کی صحبت بابرکت خود تقرب الی اللہ کے لیے نہایت اہم اور موثر ذریعہ تھی پھر خلافت خاصہ میں کام زیادہ اور بگاڑ کم تھا اس لیے اس کی طرف توجہ کرنے کی نوبت نہ آئی، لیکن بعد میں جب بگاڑ زیادہ ہو گیا تو ملت کے دردمندوں نے حالات و زمانہ کی رعایت سے اوراد و وظائف اور اصلاح و تربیت کا سلسلہ رائج کیا۔

---

[1] ازالۃ الخفاء مقصد اول در تقریر فتنے الخ صـ ۱۲۹۔

چونکہ اپنی حکومت میں معاش سے فراغت تھی، اور کام کم تھا اس بنا پر "عیش" میں دن بدن اضافہ ہوتا رہا اور ساتھ ہی مذہب کی طرف سے حکومت کی توجہ بھی کم ہوتی گئی جس سے ایک طرف عوام سے حکومت کی مذہبی گرفت ڈھیلی ہوئی تو دوسری طرف خود حکومت مذہب پر عمل کرنے کے بجائے اس کے احترام پر قانع بن گئی۔

ایسی حالت میں "سلسلہ" نے بڑا کام کیا۔ اسلام کی نشر و اشاعت میں سرگرم حصہ لیا اور معاشرتی اصلاح و تربیت کے ذریعہ قائم حکومت کے باقی رہنے میں کافی مدد دی۔ اگر اس کو مرکزیت نہ حاصل ہوئی ہوتی تو آج اسلام کی تاریخ دوسری ہوتی۔

لیکن نہایت دکھ کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ بعد میں مسلم معاشرہ کے زوال کے ساتھ اس کے اثر میں بھی زوال آیا اور صورت حال یہاں تک خراب ہوئی کہ اس کے نام پر موت کا سکون حاصل کیا گیا۔ اس کے کام کو کشمکش سے گریز کے لیے بہانہ "بنایا گیا اور اس کے عمل نسخہ کو علمی بنا کر دل بہلانے کا کام لیا گیا۔

اب جب کہ مسلم معاشرہ اپنی نشأۃ ثانیہ کے نوک پلک درست کرنے میں مصروف ہے۔ کام زیادہ اور بگاڑ بھی زیادہ ہے اس "سلسلہ" میں از سر نو غور و فکر کی ضرورت ہے کہ موجودہ دور میں اس کو کس حد تک اور کس طرح باقی رکھا جا سکتا ہے؟ بالکلیہ ختم کر دینے میں اندیشہ ہے کہ محبت کی چاشنی پر قانون کی خشکی غالب ہو جائے اور احساس ذمہ داری کی جگہ دفتری کارروائی آجائے پھر اسلام کی جذب و انجذاب کی مطلوبہ کیفیت نہ باقی رہے اور دوسرے نظاموں کی طرح اسلام بھی محض قانون کا گورکھ دھندہ بن کر رہ جائے۔

غور و فکر کی ضرورت اوراد و وظائف کے طول طویل سلسلہ اور اصلاح و تربیت کے طریقہ میں ہے ورنہ اس کے نام سے جو دوسرے بہت سے طریقے و سلسلے رائج ہو گئے ہیں اور ملنگوں و بھیک منگوں کی ایک دنیا آباد ہو گئی ہے وہ سب یک قلم ختم کر دینے کے قابل ہیں ان میں کسی قسم کی رعایت کی گنجائش نہیں ہے۔

ان ملنگوں اور بھیک منگوں کی جگہ کا رخانہ ہے جس میں صبح سے شام تک ان کی ڈیوٹی ہو کسی سے ملنے کا موقع نہ دیا جائے۔

فیشن اور ناز و انداز پر پابندی لگائی!

(۸۲) حضرت عمرؓ نے "فیشن" پر پابندی لگائی۔ اور ناز و انداز کی زندگی سے منع کیا جیسا کر فرمایا:

اخشوشنوا ولا تبختروا الاعاجم۔[1]

کھردرے بنو اور عجمیوں کی طرح ناز و انداز نہ کرو۔

ایک اور موقع پر فرمایا!

ایاکم والتنعم وزی العجم وعلیکم بالشمس فانها حمام العرب۔[2]

اپنے کو عیش و عشرت کی زندگی اور عجمیوں کے لباس سے بچاؤ، سورج سے فائدہ اٹھاؤ یہ عرب کا حمام ہے۔

پھر فرمایا!

تمعددوا واخشوشنوا واخشوشبوا واخلولقوا واعطوا الرکب اسنها وانزوا نزوا وارموا بالاغراض۔[3]

سخت بنو، موٹا جھوٹا کھاؤ، گاڑھا گزی پہنو پرانے کپڑے استعمال کرو۔ سواریوں کو خوب چارہ دو، ڈٹ کر گھوڑسواری کرو اور جم کر تیراندازی کرو۔

جوانوں سے کہا:۔

نهینا عن التکلف۔[4]

ہم تکلف سے روکے گئے ہیں۔

ایک مرتبہ مخاطب کرکے فرمایا:

ارفع ثوبک فانه انقی لثوبک واتقی لربک۔[5]

میاں صاحبزادے اپنے کپڑے اونچے رکھو اس سے کپڑے صاف رہیں گے اور تمہارا پروردگار خوش ہوگا۔

زرد رنگ کا کپڑا پہنے دیکھ کر فرمایا:

---

[1] و [2] ازالۃ الخفاء مقصد دوم من الباب شتی ص۱۳۸ [3] ایضاً [4] بخاری ج۲ باب ما یکرہ من کثرۃ السوال ولا تکلف ما لا یعنیہ ص۱۰۸۳، [5] ازالۃ الخفاء حوالہ بالا، [6] ایضاً۔

دعوا هذه البرافات للنساء۔ [1] | یہ زیب وزینت کے لباس عورتوں کے لیے رہنے دو۔

دراصل حضرت عمرؓ ایک ایسے معاشرہ کا عادی بنانا چاہتے تھے جو نہایت محنتی و جفاکش ہو اور عیش وعشرت کی زندگی سے دور رہے اسی بنا پر مردوں کو سخت تاکید تھی کہ لباس صورت وشکل وغیرہ میں ایسی روش نہ اختیار کریں جس سے ان کی اصل حیثیت پر ضرب پڑے یا صنف نازک کے ساتھ مشابہت پائی جائے۔ چنانچہ۔

وکان یکرہ ان یصور الرجل نفسه کما تصور المرأة نفسها۔ [2] | وہ ناپسند کرتے تھے کہ مرد اپنی صورت ایسی بنائے جیسی عورت اپنی صورت بنائی ہے۔

موجودہ زمانہ میں "فیشن" زندگی کا "آرٹ" بن گیا ہے۔ ہر ایک دوسرے سے سبقت لے جانے میں سرگرم ہے۔

"فیشن" ہوس کی سرمستی کا نتیجہ اور جذبات کی ہیجان انگیزی کا ذریعہ ہے۔ یہ عموماً سطحی زندگی میں سرایت کرتا اور جوہری خصوصیات کے قائم مقام بنتا ہے۔ پھر اس کو ایک حالت پر قرار نہیں بلکہ ہر روز کی نئی نگاہ کے لیے نئے نقش ونگار درکار ہیں اور نئی شوخی کے لیے نئے آب وتاب کی ضرورت ہے کہ اس کے بغیر حسن کے بازار میں کوئی قیمت لگتی ہے۔ اور نہ ہوس کی دنیا میں کوئی وقعت ہوتی ہے۔

"فیشن" سے جو حسن ابھرتا ہے وہ مصنوعی ہوتا ہے اور جو نگاہیں اس کو جذب کرتی ہیں وہ ہرجائی ہوتی ہیں۔ اس بنا پر کوئی صحت مند معاشرہ نہ اس حسن کی حوصلہ افزائی کرتا ہے اور نہ ان نگاہوں کو غذا پہنچاتا ہے۔

جس معاشرہ میں اس کی حوصلہ افزائی ہوتی اور نگاہوں کو غذا ملتی ہے چند دنوں کے بعد وہ خود تنگ آ کر پریشان ہو جاتا ہے، لیکن حسن کے میدان مسابقت میں آنے کے

---

[1] ایضاً۔ [2] تاریخ عمر لابن الجوزی الباب السنون ص۱۹۳۔

بعد صورت حال بے قابو ہو جاتی ہے۔ اور حدود و قیود کی کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی۔

اسلام ابتداء ہی سے فیشن پرستی کے رجحان کو روکنا چاہتا ہے اور اس کے لیے سخت قوانین بنانے کا حکم دیتا ہے۔ نیز عورت و مرد میں امتیاز قائم رکھنے کے لیے لباس صورت شکل اور وضع قطع ہر ایک میں مداخلت کا حق دیتا ہے نہ اس سے شخصی آزادی پامال ہوتی ہے۔ اور نہ خود مختاری مجروح ہوتی ہے۔

مسلم گھرانوں کی نگرانی واصلاح فرماتے رہتے

(۴۲) حضرت عمرؓ نے مسلم گھرانوں اور خاندانوں کو آزاد نہیں چھوڑا بلکہ ان کا برابر جائزہ لیتے رہتے، اگر ان میں تدبیر منزل کی خلاف ورزی یا کسی کی حق تلفی دیکھی تو فوراً اس کی اصلاح فرمائی۔ مثلاً:

(۱) نوجوان لڑکے اور لڑکیوں کی شادی میں تاخیر نہ ہونے دی۔

زوجوا اولادکم اذا بلغو لا تحملوا اثامھم۔[1]	تمہاری اولاد جب بالغ ہو جائے تو ان کا نکاح کرو ان کے گناہوں کا بوجھ نہ اٹھاؤ۔

(۲) حسب و نسب اور شرافت کے مصنوعی بتوں کو توڑ کر نئے معیار کی تاکید کی چنانچہ فرمایا:

حسب المرء دینه واصله عقله ومروته خلقه۔[2]	مرد کا حسب اس کا دین ہے، نسب اس کی عقل ہے اور شرافت اس کا خلق ہے۔

ایک اور روایت میں ہے:

الحسب المال۔[3]	حسب مال ہے۔

غالباً یہ اختلاف اشخاص کے حالات کے لحاظ سے ہے۔

اس معیار کی سختی کے ساتھ پابندی کرائی جیسا کہ غیر کفو میں نکاح کرانے کا واقعہ اوپر گزر چکا ہے:

---

[1] تاریخ عمرؓ لابن الجوزی الباب الستول صفحہ ۲۰۰، [2] تاریخ عمرؓ لابن الجوزی الباب الستون صـ ۲۰۱، [3] ایضاً صفحہ ۲۰۲،

(۳) خوبصورت عورت کا بدصورت مرد کے ساتھ نکاح کرنے سے منع کیا:

لا تنکحوا المرءة الرجل القبیح الذمیم فانھن یحببن لانفسھن ما تحبون لانفسکم[1]	بدصورت اور برے مرد سے عورت کا نکاح نہ کرو جو تم اپنے لیے پسند کرتے ہو وہی عورتیں اپنے لیے پسند کرتی ہیں۔

(۴) مہر کی زیادتی سے روکا اور عام حالات کے لیے مہر کی ایک حد مقرر کردی۔

لا تغالوا فی مھور النساء فانھا لو کانت مکرمة فی الدنیا او تقوی عند اللہ لکان احقکم بھا محمد صلی اللہ علیہ وسلم[2]	عورتوں کا زیادہ مہر نہ مقرر کرو اگر اس میں دنیوی شرافت ہوتی یا اللہ کے نزدیک تقویٰ کی بات ہوتی تو اس کے سب سے زیادہ مستحق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔

(۵) عورتوں کے حقوق کا خاص خیال رکھا اور ان کی حق تلفی پر سخت کارروائی کا حکم دیا۔

چنانچہ ایک شخص نے اپنی عورتوں کو طلاق دے کر اپنا سب مال لڑکوں میں تقسیم کر دیا۔ جب اس کی اطلاع حضرت عمرؓ کو پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ عورتوں کو رجوع کرو اور مال کی تقسیم فسخ کرو ورنہ میں ان کو وارث بناؤں گا اور تمہاری قبر پر سنگساری کا حکم دوں گا

او لا ورثتھن منک ولآمرن بقبرک فیرجم کما رجم قبر ابی رغال۔[3]	میں ان کو تیرے مال کا ضرور وارث بناؤں گا اور تیری قبر پر سنگساری کا حکم دوں گا جیسا کہ ابو رغال کی قبر پر سنگساری کی گئی تھی۔

(۶) تیز زبان اور بد خلق عورت کو کفر کے بعد بدترین شئ قرار دیا۔ اسی طرح خوش خلق اور محبت کرنے والی عورت کو ایمان کے بعد بہترین شئ فرمایا:

لن یعطی احد بعد کفر باللہ شئ شرًا من امرءة حدیدة	کوئی شخص کفر باللہ کے بعد عورت سے زیادہ بدترین شئ نہیں دیا گیا جو تیز زبان اور

[1] ایضاً صفحہ ۱۹۵، [2] ازالۃ الخفاء مقصد دوم کتاب النکاح صفحہ ۱۱۲،
[3] ازالۃ الخفاء مقصد دوم کتاب النکاح صفحہ ۱۹۲،

اللسان سیئة الخلق ولم یعط عبد بعد الایمان باللہ شئ خیرا من امرءة حسنة الخلق ودود۔ [1]

بد خلق ہو۔ اسی طرح ایمان باللہ کے بعد عورت سے زیادہ بہترین شئے نہیں دیا گیا جو خوش خلق اور محبت والی ہو۔

(۷) عورت کے مصنوعی حسن و جمال اور زیب و زینت کے جال میں پھنسنے سے روکا۔

اذا تمر لون المرءة و شعرها فقد تم حسنها۔ [2]

جب عورت کا رنگ اور اس کے بال ٹھیک ہیں تو اس کا حسن پورا ہے۔

(۸) گھریلو زندگی میں مرد کے لیے زیادہ باوقار اور سنجیدہ رہنا پسند نہ کیا۔

انی احب ان یکون الرجل فی اھلہ کالصبی فاذا اُحتیج الیہ کان رجلا۔ [3]

مجھے یہ بات پسند ہے کہ مرد اپنے اہل و عیال میں بچہ کی شکل رہے اور جب اس کے پاس ضرورت لائی جائے تو مرد ہو جائے

گھریلو زندگی کو خوشگوار بنانے اور معاشرہ کو آلودگیوں سے پاک و صاف رکھنے کے لیے حالات و زمانہ کی رعایت سے نئے قوانین بنانے اور نئے اقدامات کرنے کی ضرورت ہوتی رہتی ہے۔ لیکن یہ قوانین و اقدامات جب تک عورت کی خصوصیات کو ملحوظ رکھ کر نہ ہوں فطرت سے ہم آہنگی پیدا کرتے ہیں اور نہ معاشرہ پر اچھا اثر ڈالتے ہیں۔

پختگی کے بعد شادی میں جلدی کرنا، اس کی رکاوٹوں کو دور کرنا اور حقوق کا خاص خیال وغیرہ ایسی ناگزیر ضرورتیں ہیں جن سے کوئی صالح و صحت مند معاشرہ مستغنی نہیں ہو سکتا۔ جس معاشرہ میں عفت و عصمت کی کوئی قیمت نہیں ہے اور اس میں "بوائے فرینڈ" اور "گرل فرینڈ" کا سسٹم جاری ہے وہ آزاد ہے جو چاہے شادی کی عمر مقرر کرے اور جس قدر چاہے "حسن" کے بازار کو سجائے لیکن اسلام جو کسی قیمت پر عفت و عصمت کا سودا کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ وہ شادی میں تاخیر گوارا کرتا ہے اور نہ بازار حسن کو سجانے کا موقع فراہم کرتا ہے۔

---

[1] تاریخ عمرؓ لابن الجوزی الباب الستون صـ۱۹۲، [2] ایضاً صـ۱۹۴ [3] ایضاً صـ۱۹۵

جن مسلم ممالک نے شادی کی عمر مقرر کی یا اس پر پابندی لگائی انہوں نے چونکہ موجودہ خرابیوں اور مصنوعی رکاوٹوں کو دور کرنے میں کوئی قدم نہیں اٹھایا اس بنا پر ان تبدیلیوں سے حالات بد سے بدتر ہو گئے ، اور مسلم معاشرہ بھی "بوائے فرینڈز" اور گرل فرینڈ کی لعنت میں گرفتار ہونے لگا ہے ۔

ذات ، برادری ، جہیز اور خاندان وغیرہ قسم کی کتنی رکاوٹیں ہیں جن کی وجہ سے ہزاروں شریف زادیاں یاس دحرمان کی تصویر بنی بیٹھی شادی کی عمر گذار رہی ہیں ، اسی طرح آزادی ، فیشن پرستی اور حسن کی نمائش وغیرہ کتنی خرابیاں ہیں جن کی وجہ سے ہوس رانی کو تقویت پہنچ رہی ، اور حفاظت ناموس کی ہمت پست ہو رہی ہے ۔

ان رکاوٹوں اور خرابیوں کی بنا پر پہلے ہی سے فساد کی آگ سلگ رہی تھی کہ ان تبدیلیوں نے " پٹرول کا کام دے کر آگ کو بھڑکا دیا ۔

رکاوٹوں کو فروغ دینے کے اصل مجرم مذہبی نمائندے ہیں کہ انہوں نے "کفو" کی تشریح و توضیح میں حالات و زمانہ کی رعایت نہیں کی اور خرابیوں کو فروغ دینے کی اصل مجرم حکومتیں ہیں کہ انہوں نے کوئی پابندی نہیں لگائی ، اور حد بندی نہیں کی جب تک یہ دونوں نمائندے اپنی گھریلو زندگی سے کوئی نتیجہ نہیں برآمد ہو سکتا جیسا کہ حضرت عمر کا دستور تھا :

اذا نهى الناس عن شئ	جب لوگوں کو کسی چیز سے روکتے
جمع اهله فقال انى قد	تو اپنے گھر والوں کو جمع کرکے فرماتے کہ میں
نهيت عن كذا وكذا وان	نے فلاں فلاں چیز سے منع کیا ہے اور
الناس ينظرون اليكم كما	لوگ تمہاری طرف ایسے ہی دیکھ رہے
ينظر الطير الى اللحم فان	ہیں جیسے پرندہ گوشت کی طرف دیکھتا
وقعتم وقعوا وان هبتم	ہے ۔ اگر تم بچو گے تو وہ بھی بچیں گے اور
هابوا وانى والله لا اوتى	تم پھنسو گے تو وہ بھی پھنسیں گے ، اگر تم
برجل وقع فيما نهيت	میں سے کسی نے منع کی ہوئی باتوں کا

الناس عنه الا اضعفت له العقوبه لمكانه مني فمن شاء منكم فليتقدم ومن شاء فليتاخر۔[1]

رنکاب کیا تو اپنے تعلق کی وجہ سے خدا کی قسم میں اس کو دوگنی سزا دوں گا اب اختیار ہے جو چاہے آگے بڑھے اور جو چاہے پیچھے ہٹے

شخصیت سازی کی طرف خصوصی توجہ کی

(۸۳) حضرت عمرؓ نے "شخصیت" سازی کی طرف خصوصی توجہ کی اور نوجوان کو مختلف انداز سے کار آمد اور باوقار بنانے کی کوشش کی مثلاً:

(۱) تحصیل علم اور سمجھ پر کافی زور دیا:

عليكم بالفقه في الدين وحسن العبادة والتفهم في العربية۔[2]

دین میں تفقہ حاصل کرو حسن عبادت کے خوگر بنو اور عربیت میں سمجھ پیدا کرو۔

ایک اور موقع پر فرمایا:

كونوا اوعية الكتاب وينابيع العلم۔[3]

کتاب کے ظرف اور علم کے سرچشمے بنو۔

(۲) فہم و دانش کو بڑائی اور سرداری کا "معیار" قرار دیا اور پست خیالات و کم ظرفی سے منع کیا:

تفقهوا قبل ان تسودوا۔[4]

سرداری حاصل کرنے سے پہلے سمجھ حاصل کرو۔

ایک اور موقع پر فرمایا:

ان الحكمة ليست عند كبر السن ولكنه عطاء من الله يعطيه من يشاء فاياك و دناءة الامور۔[5]

"حکمت اکبر سن پر موقوف نہیں ہے۔ وہ اللہ کا عطیہ ہے جس عمر میں جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے اپنے کو ادنیٰ اور چھوٹی باتوں سے بچاؤ۔

---

[1] تاریخ عمرؓ لابن الجوزی الباب السادس والسبعون صفحہ ۲۳۶ [2] تاریخ عمرؓ لابن الجوزی الباب الستون ۱۴۶

[3] ایضاً الباب السابع والخمسون صفحہ ۱۸۰ [4] ایضاً الباب الستون صفحہ ۲۰۰ [5] ایضاً صفحہ ۱۸۳

(۳) حالات و معاملات کی درستگی کو زیادہ اہمیت دی اور نماز و روزہ وغیرہ سے عبادات دھوکا نہ کھانے کی تاکید کی۔

لا تنظروا الی صلاۃ امرئ ولا صیامہ ولکن انظروا الی صدق حدیثہ اذا حدث والی ورعہ اذا اشفی والی امانتہ اذا ائتمن [1]

کسی کی نماز و روزہ کی طرف نہ دیکھو بلکہ بات کہنے وقت اس کی سچائی دیکھو، شفایاب ہونے کے بعد اس کی پرہیزگاری دیکھو اور امانت کے وقت اس کی دیانت داری دیکھو۔

(۴) دنیا کو مقصود بنانے سے منع کیا اور دوسرے جہان (آسمان) پر نظر رکھنے کا حکم دیا۔

لا یحزنک الا یجعل لک کثیر ما تحت من امر دنیاک اذا کنت ذا رغبۃ فی امر اخرتک۔ [2]

تمہیں یہ بات غم میں نہ ڈالے کر دنیوی امور میں پسندیدہ چیزوں کا زیادہ حصہ تمہیں ملا ہے کہ تم کو آخرت کے امور سے رغبت ہے۔

(۵) لوگوں کے ذکر و تذکرہ میں پڑنے سے منع کیا کہ اس سے بھی شخصیت مجروح ہوتی ہے۔

علیکم بذکر اللہ فانہ شفاء وایاکم وذکر الناس فانہ داء۔ [3]

اللہ کے ذکر کو لازم پکڑو اس میں شفا ہے اور لوگوں کا ذکر چھوڑو کہ اس میں بیماری ہے

(۶) کارکردگی و کارگزاری کو سرمایۂ حیات قرار دیا اور بےکاری کام چوری کو نہایت حقیر دکھایا:

کان اذا رای فتی فاعجبہ حالہ سأل عنہ ھل لہ حرفۃ فان قیل لا قال سقط من عینی [4]

جب کسی جوان کو اچھی حالت میں دیکھتے تو پوچھتے کہ کونسا پیشہ کر رہے ہو اگر جواب ملتا کہ کچھ نہیں کر رہا ہے تو فرماتے کہ یہ میری نظر سے گر گیا۔

---

[1] تاریخ عمر لابن الجوزی الباب الستون ص۱۹۵، [2] ایضاً الباب السابع والخمسون ص۱۸۰

[3] ایضاً ص۱۷۹، [4] تاریخ عمر لابن الجوزی الباب الستون ص۲۰۲

(۷) صفائی، ستھرائی، عبادت اور خوشبو کی طرف خصوصی توجہ دلائی:

لیعجبنی الشاب الناسك نظیف الثوب طیب الریح۔[1]	مجھے صاف ستھرا عبادت گذار اور خوشبودار جوان پسند ہے۔

(۸) نوجوان کو چاق چوبند رہنے کا حکم دیا، ضرورت سے زیادہ سنجیدہ بننے و گردن جھکا کر بیٹھنے سے منع کیا۔ چنانچہ ایک جوان کو سر جھکائے ہوئے بیٹھا دیکھ کر فرمایا:

یا ھذا ارفع راسك فان الخشوع لا یزید علی ما فی القلب۔[2]	میاں! سر اٹھاؤ۔ تمہارے دل میں جس قدر خشوع ہے وہ اس طرح بیٹھنے سے زیادہ نہ ہو سکے گا۔

(۹) اپنی مضبوطی کے ساتھ لوگوں کی نکتہ چینی سے بے پروا رہنے کا حکم دیا۔

ما انعم اللہ علی عبد نعمۃ الا وجد لہ من الناس ولوان امرأ اقوم من القدح لوجد لہ من الناس من یغمز علیہ فمن حفظ لسانہ ستر اللہ عورتہ۔[3]	بندہ کو اللہ نے جس نعمت سے بھی نوازا ہے اس کے حاسد ضرور ہوں گے اگر کوئی شخص تیر سے زیادہ سیدھا ہو۔ جب بھی اس میں عیب نکالنے والے لوگ ہوں گے جس نے اپنی حفاظت کی اللہ اس کی خفیہ باتوں کو چھپائے گا۔

(۱۰) خودستائی سے سختی کے ساتھ روکا اور اس کو احساس کمتری و خودکشی پر محمول کیا چنانچہ فرمایا:

من قال انا عالم فھما جاھل۔[4]	جس شخص نے کہا میں عالم ہوں وہ دراصل جاہل ہے۔

ایک اور موقع پر ہے:

---

[1] ایضاً ص۱۹۴، [2] ایضاً ص۱۹۵، [3] تاریخ عمرؓ لابن الجوزی الباب الستون ص۲۰۲، [4] ایضاً ص۱۹۹،

المدلاح ذبح۔ له تعریف کرانا اپنے کو ذبح کرنا ہے۔

غرض اس قسم کی بہت سی باتیں ہیں جن سے شخصیت سازی کا ثبوت ملتا ہے۔ اور نہایت خودداری۔۔ عالی حوصلگی اور علم و ہنر میں ترقی کے ساتھ باوقار زندگی گذارنے کی تاکید پائی جاتی ہے۔

بدقسمتی سے ہمارے معاشرہ میں شخصیت سازی کی طرف کوئی توجہ نہیں ہے۔ ہر ایک اپنے حال میں مست اور دوسرے کی فکر سے بے نیاز ہے۔

پھر "سیاست" نے لوگوں کو اس قدر کھوکھلا اور بے اعتماد بنا دیا ہے کہ ہر شخص دوسرے سے خائف اور خود سے غیر مطمئن ہے۔ اندیشہ ہے کہ اگر کوئی "شخص" کسی قابل ہو گیا یا کسی کو کچھ موقع مل گیا تو اپنی شخصیت خطرہ میں پڑ جائے گی۔ یا اپنے حلقہ کی نیازمندیاں تقسیم ہو جائیں گی۔

حیرت ہے کہ مسلم معاشرہ میں جس قدر بیداری نظر آ رہی ہے، مدرسہ کی زندگی میں اس قدر بھی نہیں ہے۔ اور نشاۃ ثانیہ کی رہنمائی کے لیے فکر و عمل کی جیسی بلندی و توانائی درکار ہے، مدرسہ ابھی اس سے کافی دور ہے۔

ادھر کالج و یونیورسٹی میں حکومت اپنی مشنری کے لیے "پرزے" ڈھالتی اور حسبِ خواہش ان کو "فٹ" کرتی رہتی ہے جس کے بعد وہ پرزے اپنی جگہ سے ہل سکتے ہیں اور نہ لب کشائی کی جرأت کر سکتے ہیں، ترقی و تنزل، افسری و ماتحتی کا اس نے ایک نظم قائم کر دیا ہے جس میں یہ سب مشغول رہتے ہیں۔ اگر کبھی الجھانے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے تو ان کو تمناؤں میں الجھا دیتی ہے پھر مناسب وقت پر "لو اور دو" کے اصول سے سلجھا دیتی ہے۔

ایسی حالت میں شخصیت سازی کی طرف توجہ کس قدر ضروری ہے اور اس کے بغیر نشاۃ ثانیہ کے "گیسو" کیونکر سنور سکتے ہیں؟

له ایضاً ص۲۰۔

مسلم معاشرہ میں آزاد ادارے" اور حکومت کی زد سے "آزاد لوگ" اس قدر موجود ہیں کہ اگر اس مسئلہ کی طرف خصوصی توجہ دیں اور فراخ حوصلگی سے کام لیں تو ملت کے بہت سے غم غلط ہو سکتے ہیں اور حکومت کے اداروں میں بھی نئی روح بے قرار ہو کر اپنے "مقام" کی تلاش میں نکل سکتی ہے۔

قوم کے جوان و نوجوان بہت بڑی "امانت" ہیں، قومی ترقی و سربلندی ہمیشہ ان کے قدم چومتی رہی اور عالمگیر انقلابات ان کے مرہون منت رہے ہیں، کسی حلقہ اور طبقہ کی اس سے زیادہ بدنصیبی اور کیا ہوگی ان کو سیاست کا آلۂ کار بنائے یا جی حضوری میں لگا کر ان کی پرواز "کو مسلوب و شخصیت کو مجروح کرے۔

(۸۴) حضرت عمرؓ نے اجتماعی مفاد کی خاطر اپنی پسندیدہ و محبوب بیوی کو محض اس لیے جدا کر دیا کہ مبادا اس کی محبت و سفارش غلط فیصلہ پر مجبور نہ کر دے۔

لما ولی عمر الخلافة	جس وقت حضرت عمرؓ کے خلافت سپرد
كانت له زوجة يحبها	ہوئی آپ کی ایک ایسی بیوی تھی جس سے
فطلقها خيفة ان تشير	بہت محبت کرتے تھے لیکن اس اندیشہ
عليه بشفاعة فی باطل	سے اس کو طلاق دے دی کہ کہیں وہ
فيطيعها ويطلب رضاهايه	باطل امور میں سفارش کرے اور اس کی
؎	مرضی کا پابند ہونا پڑے۔

محض "اندیشہ" کی بنا پر اپنی محبوب بیوی کو جدا کر دینا بظاہر سمجھ میں آنے کے قابل نہیں ہے۔ لیکن جو لوگ اجتماعی مفاد کے رمز شناس اور "الا اللہ" کے ادا شناس ہیں ہیں ان کے لیے اس قسم کے اقدام "کا سمجھنا زیادہ مشکل نہیں ہے

اپنی بیوی میں "بیگم" کی خصوصیات نہ پیدا ہونے دیں

(۸۵) حضرت عمرؓ نے اپنی بیوی میں

؎ احیاء العلوم از ازالۃ الخفاء مقصد دوم حکایات سیاست عمرؓ صـ ۶۴۔

"بیگم" کی خصوصیات نہ پیدا ہونے دیں (یہ لفظ خاص دور کا پیدا وار اور خاص ذہنیت کی نمائندگی کرتا ہے) بلکہ خدمتِ خلق اور رفاہِ عام کے کاموں پر مامور کیا، چنانچہ یہ واقعہ مشہور ہے کہ ایک رات گشت کر رہے تھے کسی گھر سے "دردزہ" میں مبتلا عورت کے کراہنے کی آواز سنی فوراً واپس آکر اپنی بیوی اُم کلثوم کو خدمت کے لیے لے گئے جو برابر نسوانی امور کی نگہداشت کرتی رہیں۔ یہاں تک کہ فراغت ہوگئی۔[1]

یہ گھر معمولی تھا۔ جس میں جانے سے "بیگمات" کی توہین ہوتی ہے اور عورت بھی کم درجہ کی تھی جس سے بات کرنے میں بیگمات کو ذلت محسوس ہوتی ہے۔

اخلاق وکردار کی درستگی کے لیے شخصی حقوق کا لحاظ نہ کیا

(۸۶) حضرت عمرؓ نے اخلاق وکردار کی درستگی کے لیے ہر اس اقدام سے دریغ نہ کیا جس سے عورتوں اور مردوں کے خیالات وجذبات صاف ستھرے رہ سکیں اگرچہ بظاہر نظر میں کسی کی حق تلفی ہوتی ہو، چنانچہ ایک مرتبہ خواتین آپس میں باتیں کر رہی تھیں کہ "مدینہ میں سب سے حسین وصبیح کون شخص ہے۔"

ایک خاتون نے کہا کہ "ابوذویب شنغال (یہ لقب تھا) سب سے زیادہ حسین وصبیح ہے۔"

یہ گفتگو رات کو خواتین کی ایک نشست میں ہو رہی تھی جس کو حضرت عمرؓ نے خود ہی گشت میں سن لیا تھا، دوسرے دن شنغال صاحب کا پتہ لگایا گیا جو نہایت حسین وجمیل اور مردانہ بانکپن سے آراستہ تھے۔ دیکھتے ہی سر کے بال منڈوانے اور پگڑی باندھنے کا حکم دیا لیکن اس ظالم کا حسن ونکھار اور بڑھ گیا۔

بالآخر "شنغال" معشوق کو فوجی وردی پہنا دی گئی اور شیشہ گری وعشوہ طرازی سے نکال کر خارہ شگافی وجفا طلبی کی زندگی کی طرف لے آیا گیا۔[2]

---

[1] ابوبکر صدیقؓ و فاروقِ اعظمؓ بارھواں باب۔ از ڈاکٹر طٰہٰ حسین۔

[2] ابوبکر صدیق وفاروق اعظم بارھواں باب۔ از ڈاکٹر طٰہٰ حسین۔

باندی تنک کو زرق برق لباس پہن کر نکلنے سے روک دیا گیا

(۸۷) حضرت عمرؓ نے جاریہ (باندی) تنک کو زرق برق لباس پہن کر باہر نکلنے اور دعوت نظارہ دینے سے منع کیا۔ چنانچہ ایک جاریہ ایک جاریہ کو اس حالت میں دیکھ کر اپنی بیٹی حفصہؓ سے فرمایا:

الم ار جاریة اخیك تجوس الناس۔

کیا میں نے تیرے بھائی کی جاریہ کو نہیں دیکھا کہ لوگوں کو دیکھتی پھرتی ہے۔

پھر اس پر سخت نکیر کی:

وانکر ذلك عمر۔

حضرت عمرؓ نے اس پر نکیر کی:

مستقل ذریعہ آمدنی بنانے کا حکم دیا !!

(۸۸) حضرت عمرؓ نے مستقل ذریعہ آمدنی بنانے کا حکم دیا تاکہ حالات کی تبدیلی سے اخلاق و کردار نہ متاثر ہوں چنانچہ ایک مرتبہ حضرت خالدؓ نے "قادسیہ" کے عطایا و وظائف دیکھ کر کہا کہ بعض لوگوں کے اخراجات زیادہ نہیں ہیں، کھانے والے افراد بھی کم ہیں ایسی حالت میں فضول خرچی اور اسراف کے جذبات ابھرنے کا قوی اندیشہ ہے۔"

یہ سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا:

"جب ان لوگوں کو سرکاری عطایا ملیں تو کچھ بھیڑیں خرید لیں اور ان کی پرورش کرتے رہیں۔ پھر مزید عطایا ملنے پر اور بھیڑیں خرید لیں اس طرح ان کی آمدنی میں اضافہ ہوتا رہے گا۔ ممکن ہے میرے بعد کے حکمران اس نظام کو قائم نہ رکھ سکیں، اگر یہ ذریعہ آمدنی باقی رہے گا تو غریبوں کے کام آئے گا اور لوگ اس کے سہارے اپنی زندگی گذار سکیں گے۔"

"خالد! یہ جو کچھ تم سے کہہ رہا ہوں اس کے مخاطب دور و نزدیک کے سب لوگ ہیں، جو شخص بالکل آخری سرے پر بیٹھا ہے وہ بھی میری ذمہ داری میں ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو حکمران اپنی رعایا کی خبر گیری سے غافل رہتا ہے اس کو فردوس کی

پوُ تک نہ آئے گی" ؎۱

کھڑے ہوکر پانی پینے کی اجازت دی !!

(۸۹) حضرت عمرؓ نے حالات کی رعایت سے اپنے عمل کے ذریعہ کھڑے ہوکر پانی پینے کی اجازت دی۔

ان عمر بن الخطاب وعلی بن ابی طالب وعثمان بن عفان کانوا یشربون قیاماً۔ ؎۲

حضرت عمرؓ، علیؓ، اور عثمانؓ کھڑے ہوکر پانی پیتے تھے۔

علم نجوم سیکھنے کا حکم دیا

(۹۰) حضرت عمرؓ نے علم ہیئت سیکھنے کا حکم دیا لیکن کہانت وغیرہ سے منع کیا۔

تعلموا من النجوم ما تعرفون به القبلة والطریق ثم امسکوا۔ ؎۳

علم نجوم سیکھو جس سے قبلہ اور راستہ معلوم کرو، پھر روک جاؤ۔

اس زمانہ میں علم ہیئت نہایت محدود اور توہم پرستی کا ذریعہ تھا۔ حضرت عمرؓ نے مرکز و مقصد متعین کرکے اس کی حوصلہ افزائی کی اور اس قسم کے تمام علوم سے دینی کاز کو تقویت پہنچانے کا حکم دیا جس سے حالات و زمانہ کی رعایت سے علوم و فنون سیکھنے کا حکم نکلتا ہے۔

درازی تقریر اور پیشہ ورانہ وعظ کو شیطان کی جانب منسوب کیا

(۹۱) حضرت عمرؓ نے درازی تقریر اور پیشہ ورانہ وعظ کو شیطان کی جانب منسوب کیا۔

ان کثیرا من الخطب من شقاشق الشیطان۔ ؎۴

بہت سے خطبے (وعظ) شیطانی ایجان سے ہیں۔

شقاشق (جمع شقشقہ) اس جھاگ کو کہتے ہیں جو مستی کے وقت اونٹ کے منہ سے باہر آتا ہے۔ شاہ ولی اللہؒ کہتے ہیں۔

؎۱ ابوبکر صدیق و فاروق اعظم، بار سوال باب، ؎۲ ایضاً ص۱۳۳،

؎۳ ازالۃ الخفا مقصد دوم من الواب شتی ص۱۳۹،

شبه الذی یتفیهق فی کلامه لایبالی بما قال من صدق او کذب بالشیطان۔[۱]

شیطان کے ساتھ اس شخص کو تشبیہ دی جو اپنے کلام کو وسیع کرتا اور صدق و کذب کی پروا نہیں کرتا ہے۔

شریعت کو تبدیل و تحریف سے محفوظ رکھا

(۹۲) حضرت عمرؓ نے شریعت کو ہر قسم کی تبدیل و تحریف سے محفوظ رکھا:

"حفظ ملت از مظان تحریف و تبدیل یا بلغ وجوہ مے نمود"[۲]

چنانچہ ایک شخص متشابہ قرآن کے متعلق استفسار کر رہا تھا تو آپ نے اس کو سزا دی۔[۳]

موجودہ زمانہ میں قرآن حکیم سے متعلق بہت سی بحثیں پیدا ہو چکی ہیں حتیٰ کہ "دو قرآن" کا نظریہ بھی وجود میں آچکا ہے۔

قرآن میں غور و فکر کا ایک مرکزی نکتہ و دائرہ ہے جو شخص اس سے باہر قدم نکالے گا اور اپنے ذوق و رجحان کو دخیل بنائے گا وہ ملت کی نظر میں مجرم قرار پائے گا۔

کوئی شخص جب احساس کمتری میں مبتلا ہوتا ہے تو اس کے غور و فکر کی دنیا ہی نہیں بدلتی بلکہ ذوق و رجحان کا دائرہ بھی بدل جاتا ہے۔ اگر ایک طرف معذرت خواہانہ روش کو فروغ ہوتا ہے تو دوسری طرف ہر چڑھتے ہوئے سورج کی پرستش کا جذبہ نمودار ہو جاتا ہے۔

مرکز اور دائرہ سے ہٹی ہوئی بحثیں بالعموم انہیں لوگوں کی طرف سے ہوتی ہیں جو احساس کمتری میں مبتلا ہوتے ہیں اور جن کا مذہب ہر چڑھتے ہوئے سورج کی پرستش کا جذبہ نمودار ہو جاتا ہے۔

---

[۱] ایضاً، [۲] و [۳] ازالۃ الخفاء مقصد دوم سیاست فاروق اعظم ص۸۱،

مرکز اور دائرہ سے ہٹی ہوئی بحثیں بالعموم انہیں لوگوں کی طرف سے ہوتی ہیں جو احساس کمتری میں مبتلا ہوتے ہیں اور جن کا مذہب ہر چڑھتے ہوئے سورج کی پرستش ہوتا ہے۔

ظاہر ہے ایسے لوگوں کے لیے حکیمانہ جواب کافی نہیں ہو سکتا۔ بلکہ حاکمانہ جواب کی ضرورت ہے۔

احادیث میں فرق و امتیاز قائم کیا

(۹۳) حضرت عمرؓ نے احادیث میں فرق و امتیاز قائم کیا چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں:۔

"باستقراء تام معلوم شد کہ فاروق اعظم نظر دقیق در تفریق میان احادیث کہ بہ تبلیغ شرائع و تکمیل افراد بشر تعلق دارد و از غیر آں مصروف می ساخت لہذا احادیث شمائل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و احادیث سنن زوائد در لباس و عادات کمتر رعایت می کرد بدو وجہ یکے آنکہ اینہا از علوم تکلیفیہ و تشریعیہ نیست تحمیل کہ چوں اہتمام تام بروایت آں بکار برند بعض اشیا از سنن زوائد بسنن ہدیٰ مشتبہ گردد و تحمیل کہ شغل قوم باین احادیث از شغل بشرائع مانع آید دیگر آنکہ جمع کہ بشرف صحبت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم رسیدہ بودند در زمان فاروق اعظمؓ بسیار بودند احتیاج بہ تعلیم ایں اشیاء واقع نہ شدہ[1]"

احادیث قرآن حکیم سے مؤخر ہیں

ملت کا متفقہ فیصلہ ہے کہ احادیث قرآن حکیم سے مؤخر ہیں یعنی قرآن کے فیصلہ کو ماتحت عدالت مسترد اور مرجوح نہیں قرار دے سکتی ہے۔ لیکن ماتحت عدالت کے فیصلوں کو قرآن حکیم مسترد اور مرجوح قرار دے سکتا ہے:

---

[1] ازالۃ الخفاء مقصد دوم نکات تتمہ مذہب فاروق اعظم صفحہ ۱۲۱، [2] الموافقات جزء رابع المسئلۃ الثانیہ صفحہ ۸

رتبة السنة التاخر من الكتاب فی الاعتبار۔ لہ | اعتبار میں سنت کا درجہ کتاب اللہ سے مؤخر ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ قرآن حکیم اصول وکلیات کی کتاب ہے جس میں جزئیات کی تفصیل اور احکام کے موقع ومحل کی تعیین نہیں کی گئی ہے۔

فالقرآن علی اختصارہ جامع ولایکون جامعا الا والمجموع فیہ امور کلیۃ | قرآن اپنے اختصار کے باوجود جامع ہے اور جامع اس بنا پر ہے کہ اس میں امور کلیہ کا بیان ہے

قرآن حکیم نے احکام بیان کرنے میں درج ذیل صورتیں اختیار کی ہیں؛

(۱) بعض احکام کے صرف مقاصد بیان کرنے پر اکتفا کیا ہے ان کی شکل وصورت متعین نہیں کی ہے۔

(۲) بعض احکام میں صرف حدود اربعہ کا ذکر ہے اور شکل وصورت سے بحث نہیں کی ہے۔

(۳) بعض احکام میں اصولی اور عمومی انداز کی گفتگو ہے اور جزئیات کی تشریح نہیں ہے۔

(۴) بعض احکام میں جزئیات کی تشریح ہے لیکن موقع ومحل متعین کرنے کی اجازت دی ہے۔ جیسا کہ تفصیل پہلے گذر چکی۔

قرآن حکیم کا انداز بیان دائمی دستور کے لیے ناگزیر ہے

دائمی حیثیت کے "دستور" کے لیے یہ انداز بیان ناگزیر ہے اگر اس کی خلاف ورزی ہوتی اور تعیین وتفصیل کے ساتھ احکام بیان کر دیے جاتے تو اس کی دستوری ودوامی حیثیت نہ باقی رہتی نیز ایک دور وزمانہ کے ساتھ وہ محدود ہو کر رہ جاتا۔

مذکورہ "انداز بیان" کے بعد بہت سے کام باقی رہ جاتے ہیں جن کے متعلق

لہ الموافقات جزء رابع المسئلۃ الثانیہ ص۸۔

انتظام واہتمام کے بغیر کوئی "دستور" قابل عمل بنتا اور نہ بے لگام عقل وہوس کی موشگافیوں اور سرمستیوں سے محفوظ رہتا ہے۔

"نقشہ" کے مطابق اگر تعمیر عمارت کا منظم پروگرام نہ ہو اور اس کو عملی شکل دیتے وقت نگرانی کا اہتمام نہ ہو تو کوئی نقشہ بروئے کار آتا ہے اور نہ کوئی عمارت مطابقت کی ضمانت حاصل کرتی ہے۔ اس بنا پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے نقشہ کو عملی شکل دینے کے لیے محکمہ "انجینئرنگ" کے قیام کو اہمیت دی جس میں انجینئرنگ کے تقرر کو اپنے ذمہ لیا۔ اور محکمہ کے دوسرے کارپردازوں کو انجینئر کی صوابدید پر چھوڑ دیا کہ وہ حسب حیثیت وصلاحیت تربیت کر کے کام کی سپردگی کا انتظام کر جائے۔

اس طرح رسول اللہ کا تقرر براہ راست اللہ کی طرف سے ہوا اور آخر دم تک ہدایات ونگرانی کا سلسلہ جاری رہا۔ پھر آپ کے بعد صحابہ کرامؓ نے کام کو سنبھالا جن کی تربیت ونگرانی میں رسول اللہؐ کا دست خاص مصروف عمل رہا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام وہ کام انجام دیے جو "دستور" کو قابل عمل بنانے اور بے لگام عقل وہوس کی موشگافیوں وسرمستیوں سے محفوظ رکھنے کے لیے ناگزیر تھے۔ اسی طرح صحابہ کرامؓ نے ان تمام امور کی نگہداشت کی جو حالات و زمانہ کی رعایت کرتے اور "دستور" کو دائمی شکل میں برقرار رکھنے کے لیے لازمی تھے۔

رسول اللہؐ کی تفصیل کے بارے میں فقہاء کا فیصلہ

رسول اللہؐ کے کام کی چونکہ دستور میں بالتفصیل وضاحت نہ تھی (قاعدہ کے مطابق ہونی بھی نہ چاہیئے) اور دستور کو قابل عمل بنانے اور محفوظ رکھنے کے لیے وہ کام ناگزیر تھے اس بنا پر فقہاء نے رسولؐ اللہ کے کام کے بارے میں درج ذیل فیصلہ کیا ہے۔

فان السنة عند العلماء	علماء کے نزدیک سنت کتاب پر فیصلہ
قاضية على الكتاب وليس	کرنے والی ہے، کتاب سنت پر فیصلہ
الكتاب بقاض على السنة	کرنے والی نہیں ہے کیونکہ کتاب کے

لان الکتاب یکون محتملا لامرین فاکثر فتاتی السنة بتعیین احدھما فیرجع الی السنة ویترك مقتضی الکتاب۔[1]

اندر کبھی دو امر یا زیادہ کا احتمال ہوتا ہے۔ سنت ان میں سے ایک کی تعیین کرتی ہے ایسی حالت میں سنت کی طرف رجوع کیا جائے گا اور کتاب کے مقتضی کو چھوڑ دیا جائے گا۔

تفصیل کی نوعیت

بات بالکل صاف ہے "دستور" میں حکم موجود ہے مقصد مذکور ہے حدود اربعہ کی نشان دہی کے ساتھ بعض جزئیا کی تشریح ہے اور حلت وحرمت کا بیان ہے۔ مثلاً حکم ہے کہ چور کا ہاتھ کاٹا جائے مال کی زکوٰۃ نکالی جائے، عدل واعتدال پیدا کیا جائے اور حلت وحرمت کا لحاظ کیا جائے وغیرہ۔

لیکن ہاتھ کس کا کتنے پر اور کس جگہ سے کاٹا جائے کس مال سے کتنی اور کس حالت میں زکوٰۃ لی جائے۔ عدل واعتدال پیدا کرنے کے لیے کس وقت اور کس شرح کا لحاظ ہو، حلت وحرمت کی تشریح بس اسی قدر ہے۔ یا اور بھی کچھ اس میں شامل ہے۔ وغیرہ۔ ان سب امور سے "دستور" فطری طور پر خاموش ہے اور یہ خاموشی اپنے اندر بہت سے "محتملات" کو چھپائے ہوئے تفصیلات کی مقتضی ہے۔

اگر "محتملات" کی تعیین وتفصیل میں رسول اللہؐ کا بیان وعمل فیصلہ کرنے والا نہ ہوگا تو کیا کسی دفتر کے ملازم وکلرک کے بیان وعمل سے کتاب اللہ پر فیصلہ کیا جائے گا؟

اسی طرح اگر یہ محتملات تعیین وتفصیل کے بغیر چھوڑ دیے جائیں گے تو دستور کو قابلِ عمل بنانے اور محفوظ رکھنے کے لیے رسول اللہؐ سے زیادہ مستند اور کس کا بیان وعمل قرار پائے گا؟

---

[1] الموافقات ج۴ المسئلة الثانیة ص۸،

فقہاء نے مذکورہ حقیقت کو چند مثالوں کے ذریعہ اس طرح سمجھایا ہے مثلاً:

فالقرآن آت بقطع کل سارق فخصت السنة من ذلك سارق النصاب وأتى بأخذ الزكوة من جميع الأموال ظاهرا فخصته بأموال مخصوصة وقال تعالى واحلت لكم ما وراء ذلكم فاخرجت من ذلك نكاح المرءة على عمتها او خالتها فكل هذا ترك لظواهر الكتاب وتقديم للسنة ومثل ذلك لا يحصى كثرة۔

قرآن کی آیت ہر قسم کے چور کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیتی ہے لیکن سنت نے آیت کو محفوظ نصاب کی مقدار چوری کرنے والے کے لیے خاص کر دیا ہے اسی طرح زکوٰۃ کی آیت کل مال سے زکوٰۃ لینے کا حکم دیتی ہے لیکن سنت نے اموال مخصوصہ کے ساتھ اس کو خاص کیا ہے۔ اور آیت ماحلت لکم ما وراء ذلکم اور تمہارے ان کے ماسوئی سب عورتیں حلال کی گئی ہیں) سے بیان کی ہوئی عورتوں کے علاوہ سب کی حلت کا حکم نکلتا ہے، لیکن رسول اللہ نے پھوپھی اور خالہ کے نکاح میں ہوتے ہوئے بھتیجی اور بھانجی سے نکاح کو مستثنیٰ کیا ہے، ان کے علاوہ اور بہت سی صورتیں ہیں جن میں ظاہر کتاب کو چھوڑ کر سنت کو کتاب پر مقدم کیا گیا ہے۔

اس قسم کی صورتوں میں بظاہر قرآن حکیم احادیث سے مؤخر معلوم ہوتا ہے لیکن اصلاً وہ مؤخر نہیں ہے جیسا کہ فقہاء کہتے ہیں:

ان قضاء السنة على الكتاب ليس بمعنى تقديمها عليه واطراح الكتاب بل ان ذلك المعبر فی السنة هو المراد فی الكتاب فكان السنة

ایسے مواقع میں کتاب پر سنت کا فیصلہ کتاب کو نظر انداز کرنے اور سنت کو مقدم کرنے کے معنی میں نہیں ہے بلکہ سنت میں جو بیان مذکور ہے دراصل کتاب میں وہی مراد ہے، اس لحاظ سے

---

[1] الموافقات ج۴ مسئلہ ثانیہ ص۹

بمنزلة التفسير والشرح لمعاني احكام الكتب ودل على ذلك قوله لتبين للناس ما نزل عليهم [1]

سنت کتاب کے احکام کے معانی کی تفسیر وتشریح کرنے والی ہے جیسا کہ خود قرآن حکیم میں ہے۔ لتبین للناس کہ آپ لوگوں کے سامنے بیان کر دیں جو ان کی طرف اتارا گیا ہے۔

بعض ہوس پرستوں کی ہوس رائیاں

بعض ہوس پرستوں نے اس واضح حقیقت کے باوجود فقہاء کے مذکورہ فیصلہ کو غلط رنگ میں پیش کیا ہے اور کہا ہے کہ ان کے نزدیک سنت کی پوزیشن ہائی کورٹ کے فیصلہ کی طرح برتر ہے جسے کوئی رد نہیں کر سکتا ہے اور قرآن کی حیثیت اس سے فروتر کسی ماتحت عدالت کے فیصلے کی طرح ہے جسے اوپر کی عدالت بلا کسی وجہ مسترد اور مرجوح قرار دے سکتی ہے۔[2]

لیکن فقہ کی درج ذیل عبارت سے اس الزام تراشی کا پردہ چاک ہو جاتا ہے۔

فمعنى كون السنة قاضية على الكتاب انها مبينة له فلا يوقف مع اجماله و احتماله وقد بينت المقصود منه لا انها مقدمة عليه۔ [1]

کتاب پر سنت کے فیصلے کرنے والی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ سنت کتاب کو بیان کرنے والی ہے کیونکہ مجمل اور محتمل کو بیان مقصود کے بغیر کیسے چھوڑا جا سکتا ہے یہ مطلب نہیں ہے۔ کہ سنت کتاب پر مقدم ہے۔

جب سنت مجمل کی تفصیل مشکل کے بیان اور مختصر کو مفصل کرنے کا نام ہے تو کتاب پر اس کے مقدم ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے جیسا کہ مذکور ہے۔

السنة راجعة فی معناها الى

سنت اپنے معنی میں "کتاب" کی طرف رجوع

---

[1] الموافقات ج۴ مسئلہ ثانیہ صفحہ ۱۰، [2] نگار۔ فروری ۱۹۶۲ء صفحہ ۱۰۳

الكتاب فهي تفصيل مجمله وبيان مشكله وبسط مختصره۔[1] — کرنے والی ہے کیونکہ وہ مجمل کی تفصیل مشکل کو بیان اور مختصر کو مفصل کرنے والی ہے۔

احادیث کس طرح قرآن حکیم کا بیان ہیں

فقہاء نے احادیث کو قرآنی احکام کا "بیان" جس طرح تسلیم کیا ہے اس سے انکار کی گنجائش نہیں ہے۔ مثلاً:

(۱) احکام کی بعض وہ حدیثیں ہیں جو عمل کی کیفیت اسباب شرائط موانع اور متعلقات وغیرہ سے بحث کرتی ہیں:

كالاحاديث الآتية في بيان ما اجمل ذكره من الاحكام اما بحسب كيفيات العمل او اسبابه او شروطه او موانعه او لواحقه او ما اشبه ذلك۔[2] — جیسے وہ حدیثیں جو قرآن کے مجمل احکام میں عمل کی کیفیت، اسباب، شرائط، موانع لحقات اور اس کے مشابہ چیزوں کے ذکر میں وارد ہوئی ہیں۔

(۲) بعض وہ حدیثیں جو قرآنی احکام کے مقاصد ثلثہ کی رعایت وحفاظت کرنے والی ہیں یعنی قرآن میں ایسے اصول بیان ہوئے ہیں جو (۱) انسان کی ضروریات (۲) حاجات (۳) تحسینات اور ان کے مکملات کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہیں، احادیث نے اصول سے جزئیات وفروع نکال کر اس طرح بیان کیا ہے کہ تینوں کی رعایت وحفاظت کے ساتھ ان کو بروئے کار لانے کی راہیں نکلتی ہیں۔

فالكتاب اتى بها اصولا يرجع اليها والسنة اتت بها تفريعا على الكتاب وبيانا لما فيه۔[3] — کتاب نے مقاصد کو اصول کے انداز میں بیان کیا اور سنت نے کتاب پر تفریع کی اور اس چیز کو بیان کیا جو کتاب میں تھی

(۳) بعض وہ حدیثیں ہیں جو قرآن کے بیان کردہ اصول وحدود کو مثال کے ذریعہ واضح کرتی ہیں جس سے اشتباہ رفع ہوتا ہے اور قیاس واستنباط کی راہیں کھلتی ہیں

---

[1] ایضاً مسئلہ ثالثہ ص۱۲ [2] ایضاً مسئلہ اربعہ ص۲۱، [3] الموافقات جزء رابع المسئلة الرابعة ص۲۷

مثلاً :

ان الله تعالیٰ احل الطیبات وحرم الخبائث وبقی بین هٰذین الاصلین اشیاء یمکن الحاقها باحدهما نبین علیه الصلوٰة والسلام فی ذٰلك ما اتضح به الامر۔ [1]

اللہ نے طیبات کو حلال اور خبائث کو حرام کیا ہے۔ ان دو اصلوں اور حدوں کے درمیان بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو ان میں کسی ایک کے حکم میں آسکتی ہیں رسول اللہؐ نے اس طرح وضاحت کے ساتھ بیان کیا کہ بات صاف ہوگئی اور اشتباہ رفع ہوگیا۔

(۴) بعض وہ حدیثیں ہیں جو قرآن کی اصل پر فرع کو منطبق کر کے دکھاتی ہیں یعنی جس اصل سے اشارہ ہوتا ہے کہ اس جیسی تمام صورتوں کا یکساں حکم ہے اس پر "حدیث" فرع کو اس طرح منطبق کرتی اور حدود و قیود کی نشان دہی کرتی ہے۔ کہ اس پر اعتماد کر کے دوسری فرع کی تفریع میں سہولت ہوتی ہے۔

فانه یقع فی الکتاب العزیز اصول تشیر الی ما کان من نحوها ان حکمه حکمها وتقرب الی فهم الحاصل من اطلاقها ان بعض المقیدات مثلها فیجتزی بذلك الاصل عن تفریع الفروع اعتمادا علی بیان السنة۔ [2]

قرآن حکیم میں کچھ ایسے اصول ہیں۔ جن سے اشارہ ہوتا ہے کہ جو صورتیں اس جیسی ہوں ان سب کا حکم اس جیسا ہے۔ نیز اصول کے انداز "اطلاق" سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ بعض مقیدات بھی اس میں شامل ہو سکتے ہیں چونکہ سنت ان اصول پر فرع کی تفریع کرتی ہے اس لیے اس پر اعتماد دوسری تفریعات کے لیے کفایت کرتا ہے۔

---

[1] ایضاً ص۳۳ ، [2] ایضاً ص۳۶ ، [3] الموافقات جزء رابع المسئلة الرابعة ص۳۹ ،

(۵) بعض وہ حدیثیں ہیں جو قرآنِ حکیم کی بیان کردہ جزئیات پر مشتمل قواعد عامہ کی تشکیل کرتی ہیں اور محتملات کی تعیین کرتی ہیں:

فان ادلة قد تاتی فی معان	دلیلیں کبھی مختلف معنوں میں آتی ہیں لیکن
مختلفة ولکن یشملها معنی	ان کو ایک ایسا جامع معنی شامل ہوتا ہے
واحد شبیه بالامر فی المصالح	جو مصالح مرسلہ اور استحسان کی روایت
المرسلة والاستحسان فتاتی	کے حکم کے مشابہ ہوتا ہے ایسی حالت
السنة بمقتضی ذلك المعنی الواحد	میں سنت اس ایک معنی کے مقتضی کو بیان
فیعلم او یظن ان ذلك المعنی ماخوذ	کرتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جمیع
من مجموع تلك الافراد۔[1]	افراد میں یہی معنی لیے گئے ہیں۔

ان کے علاوہ فقہاء نے بیان کی اور شکلیں بھی ذکر کی ہیں جن کے بعد کہا:

ان الکتاب دال علی السنة	کتاب سنت پر دلالت کرنے والی
انما جاءت مبینة	ہے اور سنت کتاب کو بیان کرنے
له۔[2]	والی ہے۔

غرض "بیان" کی قسموں میں سے کوئی بھی ایسی نہیں ہے کہ اس کے بغیر "دستور" قابلِ عمل بن کر برقرار رہ سکتا ہے۔ فقہاء نے جس تفصیل سے ان قسموں کو سمجھایا اور مثالوں کے ذریعہ واضح کیا ہے ان میں غور و فکر سے آنکھوں کو جلاء اور دماغ کو تازگی حاصل ہوتی ہے۔

اگر چشمۂ آفتاب سے کوئی "شپرہ چشم" اپنی بے بصری و بے بضاعتی کی وجہ سے محروم رہے تو اس میں آفتاب کا کیا قصور ہے، اگرچہ چشمۂ صافی سے کوئی جوع البقر استفادہ نہ کر سکے تو اس سے "چشمہ" کی افادیت کیونکر مجروح ہوتی ہے۔

[1] الموافقات جزء رابع المسئلة الرابعة صـ۲۷،

[2] ایضاً صـ۵۵،

صحابہ نے ان حدیثوں کو زیادہ اہمیت دی جن کا تعلق احکام سے ہے

یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے "دستور" کو قابل عمل بنانے کے لیے احادیث کو حرز جاں بنائے رکھا۔ اور ہوس پرستوں کی وسیسہ کاریوں وہوس رانیوں سے بچنے کی تاکید کی چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

ایاکم واصحاب الرای فانھم اعداء السنن اعیتھم الاحادیث ان یحفظوھا فقالوا بالرای۔ [1]

اپنے کو اصحاب رائے سے بچائے رہو وہ احادیث کو محفوظ نہ رکھ سکے اس بنا پر حدیثوں کے دشمن بن گئے اور اپنی رائے سے کہنے لگے۔

نیز صحابہ رضی اللہ عنہم نے "دستور" کو دائمی شکل میں برقرار رکھنے کے لیے احادیث میں فرق و امتیاز قائم کیا، اور ان حدیثوں کو زیادہ اہمیت دی جن کا تعلق احکام سے ہے۔ یعنی عبادات، معاملات اور اخلاق وغیرہ کے قوانین جن سے معلوم ہوتے یا مستنبط ہوتے ہیں۔

زیادہ اہمیت کی وجہ یہ ہوتی کہ رسول اللہ کے بیان وعمل میں شخصی وزمانی اثر کو اگر نظر انداز کر دیا گیا اور جملہ فرمودات واعمال کو ایک ہی "خانہ" میں رکھ دیا گیا تو "دستور" کو دائمی شکل دینے کی کوئی صورت نہ رہے گی اور حالات وزمانہ کی رعایت سے موقع ومحل متعین کرنے کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہو جائے گا جس کے بعد کوئی دستور ہمیشہ کے لیے قابل عمل نہیں رہ سکتا۔

فقہاء کی بیان کردہ حدیث کی تین قسمیں

اسی بناء پر فقہاء نے مختصراً احادیث کی تین قسمیں کی ہیں:

(۱) ما انزل اللہ عز وجل فیہ نص کتاب فسن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(۱) قرآن حکیم میں جس طرح صراحت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح سنت

---

[1] منہاج الاصول للبیضاوی باب القیاس فی بیان انہ حجۃ۔

مثل ما نص الکتاب۔

قائم کی۔

(۲) ما انزل اللہ فیہ جملۃ کتاب فبین عن اللہ معنی ما اراد۔

(۲) قرآن میں مجمل ہے۔ لیکن رسول اللہ نے اللہ کی طرف سے اس کی مراد کو بیان کیا۔

(۳) ما سن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مما لیس فیہ نص کتاب[1]

(۳) رسول اللہ نے وہ سنتیں قائم کیں جن کا صراحۃً ذکر قرآن میں نہیں ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ کی تقسیم

حضرت شاہ ولی اللہ نے مذکورہ حقیقت کو ایک اور تقسیم کے ذریعہ سمجھایا ہے۔

چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

اعلم ان ما روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ودون فی کتاب الحدیث علی قسمین احدھما ما سبیلہ سبیل تبلیغ الرسالۃ وفیہ قولہ تعالی ما اتٰکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنہ فانتھوا ومنہ علوم المعاد وعجائب الملکوت وھذا کلہ مستند الی الوحی ومنہ شرائع وضبط للعبادات والارتفاقات بوجوہ الضبط المذکورۃ فیما سبق وھذہ

رسول اللہ سے روایت کی ہوئی جو حدیثیں کتابوں میں جمع کی گئی ہیں۔ ان کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) وہ جن کا تعلق تبلیغ رسالت سے قرآن حکیم کی آیت "وما اٰتٰکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنہ فانتھوا" رسولؐ جو کچھ تمہیں دے اس کو لے لو اور جس سے منع کرے اس سے باز آجاؤ) ایسی ہی حدیثوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اس قسم میں درج ذیل امور سے متعلق حدیثیں شامل ہیں (۱) علوم معاد (قیامت و آخرت کے احوال جزا و سزا وغیرہ) (ب) عجائب الملکوت (دوسرے عالم کے احوال و کیفیات وغیرہ) ان سب کا مدار

---

[1] کتاب الرسالہ الشافعیؒ باب ما ابان اللہ الخ صدا۱،

بعضها مستند الى
الاجتهاد وهو صلى الله عليه
وسلم بمنزلة الوحي لان
الله تعالى عصمه من ان
يتقرر رأيه على الخطاء
وليس يجب ان يكون اجتهاده
استنباطاً من المنصوص كما
يظن بل اكثره ان يكون
علمه الله تعالى مقاصد
الشرع وقانون التشريع
والتيسير والاحكام
فبين المقاصد
المتلقاة بالوحي
بذلك القانون
ومنه حكم
مرسلة۔

صرف وحی پر ہے (ج) قوانین شریعت اور
عبادات ومعاملات کی جزئیات کا ضبط ان
اصول کے مطابق جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے
ان میں سے بعض کا مدار وحی پر ہے۔ اور
بعض کا اجتہاد پر ہے لیکن رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم کا اجتہاد وحی کی حیثیت رکھتا
ہے کیونکہ اللہ نے آپ کو غلط رائے پر
قائم رہنے سے محفوظ رکھا ہے آپ کے
ہر اجتہاد کے لیے ضروری نہیں ہے کہ صراحۃً
منصوصات سے استنباط کا نتیجہ ہو جیسا
کہ خیال کیا جاتا ہے بلکہ اجتہاد کی زیادہ تر
صورت یہ تھی کہ اللہ نے آپ کو شریعت
کے مقاصد، شریعت سازی کے قوانین
آسانی وسہولت کے ضابطے اور بنیادی
احکام سکھادیے تھے آپ نے شرعی قوانین
کے ذریعہ ان مقاصد کو بیان کیا جو وحی
کے ذریعہ آپ کو حاصل ہوئے تھے۔

*

ومصالح مطلقة لم
يوقتها ولم يبين لحدودها
كبيان الاخلاق الصالحة
واضدادها ومستندها
غالباً الاجتهاد بمعنى
ان الله تعالى علمه

(د) وہ حکمتیں اور مصلحتیں جو مرسل اور مطلق
ہیں یعنی جن کے لیے نہ کوئی وقت مقرر
ہے اور نہ ان کی حدیں بیان کی گئی ہیں
جیسے اخلاق صالحہ اور اخلاق فاسدہ کا
بیان ان میں سے اکثر کا مدار اجتہاد پر
ہے جس کی صورت یہ تھی کہ اللہ نے آپ

قوانين الارتفاقات فاستنبط منها حكمة وجعل فيها كلية۔

گویا ہی معاملات وانتظام کے قوانین تعلیم کردیے تھے جس سے آپ نے حکمت کے اصول مستنبط کیے اور ان کو کلیات کی شکل دی۔

ومنه فضائل الاعمال و مناقب الاعمال وارى ان بعضها مستند الى الوحى و بعضها الى الاجتهاد وتدقيق بيان تلك القوانين وهذا القسم هو الذى نقصد شرحه وبيان معانيه۔

(ز) فضائل اعمال اور ان پر عمل کرنے والوں کے مناقب میرا خیال یہ ہے کہ ان میں سے بعض کا مدار وحی پر ہے اور بعض کا اجتہاد پر ہے ان سب کا بیان اوپر گذر چکا ہے۔ ہمارا مقصد تبلیغ رسالت سے متعلق ہی امور کی شرح اور ان کے معانی کو بیان کرنا ہے۔

وثانيها ما ليس من باب تبليغ الرسالة وفيه قوله صلى الله عليه وسلم انما انا بشر اذا امرتكم بشئ من دينكم فخذوا به واذا امرتكم بشيء من رائ فانما انا بشر وقوله صلى الله عليه وسلم فى قصة تابير النخل فانى انما ظننت ظنا ولا تواخذونى بالظن ولكن اذا حدثتكم عن الله شيئا فخذوا

(۲) دوسری وہ حدیثیں ہیں جن کا تعلق تبلیغ رسالت سے نہیں ہے رسول اللہ کا یہ ارشاد انما انا بشر الخ میں صرف ایک بشر ہوں جب تمہارے دین کے متعلق کوئی حکم دوں تو اس پر عمل کرو اور جب میں تم کو اپنی رائے سے کوئی حکم دوں تو سمجھو کہ میں بشر ہوں) اسی طرح کھجوروں کے جوڑ لگانے کے واقعہ میں آپ کا یہ فرمان

میں نے ایک گمان کیا تھا تم لوگ میرے گمان پر عمل نہ کرو۔ البتہ جب میں اللہ کی طرف سے کوئی بات بیان کروں

به فانى لم اكذب على الله۔

تو اس پر عمل کرو کیونکہ میں اللہ پر جھوٹ نہیں باندھتا ہوں۔"

اسی قسم میں درج ذیل امور سے متعلق حدیثیں شامل ہیں۔ مثلاً:

فمنه قوله صلى الله عليه وسلم عليكم بالادهم الاقرح ومستنده التجربة ومنه ما فعله النبى صلى الله عليه وسلم على سبيل العادة دون العبادة وبحسب الاتفاق دون القصد ومنه ما ذكره كما كان يذكره قومه كحديث ام زرع وحديث خرافة۔ وهو قول زيد بن ثابت حيث دخل عليه نفر فقالوا له حدثنا احاديث رسول الله صلى الله عليه وسلم قال كنت جاره فكان اذا انزل عليه الوحى بعث الى فكتبته له فكان اذا ذكرنا الدنيا ذكرها معنا واذا ذكرنا الآخرة ذكرها معنا واذا ذكرنا الطعام ذكره معنا فكل هذا احدثكم عن رسول الله صلى الله عليه وسلم ومنه ما

(۱) طب کے متعلق حدیثیں (ب) اور یہ ارشاد کہ تم سیاہ رنگ والے ایسے گھوڑے پر سوار ہوں جس کی پیشانی میں تھوڑی سفیدی ہو، ایسی حدیثوں کا مدار وحی پر نہیں بلکہ تجربہ پر ہے۔ اسی طرح

(ج) آپ نے جو کچھ عادتاً کیا عبادۃً نہیں اتفاقاً کیا قصداً نہیں۔

(د) نیز وہ واقعات جن کا پوری قوم میں چرچا تھا۔ مثلاً ام زرع اور خرافہ کے قصے

(د) اور وہ کام جو آپ نے حالات وزمانہ کی جزئی وعارضی مصلحت سے کیے تھے۔ اور پوری امت کے لیے لازم نہیں ہیں۔ مثلاً فوجوں کی درستگی اور جنگی علامتوں کی تعیین کے وہ احکام جن کو خلیفہ وقتاً فوقتاً دیتا رہتا ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کے اس قول مالنا وللرمل الخ اب ہم کوچ میں اکڑ اکڑ کر چلنے کی کیا ضرورت ہے) ہم ایک قوم (کفار قریش) کے سامنے اس کی نمائش کیا کرتے تھے لیکن اب اللہ نے اس کو ہلاک کر دیا) کا یہی مطلب

قصد به مصلحة جزئية	ہے کہ وہ اس کو ایک خاص جزئی وعارضی مصلحت
يومئذ وليس من الامور	سمجھتے تھے لیکن چونکہ ان کو اپنے اس اجتہاد
اللازمة لجميع الامة و	پر پورا اطمینان نہ تھا، اس لیے یہ خوف
ذلك مثل ما يامر به الخليفة	ہوا کہ شاید اس کا کوئی اور سبب ہو اس
من تعبية الجيوش وتعيين	بناء پر عمرؓ نے اس میں دست اندازی
الشعار وهو قول عمر رضي الله	گوارا نہ کی۔ ان کے علاوہ اور دوسرے
عنه مالنا وللرمل كنا	احکام۔ مثلاً رسول اللہ کا یہ حکم "من
نترأى به قوما قد اهلكهم	قتل قتيلا" (جو شخص جس کو قتل کرے
الله ثم خشي ان يكون له	اس کا ہتھیار اسی کا حق ہے) اسی طرح آپ
سبب آخر وقد حمل كثير	کے خاص حکم و فیصلے جو گواہوں اور قسموں
من الاحكام عليه كقوله صلى	کی خاص نوعیت سے متعلق ہوتے تھے
الله عليه وسلم من قتل	جیسا کہ حضرت علیؓ سے آپ نے فرمایا۔
قتيلا فله سلبه ومنه	الشاهد يرى الخ" (واقعہ میں حاضر
حكم وقضاء خاص وانما	جو کچھ دیکھتا ہے اس کو غائب نہیں دیکھتا
كان يتبع فيه البينات و	ہے) کا یہی مطلب ہے۔
الايمان وهو قوله صلى الله عليه وسلم	احادیث کی تقسیم کے سلسلہ میں حضرت
لعلي رضي الله عنه الشاهد يرى مالا يراه الغائب[1]	زید بن ثابت کا درج ذیل بیان بنیادی

حیثیت رکھتا ہے۔ جب ان سے چند لوگوں نے رسول اللہ کی حدیثیں بیان کرنے کی درخواست کی تو فرمایا "كنت جاره" الخ (میں آپ کا پڑوسی تھا، جب آپ پر وحی نازل ہوتی تو آپ مجھ کو بلا بھیجتے تھے اور آپ کے حکم سے اس کو لکھتا تھا۔ لیکن جب ہم دنیا کا ذکر کرتے تو آپ

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ باب بیان اقسام علوم النبیؐ۔

ہمارے ساتھ دنیا کا ذکر کرتے اور جب ہم کھانے کا ذکر کرتے تو آپ ہمارے ساتھ کھانے کا ذکر کرتے، اور جب ہم کھانے کا ذکر کرتے تو آپ ہمارے ساتھ آخرت کا ذکر کرتے تھے، کیا میں ان تمام چیزوں کو بطور "حدیث" بیان کروں؟

شاہ صاحب کے بیان کا خلاصہ

شاہ صاحبؒ کے مذکورہ بیان کا خلاصہ یہ ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات و فرمودات کی دو قسمیں ہیں:

(۱) ایک وہ جن کا تعلق پیغمبرانہ فرائض و تبلیغ رسالت اور مہمات امور دین سے ہے مثلاً عقاید، عبادات، اخلاق، اخبار معاد اور معاملات کے وہ ضروری حصے جو حالات و زمانہ کے اثر کو نہیں قبول کرتے ہیں؛

(۲) دوسرے وہ جن کا تعلق انسانی باتوں سے ہے یا حالات و زمانہ کے اثر کو قبول کرنے والے ہیں۔ مثلاً:

(ا) عارضی و جزئی مصلحت کی بنا پر کوئی حکم:

(ب) حالات و زمانہ کے ساتھ بدلنے والے احکام

(ج) وہ امور جن کو آپ نے شخصی، قومی یا ملکی عادت و رواج کے مطابق کیا۔

(د) وہ امور جو بطور قصہ مشہور تھے اور آپ نے تفنن طبع یا کسی اخلاقی نتیجہ کے طور پہ بیان کیا۔

(ر) عربوں کے بعض تجربات و مسلمات اور علاج و معالجہ کی باتیں۔

(س) زراعت وغیرہ کے متعلق بعض ذاتی آرائیں، وغیرہ

دنیا کے ہر "دستور" کا دائرہ کار صرف اپنے زمانہ کے حالات میں محدود رہا ہے اور اس کی "نمود" کے لیے بالعموم کوئی ایسی صورت اختیار کرنے کی ضرورت نہیں رہتی جس میں مستقبل کی ضمانت ہو۔

لیکن جس دستور کی حیثیت دائمی و عالمگیر ہو اس کی "نمود" میں دو باتوں کی

رعایت ناگزیر ہے۔

(۱) کچھ ایسی چیزیں ہوں جن کا تعلق خاص زمانہ و حالات سے ہو اور (۲) کچھ ایسی ہوں جن کا دائرہ کار بعد کے حالات و ادوار کو اپنے اندر سمیٹ سکے۔ اگر پہلی چیزیں نہ ہوں تو نفاذ کے لیے "نمونہ" نہیں سامنے آتا۔ اور دوسری نہ ہوں تو اس کی دوامی شکل نہیں برقرار رہتی، اسی طرح اگر پہلی کو نظر انداز کر دیا جائے تو مطابقت کی کوئی ضمانت نہیں رہتی۔ اور دوسری کو نظر انداز کر دیا جائے تو ہوس پرستوں کو رنگ آمیزی و ہوس رانی کا پورا موقع مل جاتا ہے۔

اسی بنا پر جن بزرگوں کے پیش نظر "دستور" کو قابلِ عمل قابل نفاذ اور دائمی شکل میں برقرار رکھنے کا مسئلہ تھا انہوں نے دونوں قسموں میں فرق و امتیاز کو ملحوظ رکھا جیسا کہ حضرت عمرؓ کے توسیعی پروگرام میں گذر چکا ہے۔

حضرت عمرؓ نے کثرت روایت سے منع کیا

(۹۴) حضرت عمرؓ نے احادیث کم روایت کرنے کا حکم دیا۔ اور کثرت روایت سے سختی کے ساتھ منع کیا چنانچہ علامہ ذہبی لکھتے ہیں:

وقد كان عمر من وجله يخطي الصاحب على رسول الله يامرهم ان يقتلوا الرواية عن نبيهم ولئلا يتشاغل بالاحاديث عن حفظ القرآن عن قرظة بن كعب قال لما سيرنا عمر الى العراق مشى معنا عمر قال اتدرون لم شيعتكم قالوا نحن مكرمة لنا قال ومع ذلك فانكم

حضرت عمرؓ اس ڈر سے کہ صحابہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرنے میں غلطی نہ کریں، نیز یہ کہ حدیث میں مشغول ہو کر قرآن کو یاد کرنے سے غافل نہ ہو جائیں صحابہ کو حکم دیتے تھے کہ کم روایت کریں۔۔۔ قرظہ بن کعب کہتے ہیں کہ جب عمرؓ نے ہم کو عراق بھیجا تو خود ہمارے ساتھ نکلے اور کہا تمہیں معلوم ہے کہ میں کیوں تمہارے ساتھ آرہا ہوں۔ لوگوں نے کہا عزت و اکرام کے لیے فرمایا درست ہے لیکن

تاتون اهل قریۃ لهم دوی بالقرآن کدوی النحل فلا تصدوهم بالاحادیث فتشغلوهم جردوا القرآن واقلوا الروایۃ عن رسول اللہ وانا شریککم فلما قدم قرظۃ قالوا حدثنا فقال نہانا عمر۔

ایک اور غرض بھی ہے وہ یہ کہ تم لوگ ایسی جگہ جا رہے ہو جہاں لوگوں کی آواز قرآن پڑھتے میں شہد کی مکھی کی طرح گونجتی ہے۔ ان کو احادیث میں مشغول کر کے اس سے نہ روک دینا قرآن میں آمیزش نہ کرنا اور رسول اللہ سے کم روایت کرنا میں تمہارا شریک ہوں۔ چنانچہ قرظہؓ وہاں پہنچے تو لوگوں نے کہا کہ حدیث بیان کیجیے انہوں نے جواب دیا کہ عمرؓ نے منع کیا ہے۔

عن ابی سلمۃ عن ابی ہریرۃ قلت لہ کنت تحدث فی زمان عمر ھکذا فقال لو کنت احدث فی زمان عمر مثل ما احدثکم لضربنی بمخفقۃ ان عمر حبس ثلثۃ ابن مسعود وابا الدرداء وابا مسعود الانصاری فقال قد اکثرتم الحدیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔[1]

ابو سلمہؓ کہتے ہیں کہ ہم نے ابوہریرہؓ سے پوچھا کہ آپ عمرؓ کے زمانہ میں بھی اسی طرح حدیثیں روایت کرتے تھے انہوں نے کہا کہ اگر میں ایسا کرتا تو عمرؓ درے سے مجھ کو مارتے۔ حضرت عمرؓ نے عبداللہ بن مسعود، ابو الدرداء اور ابو مسعود کو قید کیا اور کہا کہ تم لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت حدیثیں روایت کرنا شروع کر دی ہیں۔

چار قسم کے خدشات کا اندیشہ تھا!

روایات کے تتبع سے پتہ چلتا ہے کہ کم روایت کے حکم میں چار قسم کے خدشات پیش نظر تھے۔

(۱) رسول اللہ کی طرف کوئی غلط بات منسوب نہ

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد اول امیر المومنین عمر بن الخطاب۔

ہو جائے۔

(۲) حدیث میں مشغولیت قرآن کی طرف سے بے توجہی کا باعث نہ بن جائے۔

(۳) جن حدیثوں سے کوئی شرعی غرض وابستہ نہیں ہے ان کو زیادہ اہمیت نہ حاصل ہو جائے۔

(۴) حدیثوں میں فرق و امتیاز نہ قائم رہے اور تشریعی و غیر تشریعی ایک درجہ میں آ جائیں۔

جو حضرات منصب خلافت کے رمز شناس ہیں وہ جانتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اس اقدام کے ذریعہ خلافتی ذمہ داریوں سے کس قدر سبکدوشی حاصل کی ہے اور منصب نبوت کو بلند و بالا مقام پر برقرار رکھتے ہوئے خلافتی اختیارات کو کس حد تک استعمال کیا ہے، جیسا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کہتے ہیں:

"چوں نوبت خلافت خاصہ رسید، شیخین (ابوبکرؓ و عمرؓ) در مجالس متعددہ تمیز و تفریق در منصب نبوت و منصب خلافت بیان نمودند" [۱]

حضرت عمرؓ نے جرح و تعدیل کے ساتھ درایتی معیار کا بھی لحاظ کیا

(۹۵) حضرت عمرؓ نے فن جرح و تعدیل ایجاد کیا اور حدیثوں کے جانچنے میں درایتی معیار کو بھی کافی اہمیت دی۔

چنانچہ شاہ ولی اللہ کہتے ہیں:

"ہر چند جمیع صحابہ عدول اند و روایت ایشاں مقبول و عمل بموجب آنچہ بروایت صدوق از ایشاں ثابت شود لازم اما درمیان آنچہ از حدیث و فقہ در زمن فاروق اعظم بود و آنچہ بعد وے حادث شدہ فرق ما بین السموات والارض ست" [۲]

---

[۱] ازالۃ الخفاء مقصد دوم نکتہ اولیٰ ص ۱۴۰، [۲] حوالہ بالا ص ۱۴۱۔

تلاش وتحقیق کے بعد محدثین نے درائتی معیار میں درج ذیل قسم کی چیزیں شامل کی ہیں مثلاً :

(۱) "حدیث" قرآن حکیم کے خلاف نہ ہو،
(۲) واقعات ومشاہدات کے خلاف نہ ہو۔
(۳) مسلّمہ اصول کے منافی نہ ہو۔
(۴) حدیث متواتر اور تعامل صحابہؓ کے خلاف نہ ہو۔
(۵) عقل کے خلاف نہ ہو۔ وہ عقل جو قلب کی تربیت گاہ میں تربیت پائی ہوئی ہو،
(۶) اس میں اوہام پرستی کی ترغیب نہ ہو۔
(۷) معمولی باتوں پر سخت عذاب کی دھمکی نہ ہو۔
(۸) مضمون روایت میں ایسا اشتباہ نہ ہو جس کی تعبیر وتوجیہہ مشکل ہو۔
(۹) فضائل ومناقب میں غلو سے کام نہ لیا گیا ہو۔
(۱۰) مصائب کے بیان میں مبالغہ سے کام نہ لیا گیا ہو۔
(۱۱) ایسی پیشین گوئیاں نہ ہوں جن میں سال اور ماہ کا تعین ہو۔
(۱۲) ایسے واقعات نہ بیان ہوں جن کا تذکرہ قرآن حکیم اور صحیح حدیثوں میں نہ ہو۔
(۱۳) الفاظ کی بندش ایسی نہ ہو کہ عربی قواعد پر وہ منطبق نہ ہو سکے۔
(۱۴) معانی ومفاہیم ایسے نہ ہوں جو شان نبوت اور وقار رسالت کے منافی ہوں
(۱۵) نیکی وبھلائی کے معمولی کاموں پر انبیاء ومرسلین جیسے ثواب کی ترغیب نہ ہو۔ وغیرہ[1]

چنانچہ موضوعات پر لکھی ہوئی کتابوں میں اس قسم کی تصریحات ملتی ہیں :

کل حدیث رایتہ یخالف العقول او تناقض الاصول فاعلم انہ موضوع فلا	جو حدیث عقل کے مخالف یا اصول کے مناقض ہے وہ موضوع ہے نہ اس کے راویوں کا اعتبار ہوگا اور نہ

[1] عجالۂ نافعہ ومقدمہ فتح الملہم ص ۱۶،

یتکلف اعتبارہ ای لا تعتبر روایة	راویوں کے جرح میں نظر کی جائے گی
ولا ینظر فی جرحھما ویکون مما	اسی طرح جس حدیث کو حس اور مشاہدہ
یدل فعه الحس والمشاهدة اومباینًا	رد کردے، یا جو کتاب اللہ، سنت
لنص الکتاب اوالسنة المتواترة او	متواترہ اور اجماع قطعی کے خلاف ہو
الاجماع القطعی حیث لایقبل شئ	اور کوئی تاویل قابل قبول نہ بن سکے وہ
من ذلک التاویل۔[1]	سب موضوع ہیں۔

محدثین کی اس قسم کی تصریحات سے واضح ہے کہ حدیث کی قبولیت کے لیے صرف راوی کا ثقہ ہونا کافی نہیں، بلکہ اور باتیں بھی ضروری ہیں۔ نیز یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ صرف ثقاہت واقعہ کی پوری حقیقت سمجھنے اور موقع ومحل کی خصوصیات ملحوظ رکھنے کو مستلزم نہیں ہے۔

رد و قیود کی خلاف ورزی اور افراط و تفریط کی راہیں

ہمارے اسلاف نے جن جن گوشوں کی نشان دہی کی تھی، موجودہ دور میں انہیں سے خطرات کا ظہور رہوا اور جو حد بندیاں قائم کی تھیں۔ انہیں کو توڑنے کی کوشش ہوئی ہے۔ مثلاً:

(۱) قرآن حکیم کو محض ایک مقدس نوشتہ کی حیثیت دی گئی اور اصل غرض سے روگردانی کی وہ مثال قائم ہوئی کہ جس کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔

(۲) احادیث کو بحث ونزاع کا موضوع بنایا گیا۔ اور انکار وقبول میں اس قدر وسعت سے کام لیا گیا کہ شان رسالت کی کوئی پروا ہوئی اور نہ منصب رسالت کی کوئی حیثیت قائم رہ سکی۔

(۳) روائتی معیار کو نظر انداز کیا گیا اور صرف ایک شخص کے قال الرسول کہہ دینے کو کافی سمجھ لیا گیا اگرچہ وہ واقعات کا صحیح تجزیہ نہ کرسکا ہو۔

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو مقدمہ فتح الملہم و تذکرۃ الموضوعات وموضوعات کبیر وغیرہ

(۴) احادیث میں فرق و امتیاز کو ملحوظ نہیں رکھا گیا اور ان حدیثوں کو زیادہ اہمیت دی گئی جن کا "تشریع" سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

(۵) فضائل و مناقب کی حدیثوں کو وظیفۂ حیات بنایا گیا اور تشریعی حدیثوں کی طرف کوئی توجہ نہ دی گئی اور اگر دی گئی تو بس اس قدر کیا اپنے فقہی مسلک کی کسی طرح تائید و توثیق حاصل کی جائے۔

(۶) سماجی زندگی و اصلاح معاشرہ سے متعلق حدیثوں کو بھلا دیا گیا اور صرف وہ حدیثیں یاد رہ گئیں جن کا موجودہ اور آئندہ حالات و معاملات سے کوئی تعلق نہیں رہتے۔

(۷) عزم و ہمت پر ابھارنے والی اور صلاحیت و کارکردگی کی طرف توجہ دلانے والی حدیثوں کو فراموش کر دیا گیا۔ اور خواب اور موضوع روایتوں کو بلا تحقیق قبول کر لیا گیا۔

غرض افراط و تفریط اور حدود و قیود توڑنے کی وہ ساری منزلیں طے کی گئیں جن کے تصور سے صحابۂ کرام لرزتے تھے اور محض خطرات کے اندیشہ سے سنگ نشان قائم کیے تھے۔

اجماع کو منظم شکل دے کر بعد کے لیے قابل عمل بنایا

(۹۶) حضرت عمرؓ نے اجماع کو منظم شکل دی اور "نمونہ" پیش کر کے بعد کے لیے قابل عمل بنایا۔

" اجماع کثیر الوقوع اتفاق اہل حل و عقد ست از مفتیان امصار این معنی در مسائل مصرحہ فاروق اعظم یافتہ می شود کہ اہل حل و عقد براں اتفاق کردہ اند" [1]

عرصہ سے اجماع کی تعبیر جس انداز سے کی جا رہی ہے اس کے لحاظ سے وہ ناقابل عمل ہے جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ کہتے ہیں۔

---

[1] ازالۃ الخفاء مقصد دوم حکایات گشت فاروق اعظم رضؓ، ص ۸۵،

"بازاجماع کہ متخیل اہل فرمان ست بمعنی اتفاق جمیع امت مرحومہ بحیثیت لا یشذ منہم فرد واحد نصاً من کل واحد منہم خیال محال ست ہرگز واقع نشدہ" ؎۱

یعنی جو اجماع لوگوں کے خیال میں ہے کہ اس میں ساری امت مرحومہ کا صراحۃً اتفاق ہو اور کوئی اس سے الگ نہ رہے یہ خیال محال کبھی واقع نہیں ہوا ہے

اجماع کے بارے میں بھی افراط تفریط کی دو راہیں موجود ہیں ایک گروہ اجماع کو ناممکن العمل حد تک مشکل سمجھتا ہے اور دوسرا اس قدر سہل الحصول تسلیم کرتا ہے۔ کہ نا اہلوں پر مشتمل کمیٹی کو اجماع کا درجہ دینے کے لیے تیار ہے۔

راقم کی کتاب "فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر" میں اجماع و قیاس وغیرہ مسائل پر تفصیلی بحث کی گئی ہے وہیں اس کا مطالعہ مفید رہے گا۔

قیاس و استنباط کی راہیں نکالیں ! !

(۹۷) حضرت عمرؓ نے اپنے فتووں، فیصلوں اور ہدایتوں کے ذریعہ قیاس و استنباط کی راہیں نکالیں جن کی مدد سے بعد میں اصول فقہ کا عظیم الشان فن ترتیب دیا گیا۔ چنانچہ ایک خط میں تحریر فرمایا۔

اعرف الامثال والاشباہ ثم قس الامور عند ذٰلک۔	اشباہ اور امثال کی معرفت حاصل کرو پھر نئے امور کو ان پر قیاس کرو۔

اس کلیہ سے ثابت ہوتا ہے کہ مقیس اور مقیس علیہ میں علت مشترکہ ہونا ضروری ہے جس کو بنیاد بنا کر فقہاء نے قیاس کی یہ تعریف کی ہے۔

الحاق امر بامر فی الحکم الشرعی لاتحاد بینہما فی العلۃ۔ ؎۱	ایک مسئلہ کا جو حکم ہے اتحاد علت کی درجہ سے وہی حکم دوسرے مسئلہ کا قرار دینا۔

؎۱ ازالۃ الخفاء مقصد دوم حکایات گشت فاروق اعظمؓ ص۸۵،

؎۲ ملاحظہ ہو تفصیلی بحث کے لیے "فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر" از ص۱۶۰ تا ص۲۷۴

موقع ومحل کی تعیین وغیرہ کی مثالیں پیش کیں

(۹۸) حضرت عمرؓ نے حالات وزمانہ کی رعایت موقع ومحل کی تعیین، تقدیم وتاخیر، تخصیص وتعمیم اور مطلق ومقید وغیرہ امور کی بہت سی مثالیں پیش کیں جن کی مدد سے بعد میں فقہ کی تدوین کا عظیم الشان کام انجام پایا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود فرمایا کرتے تھے۔

لو وضع علم احياء العرب في كفة ميزان ووضع علم عمر في كفة لرجح علم عمر۔[1]

اگر تمام عرب قبیلوں کا علم ایک پلہ میں رکھ دیا جائے اور عمرؓ کا علم دوسرے پلہ میں تو عمرؓ کا پلہ بھاری رہے گا۔

نئے ومشکل مسائل کی دریافت کا راستہ کھولا!

(۹۹) حضرت عمرؓ نے مشکل مسائل کے استنباط، نئے مسائل کی دریافت اور معارض حدیثوں میں تطبیق پیدا کرکے شریعت کو زندہ جاوید بنائے رکھنے کا راستہ کھولا، چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ اس درجہ کے صحابہؓ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

واما غير هؤلاء الاربعة فكانوا يرون دلالة ولكن ما كان يميزون الركن والشرط من الآداب والسنن ولم يكن لهم قول عند تعارض الاخبار وتقابل الدلائل الا قليلا كابن عمر وعائشةؓ وزيد بن ثابت۔[2]

لیکن ان چار (عمرؓ، علیؓ، ابن مسعودؓ اور ابن عباسؓ) کے سوا باقی اور اصحاب دلالت کو سمجھتے تھے۔ لیکن آداب و سنن، ارکان اور شرائط میں فرق نہیں کرسکتے تھے۔ نیز حدیثوں کے تعارض اور دلیلوں کے تقابل میں (بعض موقعوں کے علاوہ) ان کی بات زیادہ اہم نہ ہوتی تھی جیسے ابن عمرؓ، عائشہ اور زید بن ثابتؓ۔

---

[1] ازالۃ الخفاء مقصد دوم الفصل السابع فی بقاء سلسلۃ الصحبہ ص ۱۸۵۔

[2] ازالۃ الخفاء حکایات گشت مقصد دوم ص ۸۳۔

تمدنی و ملکی مسائل کی طرف خصوصی توجہ کی

(۱۰۰) حضرت عمرؓ نے تمدنی و ملکی مسائل کی طرف خصوصی توجہ صرف کی جن کی وجہ سے بجا طور پر وہ مجتہد مستقل کے خطاب کے مستحق قرار پائے۔

"نسبت اربا مجتہدان امت مانند نسبت مجتہد مستقل است با مجتہدان منتسب" [۱]

حضرت عمرؓ کے مذکورہ فرمودات میں بعض جگہ تعبیر کے الفاظ یقیناً سخت ہو گئے ہیں لیکن درد آشنا کی نظر درد پر ہونی چاہیئے نہ کہ اس کے اظہار کے طریقوں پر۔

[۱] ازالۃ الخفاء حکایات گشت مقصد دوم صـ ۸۳۔